مراثی میر انیس مرحوم

جلد ۳

شبیہ روضۂ کربلائے معلی

باہتمام محترمہ اسمتا پوردھن منیجنگ ڈائرکٹر تیج کمار بکڈپو (پرائیوٹ لمیٹڈ) وارث نول کشور
پریس بکڈپو، لکھنؤ نے اودھ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا

بار دوم ۱۰۰۰ کاپیاں ۲۰۰۴ء قیمت مکمل سیٹ ۴ جلد: -/450

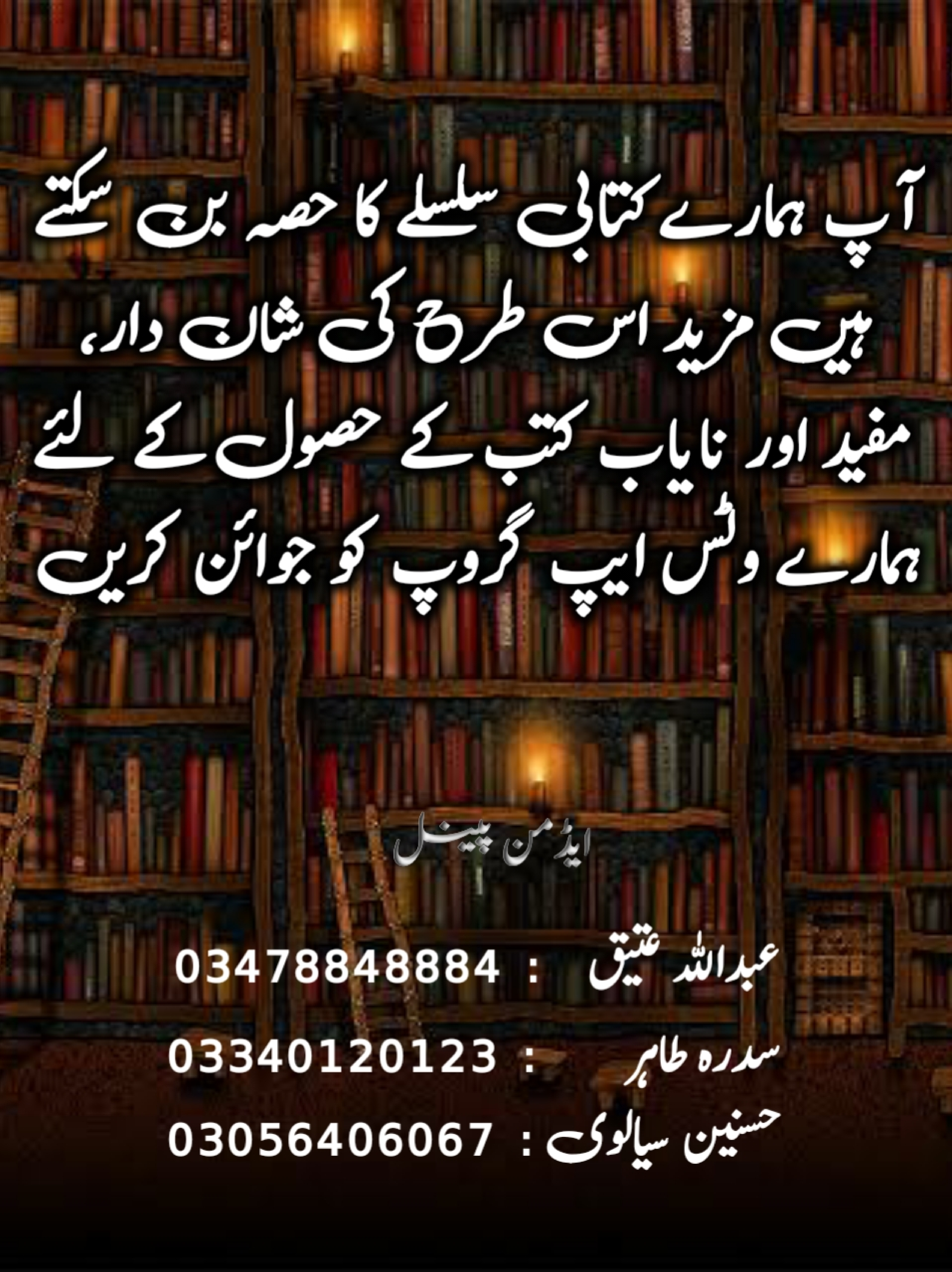

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے ہیں مزید اس طرح کی شان دار، مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

فہرست

مرثیہ و رباعیات و سلام میر انیسؔ جلد سوم

مرثیہ و رباعیات و سلام	مضمون	صفحہ
مرثیہ	جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے	۲
رباعیات	کہتے تھے لعیں لوٹ میں زر پائیں گے	۱۴
مرثیہ	پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے	۱۵
سلام	مجرئی جبکہ عیاں ماہِ عزا ہوتا ہے	۲۷
رباعی	افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے	۲۸
مرثیہ	ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر	۲۹
سلام	دل سیر ہے گدائے جنابِ امیرؑ کا	۴۱
رباعی	لاریب کہ مظہر العجائب ہے علیؑ	۴۲
مرثیہ	کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہرؑا	۴۳
سلام	مجرئی صدقے ہوں اِس درگاہ پر	۵۳
رباعیات	گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں	۵۴
مرثیہ	غُل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں	۵۵
رباعیات	برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا	۶۴
سلام	بَین اے مجرئی قاسمؑ کی دُلھن کیا جانے	۶۹
مرثیہ	دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر	۷۶
مرثیہ	اے مومنو مرنے کے لئے جاتے ہیں اکبرؑ	۹۱
سلام	غمِ حسینؑ میں رہ مجرئی ثواب یہ ہے	۹۵
مرثیہ	مومنو! مرنے کو ہم شکلِ نبیؐ جاتا ہے	۹۷
سلام	حسینؑ یوں ہوئے اے مجرئی وطن سے جُدا	۱۰۶
رباعی	اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا	۱۰۶
مرثیہ	غل آمدِ عباسؑ کا ہے فوجِ ستم میں	۱۰۷
رباعیات	بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا	۱۱۸

مرثیہ و رباعیات و سلام	مضمون	صفحہ
مرثیہ	جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جُدا ہوا	۱۱۹
سلام	گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے	۱۴۰
رباعی	جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا	۱۴۰
مرثیہ	جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں	۱۴۱
رباعیات	بالوں پہ غبارِ شیب ظاہر اب ہے	۱۵۲
مرثیہ	رطب اللساں ہوں مدحِ شہِ خاص وعام میں	۱۵۳
مرثیہ	یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو	۱۷۱
سلام	بیکسی کا شہ کی چرچا رہ گیا	۱۸۷
رباعیات	پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے	۱۸۸
مرثیہ	مومنو! خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج	۱۸۹
سلام	غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا	۱۹۳
رباعیات	اندیشۂ باطل سحر و شام کیا	۱۹۴
مرثیہ	جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو	۱۹۵
سلام	سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو	۲۰۵
رباعیات	عریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک	۲۰۶
مرثیہ	جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے	۲۰۷
سلام	گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے	۲۱۳
رباعیات	راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی	۲۱۴
مرثیہ	آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے	۲۱۵
سلام	اے سلامی! یوں ارم ہے کربلا کے سامنے	۲۲۱
رباعیات خاتمہ	دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا	۲۲۲
مرثیہ	روئے سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے	۲۲۳
خاتمہ	از مولوی محمد حامد علی صاحب	۲۳۷
تاریخ طبع	از منشی بالک رام صاحب گوہر منصرم	۲۳۸

مَن قال فینا بیتاً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ

ذریعۂ ارشاد سنت سعی مومنین وسیلۂ حصول حسنات عزاداران ائمۂ طاہرین مجموعۂ نفیس

یعنی

مراثی میر انیس مرحوم

جلد سوم

از کلام ندرت التضام سر آمد مرثیہ گویان نامی فصحائے گرامی
میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

باہتمام محترم اسحا چندر وہن مینیجنگ ڈائرکٹر تیج کمار بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) وارث نول کشور
پریس بک ڈپو لکھنؤ نے اودھ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا

مرثیہ ۱

جب منزلِ مقصد پہ امام زمن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغ ارم کی

۲ زہرا کے گلوں سے جو بھرا دشت کا دامن
اجڑے ہوئے جنگل کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
انبارِ خس و خاک بنا غیرت گلشن
ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادیِ ایمن
عکسِ رُخِ شبیرؑ کی ضو دور تلک تھی
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

۳ تھا فخر زمیں کو کہ خوشا بخت زہے جاہ
میں جس کی طلبگار تھی آیا وہ شہنشاہ
کہتے تھے یہ ذرّے تجھے روشن رکھے اللہ
تو نے ہمیں چمکا دیا اے فاطمہؑ کے ماہ
نقشِ قدمِ پاک ہے سرتاج ہمارا
ہے چرخِ چہارم پہ دماغ آج ہمارا

۴ آیا نظر اس فخرِ سلیماں کا جو دیدار
قربانِ ہوا سر پہ تصدق ہوئے اک بار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار
جاروب ہوا لے گئی جنگل کے خس و خار
جھک کر بادب پائے شہِ عرش نشیں پر
سبزے نے کیا فرش زمرد کا زمیں پر

۵ اُترا جو فرس سے وہ رہِ حق کا فدائی
سرسبزیِ بستانِ ارم دشت نے پائی
وہ نہر وہ اشجار وہ سبزہ وہ ترائی
جنگل بھی ہوا پر تھا کہ آج اپنی بن آئی
رشک آتا تھا خورشید کو ذرّے کی چمک پر
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پر

۶ آتی تھی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے ہر بار
مدفن ترا ہوگا یہیں اے سیدِ ابرار
چھٹ جائیں گے یاں تجھ سے ترے یاور و انصار
تیغوں سے کٹے گا چمنِ احمدِ مختار
دو دن تو یہیں پیاس کی تکلیف سہے گا
یہ ہے وہ زمیں جس پہ ترا خون بہے گا

۷ تڑپیں گے یہیں تشنہ لبی سے ترے اطفال
تیروں سے یہیں ہوئے گا سینہ ترا غربال
یاں ذبح کریں گے تجھے اے فاطمہؑ کے لال
گھوڑوں سے یہیں لاش تری ہوئے گی پامال
رتبہ ترا میدانِ شہادت میں بڑھے گا
سر تن سے اتر کر یہیں نیزے پہ چڑھے گا

۸ دریا کے کنارے سے ہوا سرد جو آئی
عباسِ دلاور سے کہا شہؑ نے کہ بھائی
خیمے کے لیے کونسی جاگہ تمھیں بھائی
کی عرض بہادر نے کہ بہتر ہے ترائی
لہراتا ہے دل یاں کی فضا خوب ہے مولا!
شیروں کو ہوا نہر کی مرغوب ہے مولا!

۹ اُترے گی جو یاں فوج شہنشاہِ حجازی
سیراب رہیں گے لب جو اشتر و تازی
پژمردہ بہت راہ کی گرمی سے ہیں غازی
عادی ہیں کئی وقت طہارت کے نمازی
منظور نظر طاعت اللہ ہے سب کو
دریا پہ اوترنے کی بڑی چاہ ہے سب کو

۱۰ شہ نے کہا اچھا یہیں خیمہ کرو برپا
منظور نہیں اپنے ہوا خواہوں کی ایذا
ہم چشمۂ الطاف ہیں ہم فیض کے دریا
مانع ہوں اگر اہلِ شقاوت تو کریں کیا
آرام ہمارا انھیں منظور نہیں ہے
خیمہ وہ اٹھا دیویں تو کچھ دور نہیں ہے

۱۱ تم بھی یہ خبر سن چکے ہو حُر کی زبانی
سب کوفی و شامی ہیں مرے دشمنِ جانی
درپے ہیں کہ مٹ جائے محمدؐ کی نشانی
دیکھوگے کہ وہ لوگ نہ دیں گے مجھے پانی
بے جرم و خطا قاتلِ اولادِ علیؑ ہیں
فوجیں مرا سر لینے کو شہروں سے چلی ہیں

۱۲ تھرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ دلاور
کیا منھ ہے کسی فوج کا یا سبطِ پیمبرؐ
جو حق کی طرف ہیں انھیں مرنے کا نہیں ڈر
اُس وقت سمجھ لیں گے جب آئیں گے ستمگر
دشمن ہمیں سرکائیں اب اس جا سے تو جانیں
شیروں کو ہٹا دے کوئی دریا سے تو جانیں

۱۳ فرما کے یہ فراشوں کو عباسؑ پکارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
فراشوں نے بار اونٹوں سے یہ سن کے اتارے
ناگاہ نشان ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلتا تھا کہ اعدا نظر آئے

۱۴ میدان سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمھارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
ہوگا لبِ جُو شام کے لشکر کا اُتارا
گھوڑوں سے زمیں یاں کی ہلے گی کوئی دم کو
دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہیئے ہمکو

۱۵ گرمی کی جو ایذا ہو تو جنگل کی ہوا کھاؤ
اے کوثر ہو نہر کے پانی پہ نہ لہراؤ
اسباب کنارے سے کرو جمّالوں کو سرکاؤ
ڈر ہے کہیں گھوڑوں کی نہ ٹاپوں میں کچل جاؤ
اک دم میں خدم یاں کہیں دھرنا نہ ملے گا
صحرا میں بھی پھر تم کو اُترنا نہ ملے گا

۱۶ ہتھوانس کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منھ پہ ہمارے
کھینچیں گے جو تیغیں اسد اللہ کے پیارے
خوں کا ابھی مینھ برسے گا دریا کے کنارے
لاکھ آئیں کہ دو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے دھمکانے سے ضیغم نہیں ڈرتے

۱۷ ہونے لگی اعدا میں اور اکبرؑ میں جو تکرار
غیظ آگیا برہم ہوئے عباسؑ خوش اطوار
جھپٹے صفتِ شیر یہ کہتے ہوئے اک بار
ہاں ہاں کدھر آتے ہو خبردار خبردار
دم میں نظر آئے گا نہ سر تن پہ کسی کے
شہزادے سے کچھ نہ سخن بے ادبی کے

۱۸ کیا ڈر ہمیں آتی ہے تو آئے سپہ شام
فوجیں ہوں کہ لشکر ہو کسی سے ہمیں کیا کام
دریا سے ہٹے گا نہ محمدؐ کا گل اندام
گرمی میں ترائی کو نہیں چھوڑتے ضرغام
ملک اپنی ہے غیروں کا اجارا نہیں ہرگز
دریا یہ ہمارا ہے تمھارا نہیں ہرگز

۱۹ وہ بولے کہ بے کار ہے تقریر یہ ساری
حاکم کا عمل ہے نہیں یاں ملک تمھاری
صحرا پہ بھی دریا پہ بھی حکم اس کا ہے جاری
فرمایا بہادر نے کہ غاصب ہے وہ ناری
سب خلق ہے قبضہ میں شہنشاہِ جری کے
آقا مرے مختار ہیں خشکی و تری کے

۲۰ کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
آساں نہیں شیروں کا ترائی سے ہٹانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
قبضے ابھی پکڑیں تو الٹ جائے زمانا
کردیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح الٹ دیتے ہیں انگلی سے ورق کو

۲۱ ہے تم کو ہٹائے نہیں لیویں گے دم اب تو
گڑتا ہے لبِ نہر حسینی علم اب تو
سر بھی جو کٹے گا تو نہ سرکیں گے ہم اب تو
شیروں نے یہیں گاڑ دیے ہیں قدم اب تو
دم جسم میں جب تک ہے لڑائی نہ چھٹے گی
تا حشر یہ دریا کی ترائی نہ چھٹے گی

۲۲ تیغوں کو علم کرکے یہ کہنے لگے اظلم
دیکھیں تو بھلا آپ زبردست ہیں یا ہم
یہ سنتے ہی بپھرا اسدؑ اللہ کا ضیغم
قبضے میں لیا قبضۂ شمشیر شرر دم
بڑھتے ہوئے دیکھا جو سواروں کو ادھر کے
ہتھوانس لیا شیر نے گردے کو سپر کے

۲۳ گھبرا کے ادھر سے شہِ والا یہ پکارے
ہاں ہاں مرے صفدر مرے عاشق مرے پیارے
تلوار نہ کھینچو ابھی صدقے میں تمھارے
راضی ہوں میں آ اتریں وہی دریا کے کنارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے
راحت انھیں ہوئے ہمیں تکلیف سہیں گے

۲۴ آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہ خوش اقبال
دیکھا کہ ہے غصہ میں بہادر کا عجب حال
رعشہ تنِ پُرنور میں خورشید کے تمثال
ابرو پہ شکن تیغ بہ کف غیظ سے رخ لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں
بپھرے ہوئے جوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں

۲۵
غصے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لیں گے ترائی
حضرت سے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
اس وقت مناسب ہے انھیں چشم نمائی
بس اب انھیں بے جان سے ملنے نہ چھوڑوں گا
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارے نہ پھروں گا

۲۶
بولے یہ برادر سے پسر شہ ابرار
کیا منہ جو ہٹا دیں تمھیں دریا سے ستمگار
ہے دھیان کدھر؟ کرتے ہو کن لوگوں سے گفتار
لو تھام لو غصے کو ہمیں کرتے ہو گر پیار
اللہ سزا دے گا انھیں بے ادبی کی
لڑنا ہمیں لازم نہیں امت سے نبیؐ کی

۲۷
بیہودہ لعیں بکتے ہیں جانے دو چلے آؤ
آوارہ وطن ہوں مری غربت پہ ترس کھاؤ
حیدرؑ کی قسم ہے تمھیں غصے سے نہ تھراؤ
محمل میں تڑپتی ہے سکینہؑ اسے سمجھاؤ
دو چل کے تسلی نہیں مر جائے گی زینبؑ
گھبرا کے عماری سے نکل آئے گی زینبؑ

۲۸
ناگاہ صدا دختر زہراؑ کی یہ آئی
عباسؑ کو سمجھا کے ادھر لائیے بھائی
بلوہ ہے مسافر پہ محمدؐ کی دوہائی
ریتی پہ رہیں خاک میں مل جائے ترائی
کھدوائیں کنوئیں نہر اگر پاس نہ ہووے
دریا کو لگے آگ جو عباسؑ نہ ہووے

۲۹
ہے ہے یہ وہی دشت بلا ہے یہ وہی نہر
ساحل پہ نہ اتروں گی میں کرتے ہو یہ کیا قہر
جس نہر کی شمشیر سے بدتر ہے ہر اک لہر
یہ چشمۂ شیریں ہے غریبوں کے لیے زہر
پردیس میں تکلیف گوارا کرو لوگو
اس نہر کے پانی سے کنارا کرو لوگو

۳۰
یاں آئے گی احمدؐ کے سفینے پہ تباہی
ہر سمت سے امڈے چلے آتے ہیں سپاہی
تقدیر لے بربادیِ سادات ہے جاہی
ہے ہے نہ بچے گا پسر شیر الٰہی
روشن ہے کہ شبیرؑ چراغ سحری ہیں
اماں مجھے اس دن کی خبر دے کے مری ہیں

۳۱
یہ کہہ کے لگی پیٹنے سر زینبؑ ناکام
سمجھانے سے حضرت کے ہٹی جب سپہ شام
ناموس محمدؐ میں بپا ہو گیا کہرام
بھائی کو لیے ساتھ پھرے شاہ خوش انجام
ساحل پہ اتارا ہوا واں فوج لعیں کا
یاں دھوپ میں برپا ہوا خیمہ شہ دیں کا

۳۲
ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اترے
افلاک شرافت کے ستارے بہم اترے
بچے لیے ناموس امام امم اترے
کس اوج سے کس شان سے وہ ذی حشم اترے
گردوں نے رکھا فخر سے چوکھٹ پہ جبیں کو
دربانی کا عہدہ ملا جبرئیلؑ امیں کو

۳۳
کیا خیمۂ سرور کی بلندی کروں تحریر
مہتاب تھا نقش قدم حضرت شبیرؑ
رفعت میں دبا جاتا تھا جس سے فلک پیر
کہتی تھی زمیں اب ہے دوبالا مری توقیر
چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا
خورشید کی دستار پہ طرہ نظر آیا

۳۴
تاریخ دوم کا تھا محرم کے یہ مذکور
ہشتم تلک ادھر جمع ہوا لشکر مقہور
آفت میں پھنسے پھر تو شہِ بیکس و مجبور
روزِ نہم اعدا کو لڑائی ہوئی منظور
درپے ہوئے سب قتلِ امامِ ازلی کے
دسویں کو گلے کٹنے لگے آلِ نبیؐ کے

۳۵
قاسمؑ کو ابھی رو نہ چکے تھے شہِ ابرار
دریا پہ چلے تھے کہ پکارے کئی خونخوار
جو قتل ہوئے نہر پہ عباسِؑ علمدار
مارا گیا اکبرؑ شہِ مظلوم کا دلدار
کہہ دو یہ خبر فاطمہؑ زہرا کے پسر سے
برچھی کو نکالیں علیؑ اکبر کے جگر سے

۳۶
جس دم یہ سنا قتل ہوئے اکبرؑ ذیجاہ
نے روئے نہ ماتم کیا بیٹے کا نہ کی آہ
ہاتھوں سے جگر تھام کے تھرانے لگے شاہ
منھ سے یہی نکلا کہ توکلتُ علی اللہ
کچھ فرق نہ آیا سرِ مو صبر و رضا میں
اصغر کو بھی قربان کیا راہِ خدا میں

۳۷
جب تین پہر میں وہ چمن ہو گیا پامال
کھینچے ہوئے تیغیں بڑھے آتے تھے بدافعال
تنہا ہوئے بس پھر تو شہنشاہ خوش اقبال
تھا منتظرِ حکمِ خدا فاطمہؑ کا لال
مانندِ علیؑ غیظ میں جب آتے تھے مولا
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے مولا

مطلع دوم
۳۸
جب رن میں مرقع ہوا ابتر شہِ دیں کا
باقی تھا نہ عباسؑ نہ اکبرؑ شہِ دیں کا
دنیا سے سفر کر گیا لشکر شہِ دیں کا
تھا شور کہ غربت میں لٹا گھر شہِ دیں کا
کھائے تبرِ ظلم ہر اک سروِ رواں نے
کیا تازہ چمن تھا جسے لوٹا ہے خزاں نے

۳۹
یاں اب ہمہ تن چشم ہوں سب عاشقِ شبیر
میداں میں اجالا ہے جبیں پر ہے یہ تنویر
دکھلاتا ہوں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
خاموش ہے غیرت سے چراغِ فلکِ پیر
سجدے کے نشاں کی بھی چمک سب پہ جلی ہے
یہ اخترِ اقبال حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۴۰
گردوں کو ہلاتا ہے جلالِ شہِ عالی
گیسو رخِ روشن پہ نہیں حسن سے خالی
ابرو پئے دشمن ہیں دو شمشیرِ ہلالی
خورشیدِ درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی
رخ آیۂ رحمت ہے تو زلف ابرِ کرم ہے
دیکھو سحرِ عید و شبِ قدر بہم ہے

۴۱
کس حسن سے تابندہ ہے گیسو کا ہر اک تار
خوشبو سے مہکتی ہے سرِ پاک پہ دستار
ہے سنبلِ پیچاں انھیں حلقوں میں گرفتار
بیجا نہیں پیچیدگیِ گیسوئے خمدار
ہے خاطرِ سرور جو پریشاں کئی شب سے
کاکل بھی ہے بل کھائے ہوئے جوشِ غضب سے

۴۲
آنکھوں سے ہر اک پل ہے یہ پلکوں کا اشارا
ہے ابنِ علیؑ فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا
ہم بھی پئے خونریزیِ مردم ہیں صف آرا
کی جس نے ادھر اک نظرِ بد اسے مارا
وار اپنے برابر سوئے بے پیر چلیں گے
آنکھ اس کی نہ جھپکے گی جو سو تیر چلیں گے

۴۳ عارض ہیں عجب گل کہ ہیں بلبل ملک و حور
سن پائے اگر جلوۂ رخسار کا مذکور
موسیٰ کو غش آجائے جو دیکھے کبھی یہ نور
مستور رہو پردے میں تجلّیِ سرِ طور
مہتاب تو تشبیہ کے قابل بھی نہیں ہے
خورشید کفِ پا کے مقابل بھی نہیں ہے

۴۴ ہے چہرۂ پُر نور پہ بینی کی عجب شان
دم دیتے ہیں وہ اس پہ جو ہیں صاحبِ ایمان
قرآں ہے رخ اور یہ الفِ اوّلِ قرآن
اس بینیِ نازک پہ اور آنکھوں پہ کرو دھیان
چھائے ہیں چمن تب گلِ مضموں یہ ملے ہیں
اک شاخ پہ بادام کی دو پھول کھلے ہیں

۴۵ رشکِ لبِ عیسیٰ ہیں یہ اعجاز نما لب
کھلتے تھے اسی لب سے رسولِ دوسرا لب
مردے ابھی جی جاویں ہلا دیں جو ذرا لب
اس لب کے لیے ساغرِ کوثر ہیں لبالب
گو پیاسے ہیں پر پانی کی پرواہ انھیں کیا ہے
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکرِ خدا ہے

۴۶ ہے مخزنِ اسرارِ الٰہی دہنِ پاک
دانتوں کی صفائی سے خجل انجمِ افلاک
دیتے تھے اسی منہ میں زباں سیّدِ لولاک
انجام پہ ان دانتوں کے ہوتا ہے جگر چاک
خالق نے سنوارا انھیں خود دستِ کرم سے
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگِ ستم سے

۴۷ حقا کہ زبانِ دہنِ پیمبر یہ زباں ہے
دریائے فصاحت کی شناور یہ زباں ہے
قرآں کی طرح پاک و مطہر یہ زباں ہے
کوثر ہے دہن ماہیِ کوثر یہ زباں ہے
جز کلمۂ حق اور کلاموں سے بری ہے
شیریں سخنی ہر رگ و ریشہ میں بھری ہے

۴۸ رنگت گلِ عارض میں ہے جنت کے چمن کی
لالے کا جگر داغ ہے سرخی سے دہن کی
خالِ رخِ روشن میں ہے بو مشکِ ختن کی
فردوس میں جاتی ہے مہک سیبِ ذقن کی
آسیبِ نظر سے اسے کیا خوف و خطر ہے
یہ نخلِ گلستانِ محمد کا ثمر ہے

۴۹ چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریشِ مخضّب
لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب
کیا قدرتِ حق ہے کہ ادھر دن تو ادھر شب
کعبے میں ہے خورشیدِ شرف غور کریں سب
دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رخسارِ غمِ شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

۵۰ کانوں کی ثنا سننے کو سب ہوں ہمہ تن گوش
رکھتے ہیں عجب حسن کے سلطانِ زمن گوش
کھولے ہوئے ہیں شوق میں گلہائے چمن گوش
فرمانِ الٰہی کے جو کرتے ہیں سخن گوش
یہ کان ہیں وہ جو شرفِ کون و مکاں ہیں
اسرارِ حق ان کانوں کے پردے میں نہاں ہیں

۵۱ سردار بدن ہے شہِ جمہور کی گردن
اس حسن کی ہوگی نہ کسی حور کی گردن
جھک جاتی ہے یاں شمعِ سرِ طور کی گردن
گورا وہ صراحی سا گلا نور کی گردن
بچپن میں گہر جسے چوما تھا نبی نے
تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

۵۲ سینہ ہے وہ کعبہ کہ مکاں جس میں ہے رب کا
سب جانتے ہیں حکم ہے قرآں کے ادب کا
کیا منہ ہے مقابل ہو جو آئینہ حلب کا
سر ہاتھوں سے پیٹو کہ یہ نکتہ ہے غضب کا
آنکھوں سے لگایا تھا جسے روح امیں نے
زانو اُسی مصحف پہ دھرا شمر لعیں نے

۵۳ شانے کی ہے ضو چودھویں کے چاند سے دہ چند
ہے دست بہ قبضہ جو یداللہ کا فرزند
ہاتھ ایسے کشادہ جو سخاوت کے ہیں پابند
تھراتے ہیں وحشت سے جوانان تنومند
تیغوں کو نیاموں سے نکالا نہیں جاتا
بھالا کسی ظالم سے سنبھالا نہیں جاتا

۵۴ نعرہ تھا کہ اے لشکر شام و عرب و روم
کھانے سے بھی محروم ہوں پانی سے بھی محروم
تم لاکھوں ہو اور بیکس و تنہا ہے یہ مظلوم
پر ابن علیؑ ہوں یہ تمھیں خوب ہے معلوم
تلوار علم کرکے جو لشکر پہ جھکوں گا
جبرئیلؑ بھی روکیں گے تو پھر میں نہ رکوں گا

۵۵ ہے خیر اسی میں کہ کنارا کرو نہر سے
پانی دو کہ پیاسا ہوں میں چوبیس پہر سے
اب ہاتھ اُٹھاؤ اسدِ حق کے پسر سے
للہ مزاحم نہ ہو اس تشنہ جگر سے
بیکس ہوں سوئے دشت و جبل جانے دو مجھکو
کعبے میں حرم لے کے نکل جانے دو مجھکو

۵۶ تلواروں کو چمکا کے ستمگر یہ پکارے
ہم کیا کریں مرتے ہو اگر پیاس کے مارے
دشوار ہے جانا کہیں قابو سے ہمارے
یہ خشک گلا کاٹیں گے دریا کے کنارے
زہراؑ کی بہو ظلم اسیری کے سہے گی
زینبؑ کے سرِ پاک پہ چادر نہ رہے گی

۵۷ کی بے ادبوں نے جو باعلان یہ تقریر
کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر
سرتابقدم کانپ گئے حضرتِ شبیرؑ
بل آگیا ابرو پہ اگلنے لگی شمشیر
غیرت سے یہ تھا غیظ شجاعِ ازلی کو
جس طرح جلال آیا تھا خیبر میں علیؑ کو

۵۸ نعرہ کیا غازی نے کہ اے لشکرِ اظلم
وہ زخم لگا دل پہ کہ جس کا نہیں مرہم
کلمہ یہ نہ تھا خنجرِ خونریز سے کچھ کم
چھینو گے ردا اُس کی جو ہے ثانیِ مریم
منھ پر مرے کرتے ہو سخن بے ادبی کے
مجبور سمجھتے ہو نواسے کو نبیؐ کے

۵۹ ہے شرط کہ اس تیز زبانی کی سزا دوں
اندازِ قیامت کے تلاطم کو دکھا دوں
دوزخ کے زبانے سے زبانوں کو جلا دوں
گیتی کو اُلٹ دوں ابھی گردوں کو ہلا دوں
بجلی وہ گرے گی کہ بہت یاد کروگے
جلجاؤ گے زینبؑ پہ جو بیداد کروگے

۶۰ کہہ کر یہ سخن کھینچ لی شمشیر شرر افشاں
ہر صف پہ گری کوند کے برقِ شرر افشاں
پرتو سے ہوا سب ورقِ خاک زرافشاں
چھینٹوں سے ہوئی خون کی ہر اک سپر افشاں
قرباں ہوئے خوں خوار دمِ تیغِ دو دم پر
ہر جسم نے سر رکھ دیا حضرت کے قدم پر

۶۱ جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی
لشکر کے زرہ پوشوں کو بے جان کر آئی
جمعیت اعدا کو پریشان کر آئی
چار آئینہ والوں کو بھی حیران کر آئی
نکلی وہ اجل بن کے جو شمشیر کی صورت
ایک ایک کا منہ تکتا تھا تصویر کی صورت

۶۲ ناگن سی گئی فوج کو مسمار کر آئی
ساحر کو فنا مست کو ہشیار کر آئی
جو جو تھے لب نہر اُنھیں فی النار کر آئی
جس موذی نے لی بل کی اُسے مار کر آئی
سرسبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اُسکا
تھا جسم کبود اور دہن لال تھا اُسکا

۶۳ لوگوں سے ہر اک چشم کو بے نور کر آئی
گرمائے جو کافر اُنھیں کافور کر آئی
شعلوں سے ہر ایک جسم کو تنور کر آئی
نزدیک گئی جسم کے سر دور کر آئی
چلتی تھی سموم غضب اس فوج شقی پر
کب آئی گئی کب یہ نہ کھلتا تھا کسی پر

۶۴ جو بڑھتا تھا شمشیر بکف فوج کے دل سے
سر بر کوئی ہوتا تھا نہ اس برق اجل سے
شانے کو قلم کر کے نکلتی تھی بغل سے
غل تھا کہ عجب پھول کھلے تیغ کے پھل سے
زخموں سے یہ تھا رنگ لعینوں کے بدن کا
ہوتا تھا گماں ہر شجر قد پہ چمن کا

۶۵ گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر
دہشت سے کمانیں تھیں خمیدہ صفت پیر
نیزے نہ اٹھاتے تھے سر اپنا کسی تدبیر
پردار تھے ہر چند پہ اُڑ سکتے نہ تھے تیر
رو پوش جو ڈھالیں عقب دوش ہوئی تھیں
تلواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں

۶۶ ڈھالوں پہ سواروں کی وہ صمصام نہ ٹھہری
زیر زرہ جسم بد انجام نہ ٹھہری
بجلی سی میان سپہ شام نہ ٹھہری
اللہ ری روانی کہ تہ دام نہ ٹھہری
دریا کو بھی اس طرح کا چالاک دیکھا
ایسا کسی مچھلی کو بھی تیراک نہ دیکھا

۶۷ کاٹی کبھی ڈھال اور کبھی شمشیر کو کاٹا
پھر کر کبھی نیزے کو کبھی تیر کو کاٹا
گہہ خود سر ظالم بے پیر کو کاٹا
چلہ کبھی کاٹا کبھی زہ گیر کو کاٹا
لڑنے سے خطا کاروں کے جی چھوٹ گئے تھے
فولادی کمانوں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے

۶۸ چلوں میں جو ناوک کوئی صف جوڑ کے نکلی
سارے قدر اندازوں کے منہ موڑ کے نکلی
نقرے یہ قیامت کے اُدھر چھوڑ کے نکلی
سر کاٹ کے خون چاٹ کے دل توڑ کے نکلی
پیہم جو خطائیں ہوئیں ناوک فگنوں سے
روحیں بھی ہوا ہو گئیں چلّے کے تنوں سے

۶۹ شہباز سی نظروں میں جنھیں تول کے آئی
غل ہونے لگا بیچ میں جس غول کے آئی
اک دم میں وہیں ظالموں کو رول کے آئی
لو مرگ مفاجات دہن کھول کے آئی
خونریزی کفار کا عہدہ ہے اسی کو
بے ذبح کیے اب یہ نہ چھوڑے گی کسی کو

۷۰ قبضہ یہ نہیں تاجِ سرِ فتح و ظفر ہے
ٹاپوں کا نشان جادۂ صحرائے سقر ہے
مشکل ہے پناہ اس سے کہ یہ موت کا گھر ہے
بے بحر بھی چکّر میں عجب طرح کا بر ہے
پیتے ہیں لہو دل کا وہ پٹھے ہیں بلا کے
جوہر نہیں یہ حرف ہیں سیفی کی دعا کے

۷۱ لشکر میں جدھر جاتی تھی بجلی سی چمک کر
گرتی تھی لپک کر تو پھر اٹھتی تھی لچک کر
پس جاتے تھے مرجاتے تھے نامرد دبک کر
کیا آفت دوران تھی کہ تھا چرخ کو چکّر
تھا شور کہ سرکے رہو بازو اس کی جڑی ہے
کٹتے ہیں جگر چال ہے یا تیز چھری ہے

۷۲ یہ ضرب تہمتن سے اٹھائی نہیں جاتی
جب سے یہ بلا جان پہ آئی نہیں جاتی
رستم سے بھی چوٹ اس کی بچائی نہیں جاتی
خون پی گئی اور منھ کی صفائی نہیں جاتی
کاٹا ہے رسالوں کو فلک زیر و زبر ہیں
حیوانوں کو کھا جاتی ہے یہ ہم تو بشر ہیں

۷۳ ڈالا تھا عجب تہلکہ بجلی کی چمک نے
روکے تھے ادھر تین فلک مہر فلک نے
ڈھانپا تھا بدن ڈر کے پچھل تہ میں سمک نے
کرسی کو سنبھالا تھا ادھر فوج ملک نے
غل تھا کہ نہ یہ صاعقہ روکے سے رکے گا
اب صور سرافیل کوئی دم میں پھکے گا

۷۴ چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ
ہر خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ
ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
لب سرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ
تھا شور کہ جل بھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو اسے تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

۷۵ ہر طائر جاں کے لیے صیاد ہے یہ تیغ
سفاکی میں بجلی کی بھی استاد ہے یہ تیغ
لاکھوں کو کیا ذبح وہ جلاد ہے یہ تیغ
گردوں کو جلا دے وہ پریزاد ہے یہ تیغ
مطلق نہیں فرق اس میں کچھ اور برقِ اجل میں
برسوں سے یہ رہتی ہے سلیماں کی بغل میں

۷۶ جس غول میں وہ تیغ دو دھاری نظر آئی
آتش میں صفِ لشکرِ ناری نظر آئی
اک جدولِ خوں خاک پہ جاری نظر آئی
حلقوں میں قیامت کئی باری نظر آئی
وہ برق اڑاتی تھی جو ہر دم شرر اپنے
جبرئیل پس پشت چھپاتے تھے پر اپنے

۷۷ ہوتے تھے جدا ضربتِ شمشیر دو سر سے
دستانے کلائی سے کمر بند کمر سے
سر دوش سے تن روح سے چار آئینے بر سے
ہاتھوں سے نشان تیغ سے پھل پھول سپر سے
آگ آب میں تھی دم تن خاکی سے ہوا تھے
تھا کاٹ غضب کا کہ عناصر بھی جدا تھے

۷۸ تلوار نے میداں سے جب اس فوج کو ٹالا
خوں پونچھنے کو تیغ پہ دامن جو ہیں ڈالا
گھوڑے کی عناں روک کے ٹھہرے شہِ والا
عزت ہوئی شمشیر دو پیکر کی دوبالا
توقیر ملی فیضِ امامِ ازلی سے
خلعت ہوا سرکارِ حسینؑ ابن علیؑ سے

۷۹ گویا ہوئی تیغِ دو زبانِ اسد اللہ — روکا ہے مجھے کیوں آپ نے کیا قصد ہے یا شاہ
فرمایا کہ اے جدم ابنِ شہ ذی جاہ — زخمی ہو جگر جس کا وہ کیا خاک لڑے آہ
اس دم ہے قلق سبطِ رسولِ عربی کو — عرصہ ہوا دیکھا نہیں ہم شکلِ نبی کو

۸۰ دل روتا ہے برچھی سی کلیجے میں گڑی ہے — ایک ایک گھڑی ہم پہ قیامت کی گھڑی ہے
بے دفن ہے فرزند ندامت یہ بڑی ہے — ہم جیتے ہیں اور دھوپ میں لاش اسکی پڑی ہے
جنت میں کہا ہوگا یہ سلطانِ زمن سے — ماں باپ نے محروم رکھا گور و کفن سے

۸۱ غم ہے کہ اُسی وقت ہمیں موت نہ آئی — وہ مر گئے اور ہم نے بڑی دیر لگائی
منصف ہے کوئی کس کو دکھاؤں یہ لڑائی — جیتا نہیں عباسِ دلاور مرا بھائی
ٹوٹی ہے کمر آہ نکلتی ہے جگر سے — سیدھا ہوا جاتا نہیں زہرا کے پسر سے

۸۲ اور اس کے سوا پیاس کی شدت نے ہے مارا — دو دن کے ہیں فاقے سے ید اللہ کا پیارا
اس دکھ میں کیا تاب و تواں نے بھی کنارا — طاقت بھی نہ ہو جب تو کہاں جنگ کا یارا
حسرت ہے کہ کٹ جائے گلا تیغِ جفا سے — اتنا بھی لڑا میں تو فقط حکمِ خدا سے

۸۳ اے تیغ قریب آیا ہے اب عصر کا ہنگام — چھوڑے گا نماز اپنی نہ یہ بیکس و ناکام
سجدے میں جو ہوں ذبح تو آئے مجھے آرام — دل میں ہو یہی ذکر زباں پر ہو یہی نام
تکبیر کی سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صدا ہو — رگ رگ سے مرے کلمۂ توحید ادا ہو

۸۴ تیغِ دو زباں سے یہ ابھی کہتے تھے شبیر — جو لاکھ لعیں ٹوٹ پڑے دست بہ شمشیر
شہ نے کہا حاضر ہوں میں اے لشکرِ بے پیر — ہاں شوق سے مارو مجھے تیغ و تبر و تیر
یہ تین شب و روز کا پیاسا نہ لڑے گا — اب تم سے محمد کا نواسہ نہ لڑے گا

۸۵ یہ سنتے ہی گرد آ گئے سب برچھیوں والے — تیغوں سے کٹا جسم بھی خوں کے بہے نالے
چلنے لگے سینے پہ ستمگاروں کے بھالے — دوڑے شہ لولاک کلیجے کو سنبھالے
کھولا پئے فریاد جو سر بنتِ نبی نے — تیغوں میں سپر کر دیا سینے کو علیؑ نے

۸۶ کس منہ سے کہوں صبر و رضائے شہِ ابرار — جاری تھے زباں پر کلمے شکر کے ہر بار
فرماتے تھے زخموں کی کچھ ایذا نہیں زنہار — بارانِ کرم ہے مجھے تیروں کی یہ بوچھار
کیا غم انھیں زخموں کا جو مشتاقِ اجل ہیں — تلواریں نہیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں

۸۷ یا رب تو غنی بندہ ہے اک بندۂ محتاج — تیری ہی عنایت سے ہوا خلق کا سرتاج
سر نذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج — مقبول ہو ہدیہ تو ملے رتبۂ معراج
ہنگامِ تردد ہے مدد کیجیو مولا — یہ تحفۂ درویش نہ رد کیجیو مولا

۸۸ رکھتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اب تک میں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر
اک جاں ہے سو قربان ہے اک سر ہے سو حاضر
بیکس پہ کرم کیجیو مولا دمِ آخر
سینے پہ مرے زانوے قاتل نہ گراں ہو
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو

۸۹ واقف نہیں اس مرحلۂ صعب سے شبیرؑ
پیاسا ہوں کئی روز سے میں بیکس و دلگیر
تھرّاتا ہے سینے میں دل اے مالکِ تقدیر
ان خشک رگوں پر کہیں رک جائے نہ شمشیر
مضطر مرا ہونا خللِ اندازِ ادب ہو
تڑپوں بشریت سے جو اس دم تو غضب ہو

۹۰ بچپن میں ہوا تنگ جو کرتے کا گریباں
یارب وہ گریباں تھا ہے خنجرِ براں
آنسو نکل آئے مرے رونے لگیں اماں
گو سخت ہے مشکل پہ کرے گا تو ہی آساں
یوں خنجرِ قاتل کی چلے دھار گلے پر
منھ ملتا ہے جیسے کوئی غمخوار گلے پر

۹۱ آئی یہ ندا کان میں شاہِ شہدا کے
قدسی ہیں ثنا خواں تری تسلیم و رضا کے
رحمت تجھے اے بندۂ مقبول خدا کے
لے تاجِ شفاعت مری سرکار میں آکے
غمگیں نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے

۹۲ اب دیر نہ کر اے پسرِ مخبرِ صادق
معشوق کو منظور ہے خوشنودیِ عاشق
جنت تری مشتاق ہے کوثر ترا شائق
دیں گے تجھے جو جو کہ ہیں رتبے ترے لائق
تو دل سے فدا کرتا ہے سر راہِ خدا میں
ہدیہ ترا مقبول ہے درگاہِ خدا میں

۹۳ رہ مطمئن اے فاطمہؑ کے نازوں کے پالے
مقبول ہیں ناجی ہیں ترے چاہنے والے
امت ہے ترے نانا کی سب تیرے حوالے
جنت کے گلستاں میں جسے چاہے بلا لے
خالق نے غضب بھی تجھے بخشا ہے کرم بھی
دوزخ بھی ترا خلد بھی کوثر بھی ارم بھی

۹۴ یہ مژدۂ جاں بخش جو ہاتف نے سنایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
خوش ہو کے سخی نے سرِ تسلیم جھکایا
محتاج نے سب کچھ تری درگاہ سے پایا
بندے کو سرافراز کیا تو نے جہاں میں
رتبے وہ ملے جو کہ نہ تھے وہم و گماں میں

۹۵ کہتے تھے یہ گردن کو جھکائے شہِ والا
سر نوکِ سناں نے طرفِ پشت نکالا
ناگاہ لگا قلب پہ اک ظلم کا بھالا
گرنے لگے مولا تو فرشتوں نے سنبھالا
پہنچا یہ ادھر حکمِ خدا روحِ امیں کو
اٹھنے نہ کہیں تھام لے شبیر سے زمیں کو

۹۶ لگتی تھیں تنِ شہ پہ ادھر برچھیاں کاری
اک نور کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں ناری
مثلِ گلِ تر خون سے قبا سرخ تھی ساری
مرنے پہ جھکا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
زخموں سے ٹپکتا تھا لہو دامنِ زیں پر
دامن سے رکابوں پہ رکابوں سے زمیں پر

۹۷
تھامے تھے ملک خیمۂ گردوں کی طنابیں
چھوٹیں شہ بیکس کے جو قدموں سے رکابیں
صدمے سے لہو روتی تھیں تلواروں کی نایں
دوڑے حرم الٹے ہوئے چہروں کی نقابیں
تھا شور کہ ناموسِ پیمبرؐ نکل آئے
بارہ قمر اک برج سے باہر نکل آئے

۹۸
غل ہائے حسینؑا کا جو برپا ہوا اک بار
گرنا تھا کہ شانے پہ چلی ظلم کی تلوار
خیمے کو لگے دیکھنے مڑ کر شہِ ابرار
پہلو پہ تبر سر پہ لگا گرزِ گرانبار
زہراؑ کا پسر توسنِ چالاک پہ تڑپا
گر کر کبھی تاجِ علیؑ خاک پہ تڑپا

۹۹
مقتل میں جو کوتل نظر آیا فرسِ شاہ
لو صاحبو ریتی پہ گرا فاطمہؑ کا ماہ
سر پیٹ کے چلانے لگی بنتِ ید اللہ
گھر صاحبِ معراج کا تاراج ہوا آہ
جلادوں کا نرغہ ہے امامِ ازلی پر
سب مل کے چلو لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۰
آگے تو بڑھی بنتِ علیؑ چاک گریباں
بانو کے اُدھر مادرِ قاسم بصد افغاں
پیچھے چلی زہراؑ کی بہو با سرِ عریاں
کلثومؑ اِدھر منھ پہ بکھیرے بال پریشاں
چہرے پہ وہ ننھے سے دھرے ہاتھ سکینہؑ
ٹوپی کو اتارے ہوئے تھی ساتھ سکینہؑ

۱۰۱
سر پیٹتے ہاتھوں سے حرم رن میں جو آئے
غش تھے شہِ دیں نرگسی آنکھوں کو پھرائے
دیکھی وہ قیامت کہ نہ اللہ دکھائے
بیٹھا تھا لعیں سینے کو زانو سے دبائے
صدمہ تھا عجب نزع میں شاہِ شہدا پر
ٹوٹا تھا پہاڑ آئینۂ نورِ خدا پر

۱۰۲
جب ذبح کو ہاتھ اپنا بڑھاتا تھا ستمگار
زانو پہ دھرے تھے سرِ شہ احمدؐ مختار
خنجر سے لپٹ جاتی تھی زہراؑ جگر افگار
رومال سے ڈھانپے تھے گلا حیدرِ کرار
کہتے تھے نہ کر ظلم امامِ ازلی پر
ہے حلقِ نبیؐ حلقِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۳
سر پیٹ کے زینبؑ نے اُدھر سے یہ پکارا
کہہ دیجیے زندہ ہو اگر آپ کا پیارا
بابا مرے بھائی کو بچا لیجیے خدارا
آتی ہے بہن دیکھنے دیدار تمھارا
اک دم کے لیے شمرِ ستمگار جو ہٹ جائے
یہ خستہ جگر دوڑ کے چھاتی سے لپٹ جائے

۱۰۴
فرما کے یہ آگے جو بڑھی زینبِ دلگیر
چلا کے یہ جب رونے لگی دخترِ شبیرؑ
تلواریں لیے راہ میں حائل ہوئے بے پیر
بابا مرا کچھ بس نہیں اب کیا کروں تدبیر
ہوتی ہوں یتیم اشک بہانا نہیں ملتا
نزدیک ہیں آپ اور مجھے آنا نہیں ملتا

۱۰۵
بابا کہو کیا دل پہ گزرتی ہے تمھارے
صدقے گئی جیتے ہو کہ دنیا سے سدھارے
نکلی تو نہیں منھ سے زباں پیاس کے مارے
آواز نہ دی ہم تمھیں دو بار پکارے
بولو نہیں اب غم سے جگر پھٹتا ہے میرا
حضرت نے صدا دی کہ گلا کٹتا ہے میرا

۱۰۶
رن سے یہ صدا دی جو امامِ دوسرا نے
منہ پیٹ لیا دخترِ شاہِ شہدا نے
اعدا کو لگی نیمچے ہاتھوں سے بٹھانے
گل کر دیا اُس شمعِ امامت کو قضا نے
مقتل میں سکینہؑ کو یہ ساماں نظر آیا
نیزے پہ سرِ سرورِ ذیشان نظر آیا

۱۰۷
چلائی کہ ہے ہے شہِ والا کا یہ سر ہے
آلودۂ خوں دلبرِ زہراؑ کا پسر ہے
ماتم کرو لوگو مرے شیدا کا یہ سر ہے
سر کھول دو اماں مرے بابا کا یہ سر ہے
میں لُٹ گئی دنیا سے سفر کر گئے بابا
ہے ہے ابھی کٹوا کے گلا مر گئے بابا

۱۰۸
ہے ہے مرے بابا کا لہو کس نے بہایا
ہے ہے مجھے کس نے مرے عاشق سے چھڑایا
ہے ہے مرے بچپن پہ ذرا رحم نہ کھایا
ہے ہے مرے سر پر سے اُٹھا باپ کا سایا
یہ خشک گلا کون سے خوں خوار نے کاٹا
آئی یہ صدا شمرِ ستمگار نے کاٹا

۱۰۹
بابا نہیں ملنے کا تم اب جاؤ سکینہؑ
جلاد کھڑے ہیں نہ ادھر آؤ سکینہؑ
یاں روح پہ صدمہ ہے نہ چلاؤ سکینہؑ
ہم جلد بلا لیں گے نہ گھبراؤ سکینہؑ
فردوس سے لینے کو نبیؐ آئیں گے بی بی
یہ ہجر کے دن جلد گذر جائیں گے بی بی

۱۱۰
سُن سُن کے یہ تقریرِ سرِ سیدِ ابرار
سر ہاتھوں سے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
مقتل سے چلے جب تو صدا آئی پھر اک بار
فوج آتی ہے زینبؑ مری بیٹی سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ مدینہ کو بچانا
ظالم کے طمانچوں سے سکینہؑ کو بچانا

۱۱۱
رانڈیں تو کھلیں خیموں میں چہروں پہ ملے خاک
یاں لٹنے لگی سیدِ مظلوم کی پوشاک
خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا چاک
تھرا گئے صدمے سے کفن میں شہِ لولاک
بہری تو وفا اس پہ بھی نہ کچھ فوجِ شقی کو
پامال کیا لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو

رباعی
کہتے تھے عدو لوٹ میں زر پائیں گے
احبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے
یہ گوہرِ مقصود لٹے گا اُس دم
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

رباعی
شہ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبؑ شبِ قتل
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

رباعی
کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا
پر نشۂ الفتِ علیؑ کا اُترا
جب جوش پہ آ کے تھم گئی طبعِ انیسؔ
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

مرثیہ ۱

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
پردہ میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
گردوں سے سفر فوجِ کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخِ نیرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہوا تھا

۲
اظہار ہوئی خطِ شعاعی کی جو تنویر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر
روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغییر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خدا یادِ خدا میں

۳
خورشید کا وہ نور، سحر کا وہ سپیدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا
شرحِ جعل الشمس ضیاءً تھی ہویدا
سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

۴
چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئی بے آب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانے سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

۵
وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم
اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کے وہ باہم
اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
نالے کی جو شہنا میں صدا اٹھی تو بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

۶
ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک
اللہ رے ماتم کہ اڑاتی تھی زمیں خاک
سر زانوئے غم پر تھے جھکائے ہوئے افلاک
دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
آوارہ پرندے تھے مکان خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے منھ پھیرے کھڑے تھے

۷
پہونچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی
غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
گلزارِ محمدؐ پہ خزاں آج ہے آتی
باغی تبر و خنجرِ کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے نہ پھلے ہیں

۸
عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غم انجام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سرِ خود کام
ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہِ شام
گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتلِ شہِ مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

۹
پیاسے تھے جو سادات کے خوں کے ستم آرا
تھا نہر تلک پیکِ نظر کا نہ گزارا
روکا تھا دمِ صبح سے دریا کا کنارا
اور گونجتا تھا گھوڑوں سے میداں وہ سارا
لکھا ہے کہ کثرت ہوئی یہ اہلِ جفا کی
جو چھپ گئی نظروں سے زمیں دشتِ بلا کی

۱۰ آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے
چمکاتے ہوئے تیغیں ہلاتے ہوئے بھالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے
اک مجمع قدر انداز کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے بڑھے فوج کے ثابت قدموں کے
لہراتے تھے جوں موج پھریرے علموں کے

۱۱ کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے
اکبرؑ کا جگر چھیدوں گا برچھی کی انی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے
پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسد اللہ کے گھر کو
تلواروں سے کاٹوں گا محمدؐ کے جگر کو

۱۲ کہتا تھا کماں قبضہ میں لیکر کوئی بے پیر
یہ جبۂ پُر تیر ہے اور سینۂ شبیرؑ
کہتا تھا کوئی تیز زباں تول کے شمشیر
ہے تیغ مری تشنۂ خونِ شہِ دل گیر
فرزندِ نبیؐ آج مرا وار سہے گا
بن بن کے لہو فاطمہؑ کا دودھ بہے گا

۱۳ تھے جمع اُدھر بھی درِ مولیٰ پہ موالی
ہاتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
دل صبر سے معمور شکم کینے سے خالی
کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمتِ عالی
ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۴ باندھے ہوئے عمامے سروں پر وہ خوش اطوار
تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار
رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبرؐ کی سپر تھے

۱۵ وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل
منہ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
تسبیحِ زباں سارے امامت کے فضائل
قرآن بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق اُن کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

۱۶ قلب اُن کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک
دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک
خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں اُن کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک نہیں غازیوں کی خاکِ شفا ہے

۱۷ قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے
ہشیار تھے اور مستِ مئے حُبِّ علیؑ تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے
حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کیے مالکِ تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

۱۸ جس جا پہ گرے سبطِ پیمبرؐ کا پسینہ
خوں اپنا گرا دیں یہ وہاں گر ہو قرینہ
تیغ آئے جو سر پر تو سپر کر دیں یہ سینہ
آتش میں گریں حکم جو دیں شاہِ مدینہ
تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا
مر کر بھی تو شبیرؑ کا دامن نہیں چھوڑا!

۱۹
ایسے نہ محمدؐ کو ملے یار موافق
یکتا یہ شجاعت میں وفاداری میں صادق
واں ایک موافق تھا تو تھے بیس منافق
ایسے کسی معشوق نے پائے نہیں عاشق
تھے زہد میں سلمان و ابوذر کے برابر
اور زور میں تھے مالکِ اشترؑ کے برابر

۲۰
کہتا تھا کوئی سبطِ پیمبرؐ کے تصدق
سو جاں سے ہیں لختِ دلِ شبرؑ کے تصدق
عباسؑ کے صدقے علی اکبرؑ کے تصدق
بے شیر ہے دو روز سے اصغرؑ کے تصدق
صابر انھیں کہتے ہیں یہ خاصانِ خدا ہیں
معصوم کے معصوم بھی راضی بہ رضا ہیں

۲۱
کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا
ڈھونڈو گے جو دنیا میں تو کیا کیا نہ ملے گا
یہ فوج یہ میدان یہ دریا نہ ملے گا
پر فاطمہؑ کے لعل سا آقا نہ ملے گا
کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہیں گے
گر آج مرے حشر تلک نام رہیں گے

۲۲
کہتا تھا کوئی دیکھو ذرا آنکھ اُٹھا کر
وہ حوریں ہیں ہاتھوں میں لیے پانی کے ساغر
وہ گلشنِ جنّت ہے وہ ہے چشمۂ کوثر
وہ ہیں حسنؑ سبز قبا اور وہ پیمبرؐ
زہراؑ ہیں یہ سر کھولے جو کوثر کے پرے ہیں
حیدرؑ ہیں وہ جو ہاتھ کلیجے پہ دھرے ہیں

۲۳
یوسف سے حسینانِ شہِ تشنہ حسیں ہیں
پروردۂ آغوشِ شہِ عرش نشیں ہیں
دریائے شرافت کے وہ سب دُرِّ ثمیں ہیں
سردار ہیں ابرار ہیں اور صاحبِ دیں ہیں
دکھلائے دمِ حرب ہنر شیرِ خدا کے
جوہر تھے ہر اک تیغ میں شمشیرِ خدا کے

۲۴
ہمشکلِ محمدؐ سا جواں حسن میں نایاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کا اسباب
خورشید کو آنکھ اس سے ملانے کی کہاں تاب
رخسارۂ انور پہ تصدق گلِ شاداب
گوندھے ہوئے گیسو رخِ زیبا پہ پڑے تھے
محبوبِ خدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے

۲۵
خورشید سے چہرے پہ جو بل کھاتے تھے گیسو
آئینہ کو نظارہ کا اس رخ پہ ہو کیا رو
بجلی سی چمک جاتی تھی میدان میں ہر سو
چشمِ شہِ خاور میں بھر آتے ہیں آنسو
عارض کبھی ہوتے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینہ ہیں نورِ خدا کے

۲۶
یکتائے جہاں حضرتِ عباسؑ سا صفدر
شمشیرِ وغا شیرِ خدا ثانیِ جعفرؑ
تھی جس کے سراپے سے عیاں شوکتِ حیدرؑ
سقائے حرم زیبِ علم رستمِ لشکر
یوں پاس تھے ہمشکلِ رسولِؐ عربی کے
جس طرح علیؑ ہوتے تھے ہمراہ نبیؐ کے

۲۷
شانے پہ عجب شان سے لشکر کا نشاں تھا
پنجے سے نشاں آیتِ رحمت کا عیاں تھا
جیسا تھا علم ویسا ہی ذی رتبہ جواں تھا
اُس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا
پُرنور تھا پنجہ کفِ موسیٰؑ سے ضیا میں
تھی نکہتِ فردوس پھریرے کی ہوا میں

۲۸ ہتھیار سجے سیدِ مسموم کا جانی
سہرہ رُخِ پُر نور پہ شادی کا نشانی
وہ آمدِ ایامِ شباب اور وہ جوانی
دولھا تھے پہ دو روز سے پایا نہ تھا پانی
کچھ مرگِ جوانی کا دُلہن کا نہ الم تھا
پر تشنگیِ سیدِ مظلوم کا غم تھا

۲۹ کیا دبدبۂ عونؑ و محمدؑ کروں تحریر
کاندھے پہ دھرے نیچے کرتے تھے یہ تقریر
چھوٹی سی تو عمریں ہیں پہ بڑے صاحبِ توقیر
پہلے ہیں ہو دیں گے نثارِ سرِ شبیرؑ
روکے ہیں کیا لشکرِ بے پیر کی طاقت
دکھلائیں گے ہم فاطمہؑ کے شیر کی طاقت

۳۰ تھی مسلمِ بیکس کے یتیموں کی عجب شان
فرماتے تھے جب تک کہ یہ کوفی نہ ہوں بیجان
منہ چاند سے شکلِ مہِ نو چاکِ گریبان
پھوٹیں گے دلوں کے نہ پھپھولے کسی عنوان
سر لاکھ میں شمشیر سے کاٹیں گے عمرو کا
لینا ہے ہمیں آج عوض خونِ پدر کا

۳۱ ڈیوڑھی پہ عزیز و رفقا میں تھی یہ تقریر
آنکھوں کے تلے پھر رہی تھی موت کی تصویر
تھے خیمہ میں مصروفِ عبادت شہِ دلگیر
تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
روتے تھے حرم شکرِ خدا کرتے تھے حضرت
ہر سجدے میں امت کی دعا کرتے تھے حضرت

۳۲ نقارۂ رزمی لگے کفار بجانے
حضرت کی بہن کے نہ رہے ہوش ٹھکانے
یاں سجدۂ آخر کیا شاہِ شہدا نے
بانوؑ لگی گھبرا کے سکینہؑ کو جگانے
سیدانیوں کی غم سے عجب شکل بنی تھی
واں طبلِ وغا بجتا تھا یاں سینہ زنی تھی

۳۳ عباسؑ نے کی عرض یہ بادیدۂ غمناک
بس اٹھے یہ سنتے ہی مصلے سے شہِ پاک
میداں میں صفیں باندھ چکا لشکرِ سفاک
زینبؑ سے کہا لاؤ بہن آخری پوشاک
کچھ اور نہیں رختِ کہن لا کے پنھا دو
مظلوم برادر کو کفن لا کے پنھا دو

۳۴ زینبؑ نے کہا ہائے یہ کیا کہتے ہو بھائی
دامن میں نہ چھوڑوں گی محمدؐ کی دُہائی
غربت میں لٹا دو گے مری ماں کی کمائی
مجھ سے نہ سہا جائے گا اندوہِ جدائی
بھینا کو تہِ خاک چھپا لو گے تو جانا
خیمہ میں مری قبر بنا لو گے تو جانا

۳۵ ہوں اہلِ وطن سے تمہیں لازم ہے مرا پاس
صدقے گئی پردیس میں توڑو نہ مری آس
بھینا کی اسیری کا بھی کیا کچھ نہیں وسواس
پھر کس کی رکھوں آس ہوئی آپ سے جب یاس
نانا نہیں بابا نہیں مادر بھی نہیں ہے
میرا تو کوئی اور برادر بھی نہیں ہے

۳۶ نانا کے بنے رو چکی ہیں اے شہِ عالم
بابا کے جنازے پہ بھی میں پیٹی بصد غم
اماں کے لیے میں نے بچھائی صفِ ماتم
شبرؑ کی شہادت بھی مرے حق میں ہوئی سم
اب سارے بزرگوں میں فقط آپ کا دم ہے
حضرت نے بھی چھوڑا جو بہن کو تو ستم ہے

۳۷ جس خواہرِ دل خستہ کا ہو ایک ہی بھائی
کس طرح گوارا ہو بھلا اُس کی جدائی
کیوں آپ نے ڈیوڑھی پہ سواری ہے منگائی
ہیں لٹنے نہیں دینے کی زہرؑا کی کمائی
سر دینے کو لشکر میں نہ کفار کے جاؤ
جاتے ہو جو مرنے تو مجھے مار کے جاؤ

۳۸ حضرت نے کہا رو کے بہن میں ترے قرباں
جز صبر کوئی بات مناسب نہیں اس آں
اماں کے غم و درد و مصیبت کا کرو دھیاں
تقدیر کا لکھا نہ مٹے گا کسی عنواں
آگے ترے خنجر مری گردن پہ چلے گا
تاخیر نہ ہووے گی نہ وہ وقت ٹلے گا

۳۹ یہ سچ ہے مرا داغ نہیں تم کو گوارا
اور مجھ سے زیادہ تمھیں کوئی نہیں پیارا
عاجز ہیں نہیں مرضیٔ تقدیر سے چارا
اس میں بھی بہن بس ہے ہمارا نہ تمھارا
بن بھائی کی ہو تو یہی مرضیِ خدا ہے
زینبؑ تری قسمت میں مرا داغ لکھا ہے

۴۰ بھینا یہ ہے منظورِ خدائے دو جہاں آج
نیزے پہ مرے سر کو ملے رتبۂ معراج
تن خاک پہ ہووے کفن و گور کا محتاج
سجادِؑ حزیں قید ہو گھر ہو مرا تاراج
بلوے میں ترے سر کو میسّر نہ ردا ہو
تب مغفرتِ اُمّتِ محبوبِؐ خدا ہو

۴۱ جس وقت مرے خون کا محضر ہوا تیار
اور بخششِ اُمّت کا نبیؐ نے کیا اقرار
اُس نامے میں تھا درج یہ مضمونِ دل افگار
ناموسِ نبیؐ ہوویں گے آفت میں گرفتار
محبوسِ ستم عابدِ مغموم بھی ہوگا
عریاں سرِ زینبؑ و کلثومؑ بھی ہوگا

۴۲ تقریرِ شہِ تشنہ سے زینبؑ ہوئی ناچار
روتی گئی اور لائی لباسِ شہِ ابرار
پوشاک پہن شہ نے سجے جنگ کے ہتیار
سر کھولے ہوئے گرد تھے سب غیرتِ گلزار
پکڑے ہوئے دامن کو سکینہؑ تو کھڑی تھی
بانوؑ قدمِ شاہ پہ بیہوش پڑی تھی

۴۳ حضرت نے کہا قدموں سے سر اُس کا اٹھا کر
بس صبر کر اب صبر کر اے بانوئے مضطر
دنیا میں کوئی دم کا ہے مہماں علیؑ اکبر
اب اپنے مسافر کو ذرا دیکھ لے دم بھر
اب خاک میں بانوؑ ترا اقبال ملے گا
چھانے گی جو دنیا تو نہ یہ لال ملے گا

۴۴ تب بانوؑ نے بیٹوں کے پکڑ ہاتھ بصد یاس
حضرت سے کہا دولتِ دنیا تو نہیں پاس
دولت یہی ہے اور یہی امید یہی آس
صدقے انھیں کرنے میں ہمیں کچھ نہیں وسواس
میدان میں یہ حضرت کی بلا لے کے مریں گے
ہم نذر انھیں کرتے ہیں یہ سر نذر کریں گے

۴۵ اُن سب سے کہا شاہ نے باخاطرِ ناشاد
میرے لیے ضائع نہ کرو دولتِ اولاد
کی بیبیوں نے عرض بصد نالہ و فریاد
زہرؑا کی تو بستی لٹے اور ہم رہیں آباد
یہ امر کسی طرح گوارا نہ کریں گے
ان پیاروں کو ہم آپ سے پیارا نہ کریں گے

۴۶ تب شہ نے بہن سے کہا اے خواہر غم خوار
ہرچند تحمل تو ہے مجھے کچھ نہیں درکار
یہ سب ہیں مرے ساتھ فدا ہونے کو تیار
پر چاہیے اس فوج کا ہو کوئی علم دار
منظور مجھے ہے کہ اکیلا ہی مروں میں
اب جس کو کہو اس کو علم دار کروں میں

۴۷ زینبؑ نے کہا آپ امام دو جہاں ہیں
جو جس کے مراتب ہیں وہ حضرت پہ عیاں ہیں
ہر شخص کے مختار ہیں اور مرتبہ داں ہیں
ان میں تو کوئی غیر نہیں سب دل و جاں ہیں
بابا کے مرقع کے ورق سب جزو کل ہیں
اک نخل کے میوے ہیں اور اک باغ کے گل ہیں

۴۸ منگوایا علم سن کے یہ شاہ شہدا نے
جس طرح کے ہوں رشتۂ تسبیح میں دانے
صف بستہ برابر ہوئے سب شہ کے یگانے
اک ایک لگا شاہ کو شان اپنی دکھانے
امید علمداری میں سب چھوٹے بڑے تھے
عباسؑ بھی نیچا کیے ہوئے سر کو کھڑے تھے

۴۹ عباسؑ کو حضرت نے کیا پیار بلا کر
فرمایا مبارک ہو تمھیں منصب جعفرؑ
اور کاندھے پہ رکھا علم شافع محشر
اس غازی نے نیوڑھا دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ خادم پہ یہ الطاف و کرم ہے
مولا کی غلامی کا شرف کیا مجھے کم ہے

۵۰ اس وقت ہوئی عون و محمدؑ کو عجب یاس
کی عرض علمدار ہوئے حضرت عباسؑ
آنکھوں میں بھرے اشک گئے والدہ کے پاس
کوتاہی قسمت نے ہمیں کر دیا بے آس
لخت جگر جعفرؑ طیار تو ہم تھے
اس منصب والا کے سزاوار تو ہم تھے

۵۱ لیجا کے الگ بیٹوں کو تب زینبؑ ناچار
آقا کی اطاعت تمھیں لازم ہے کہ تکرار
کہنے لگی یہ بات مناسب نہیں زنہار
داری ہیں امام دو جہاں مالک و مختار
احکام الٰہی میں کسے دخل کی جا ہے
شبیرؑ وہ کرتے ہیں جو مرضی خدا ہے

۵۲ نرغے میں ہے افواج ستم کے مرا بھائی
پائی نہ علمداری تو غیرت تمھیں آئی
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
تم پر تو مرے بھائی نے دولت ہے لٹائی
ماں کٹتی ہے اس بات کا غم چاہیے تمکو
ماموں کی مصیبت کا الم چاہیے تم کو

۵۳ بس چپ رہو اس بات سے کوئی نہیں آگاہ
دیکھو کہے رکھتی ہوں جو آزردہ ہوئے شاہ
منصب کے ہو طالب مجھے معلوم ہوا آہ
تو دودھ نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی میں واللہ
۵۴ جب دوں گی دعائیں مجھے جب شاد کروگے
خوش ہوں گی جو ماموں کی رفاقت میں مروگے

فرزندوں کو سمجھاتی تھی یہ زینبؑ مضطر
رو کر کہا اے سید کونین کی خواہر
جو گر پڑے مسلم کے پسر آ کے قدم پر
مظلوم ہیں ہم باپ ہمارے نہیں سر پر
خواہش ہے کہ پہلے قدم شاہ پہ سر دیں
کہہ دیجیے کہ لشکر کا ہراول ہمیں کر دیں

۵۵
ہے باپ کا حال آپ کو معلوم مفصل
ہم تو یہ نہیں کہتے کہ اوروں سے ہیں افضل
وہ لشکر اسلام میں ہیں کشتۂ اوّل
ذی حق ہیں کہوں فوج حسینؑ کے ہراول
اس عہدہ کی امید میں بیتاب ہیں کب سے
کر سکتے نہیں عرض مگر پاس ادب سے

۵۶
زینبؑ انھیں لے آئی حضورِ شہِ ذی جاہ
حضرت نے کہا ان کے میں مطلب سے ہوں آگاہ
شہ سے کہا کچھ عرض ہے ان دونوں کی یا شاہ
یہ عہدہ تو اک شخص کو ہے دے چکا اللہ
کھل جائیگا تم پر بھی ابھی گرچہ نہاں ہے
لشکر کا ہراول مرے اک اور جواں ہے

۵۷
بیٹوں سے بھی پیارے ہیں مجھے دونوں یہ دلبر
عہدہ یہ انھیں کے لیے کرنا ہے مقرر
باپ ان کا رفاقت میں مرے ہو گیا بے سر
پر مرضی معبود میں کیا دخل ہے خواہر
ہاں ایک طرح کشتۂ اول یہی ہوں گے
سب میرے عزیزوں کے ہراول یہی ہوں گے

۵۸
تب زینبِ بیکس نے کہا اے شہِ ذی جاہ
یہ مرتبہ جس کا ہے یہ توقیر ہے یہ جاہ
تم نام سے اس شخص کے مجھکو کرو آگاہ
لشکر کا کہے اپنے ہراول جسے اللہ
شہ بولے ابھی دور ہے پر دل سے قریں ہے
بے دینوں میں ہے دب کے بھی پر صاحبِ دیں ہے

۵۹
مہمان مرا ہوگا اسی فوج سے آکر
فردوس سے لینے کو اسے آئیں گے حیدر
اور کھائے گا دعوت کے عوض نیزہ و خنجر
اور روئے گی اس کے لیے زہرا مری مادر
دے تو بھی دعائیں کہ وہ دیندار ہے زینبؑ
وہ تیرے برادر کا مددگار ہے زینبؑ

۶۰
یہ کہہ کے چلے سرورِ دیں پڑ گیا ماتم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہ عالم
دروازے تلک روتی گئیں بیبیاں باہم
خم ہو گئے مجرے کو رفیقان معظم
گرد آیا جو دامان قبا سرور دیں نے
گھوڑے کی رکاب آن کے لی روح امیں نے

۶۱
اسوار ہوئے جبکہ شہنشاہِ حجازی
کس شان سے مرنے کو جلو میں چلے غازی
رانوں تلے جوں برق تڑپنے لگا تازی
آگے تو امامِ دو جہاں پیچھے نمازی
اللہ رے اقبال و حشم فوج خدا کا
غل عرش پہ تھا صلّ علیٰ صلّ علیٰ کا

۶۲
اس شان سے میداں میں جو پہونچے شہِ ابرار
ہر چند بہت کم تھے شہِ دیں کے مددگار
مصروف صف آرائی ہوا شہ کا علمدار
پر شہرۂ آفاق تھا ہر پیدل اور اسوار
طینت میں وفا رخ پہ شجاعت کے اثر تھے
گنتی میں بہتر تھے مگر لاکھ پہ ور تھے

۶۳
فوجِ پسرِ سعد سے ناگاہ چلے تیر
یہ دیکھ کے رنگ رخِ حُرؑ ہو گیا تغیر
اسلام کے لشکر میں ہوا نعرۂ تکبیر
دل سے کہا بتلا کہ میں اب کیا کروں تدبیر
بے جرم و خطا ابنِ شہنشاہ نجف ہے
واللہ کہ حق سبطِ پیمبر کی طرف ہے

۶۴
کھینچوں گا اگر فاطمہؑ کے لال پہ تلوار
سر پیٹ کے رو دے گی جو زہراؑ جگر افگار
صورت سے مری شیرِ خدا ہوئیں گے بیزار
نفرین کریں گے مجھے تب احمدؐ مختار
بیکس ہے مسافر ہے گرفتار بلا ہے
سید کے ستانے میں بھلا فائدہ کیا ہے

۶۵
دو دن سے نبی زادوں نے پانی نہیں پایا
محسن ہے مرا وہ اسد اللہ کا جایا
تقصیر ہے میری کہ یہیں گھیر کے لایا
کس پیاس میں لشکر کو مرے پانی پلایا
احسان کا عوض یہ ہے کہ احسان کریں گے
اک سر ہے تو شبیرؑ پہ قربان کریں گے

۶۶
دل نے کہا حقا کہ تری راست ہے تقریر
اے حُرؑ تو اگر آج ہو افدیۂ شبیرؑ
پھر فاطمہؑ کے لال کی اصلا نہیں تقصیر
دنیا میں بھی توقیر ہے عقبیٰ میں بھی توقیر
تاخیر نہ کر اب عملِ خیر میں چل چل
جنت کا وہ رستہ ہے جہنم سے نکل چل

۶۷
غازی کو خوش آئی دلِ آگاہ کی گفتار
مہمیز کیا اسپِ فلک سیر کو اک بار
نعرہ کیا مردانہ کہ یا حیدرِ کرار
نکلا صفتِ برق صفیں چیر کے رہوار
ہاتف کی صدا آئی کہ فردوس قریں ہے
دو لاکھ میں یہ ایک جواں صاحبِ دیں ہے

۶۸
پہونچا حُرِ دیں دار جو مابین دو لشکر
بیٹے سے کہا باندھ مرے ہاتھوں کو کس کر
گھوڑے سے پیادہ ہوا اس دم وہ دلاور
مجرم ہوں میں ہے عقدہ کشا سبطِ پیمبرؐ
روکا انھیں ہاتھوں سے یہ میری ہی خطا ہے
ان ہاتھوں کو تلواروں سے کاٹوں تو بجا ہے

۶۹
اللہ رے لطف و کرم سیدِ والا
عباسؑ سے فرمانے لگے دلبرِ زہراؑ
مہماں کو جو ہیں آتے ہوئے دور سے دیکھا
اے بھائی ہے مہمان مرا دھوپ میں آتا
عزت سے یہاں حُرِ وفادار کو لاؤ
سائے میں علم کے مرے غمخوار کو لاؤ

۷۰
یہ سن کے بڑھے حضرت عباسؑ علمدار
اکبرؑ نے کہا آپ چلیں گھوڑے پہ اسوار
خود بھی چلے لینے اسے پیدل شہِ ابرار
فرمایا کہ پیارے یہ مناسب نہیں زنہار
زہراؑ مری مادر ہے بہادر کے جلو میں
پیدل چلے آتے ہیں علی حُر کے جلو میں

۷۱
اتنے میں قریب آکے پکارا وہ وفادار
حاضر ہے یہ گمراہ یہ حاضر ہے سیہ کار
صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ ابرار
تقصیر مری بخش دے اے کُل کے مددگار
تو فیض کا دریا ہے سخی ابنِ سخی ہے
میں نے ترے دامن میں پناہ آن کے لی ہے

۷۲
نادم ہوں میں تقصیر ہوئی اے شہِ ذیجاہ
برگشتگیٔ بخت نے تھا کر دیا گمراہ
للہ مرے جرم کو اب بخشیے للہ
لاعلم تھا مولا مجھے کچھ علم نہ تھا آہ
کیا جانتا تھا آپ مصیبت میں پڑیں گے
یہ لوگ محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

میں لائقِ تعزیر ہوں جو چاہیے سزا دو	۷۳	حاضر ہے یہ سر مجھ کو تہِ تیغ بٹھا دو
راضی ہوں میں آقا مجھے آتش میں جلا دو		سولی گر آفت سے جہنم کی بچا دو
بخشش کا مرے اب کوئی اسباب نہیں ہے		دوزخ میں تو جلنے کی مجھے تاب نہیں ہے
حر نے جو بصد عجز یہ تقریر سنائی	۷۴	شہ کہتے ہوئے دوڑے یہ کیا کہتے ہو بھائی
ہاتھ اس نے جو کھولے تو ندا چرخ سے آئی		یہ بندہ نوازی ہے یہ ہے عقدہ کشائی
کیا اہلِ مروت پسرِ شاہِ نجف ہے		ایسے کی غلامی تو دو عالم کا شرف ہے
جب ہاتھ کھلے رکھ دیا سر حر نے قدم پر	۷۵	کی عرض مجھے سمجھو غلام اے شہِ صفدر
فرمایا اُسے شاہ نے چھاتی سے لگا کر		پیارا ہے مجھے تو علیؑ اکبرؑ کے برابر
ماں تیری ترے واسطے مصروفِ دعا ہے		بیگانہ تھا پر اب تو یگانوں سے سوا ہے
حر نے کہا صدقے یہ غلام اے شہِ ذی جاہ	۷۶	حق سے مری بخشش کی دعا کیجیے للہ
معبود سے رو رو کے دعا کرنے لگے شاہ		اُس وقت صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے ماہ
ناجی ہے وہ فرزندِ نبی نے جسے بخشا		تو نے جو اسے بخشا تو ہم نے اسے بخشا
سب خلق کا اب تجھے ہم نے کیا مختار	۷۷	ہے تیرے محبوں کے لیے خلد کا گلزار
وہ دوست ہمارا ہے جو تیرا ہے مددگار		ہاں اک ترے دشمن کو نہ ہم بخشیں گے زنہار
زندہ ہے جو حر تیری محبت میں مرے گا		بخشیں گے اسے جس کی شفاعت یہ کرے گا
اس مژدۂ جاں بخش سے جب حر ہوا آگاہ	۷۸	چومے کئی بار قدمِ ابنِ ید اللہ
اور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کی عرض کہ یا شاہ		اب اذنِ وغا دیجیے تو جاؤں سوئے جنگاہ
اس راہ سے دنیا سے گزرنے کی ہوس ہے		جینے کی ہوس کچھ نہیں مرنے کی ہوس ہے
شہ نے کہا کیا جلد ہے منظور جدائی	۷۹	جی بھر کے ابھی تو تجھے دیکھا نہیں بھائی
افسوس ہے کس وقت میں قسمت تجھے لائی		کچھ تو نے ادھر آنے کی لذت نہیں پائی
غربت زدہ ہوں بیکس و مظلوم و حزیں ہوں		میں آج تو مہمانی کے قابل بھی نہیں ہوں
شرمندہ ترے منھ سے بہت ہوں اے حرِ دلاور	۸۰	اتنا نہیں ممکن کہ کروں پانی سے لب تر
ہے ساتویں تاریخ سے فاقہ مرے گھر پر		دم توڑتا ہے پیاس سے گہوارے میں اصغرؑ
راحت تجھے یہ ظلم کہ پانی نہیں دیتے		کھانے کا تو کیا ذکر ہے پانی نہیں دیتے
حر نے کہا مولا میں ترے صبر کے قرباں	۸۱	دعوت ہے یہ تھوڑی کہ ملی دولتِ ایماں
ذرے کو کیا آپ نے خورشیدِ درخشاں		اک مور کو حضرت نے دیا تختِ سلیماں
جو خار تھا وہ ہو گیا گلزار کے قابل		وہ نور ہوا آج جو تھا نار کے قابل

لپٹا کے اُسے چھاتی سے رو دے شہِ ابرار آداب بجا لا کے چلا حُرِ وفادار	۸۲	فرمایا کہ ناچار ہوں جائے مرے غمخوار جاتے ہی پکارا وہ کہ اے قوم ستمگار
دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے		میں آیا ہوں لڑنے شہِ والا کی طرف سے
ٹھہرا کے پکارا عمرِ سعدِ ستمگر کچھ آج تجھے قہرِ خلیفہ کا نہیں ڈر	۸۳	کیا سحرِ حسینؑ ابنِ علیؑ چل گیا تجھ پر سردار کے دشمن کی طرف ہو گیا جا کر
اس امر سے باز آ کہ ہلاکت کے قریں ہے		کچھ پاس نمک کا بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے
جس وقت سنے گا یہ خبر حاکمِ سفاک تیرے زن و فرزند کا ہووے گا شکم چاک	۸۴	لٹوائے گا گھر ضبط کرے گا تری املاک کوفے کی ریاست تری ہو جائے گی سب خاک
کنبے کا ترے نام و نشاں بھی نہ رہے گا		دنیا میں کوئی فاتحہ خواں بھی نہ رہے گا
ہمراہیِ شبیرؑ میں ہے کون سی توقیر خود نانِ شبینہ کو تو محتاج ہیں شبیرؑ	۸۵	خلعت ہے نہ منصب ہے نہ ہے دولت و جاگیر کس بات کا لالچ ہے یہ ہے کون سی تدبیر
دولت تجھے ملتی نہیں منصب نہیں ملتا		وہ دیں گے بھلا کیا جنہیں پانی نہیں ملتا
سن کر یہ سخن غیظ میں آیا حُرِ غازی مجھ سے ترے چلنے کی نہیں شعبدہ بازی	۸۶	بولا پسرِ سعد سے یوں پھیر کے تازی سو جاں سے میں ہوں بندۂ سلطانِ حجازی
بس روک زباں کو ستم آرا یہ خطا ہے		ساحر اسے کہتا ہے جو اعجاز نما ہے
کافر کے لیے کعبۂ ایماں کو گراؤں باطل کا طرفدار بنوں اور حق کو مٹاؤں	۸۷	رہبر سے لڑوں فوج میں گمراہ کی آؤں حاکم کو ہنساؤں میں محمدؐ کو رلاؤں
بیدین کی نمک خواری کا تو پاس کروں میں		اور رنج کا زہراؑ کے نہ وسواس کروں میں
تھا باپ ترا احمدِ مرسل کا نمک خوار سب آب و نمک مرے ہے زہراؑ کا ستمگار	۸۸	اور آن کے نواسے پہ ہے تو کھینچتا تلوار دشمن پہ حرام آن کے ہے او ظالم غدار
میں فاطمہؑ کا دوست ہوں تو دشمنِ دیں ہے		اب تو ہی بتا پاسِ نمک کس کو نہیں ہے
کچھ حاکمِ فاسق کی حقیقت نہیں او شوم ہوں اس کا طرفدار جو ہے عاشقِ قیوم	۸۹	حاکم تو ہے اللہ کہ سب جس کے ہیں محکوم فرزندِ نبی نورِ خدا طاہر و معصوم
فاسق کی منافق کی رفاقت نہیں جائز		ایمانِ پدر کی بھی حمایت نہیں جائز
آقا کی غلامی ہے مرے واسطے معراج تو بادشہِ خلق کو بتلاتا ہے محتاج	۹۰	پاپوشِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے مری سر تاج لٹتی ہے ادھر نعمتِ فردوسِ بریں آج
ممکن ہے کہ میں رہبرِ عالم سے جدا ہوں		سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

۹۱
تلواروں سے مجروح ہوں یا تن پہ لگیں تیر
منھ سے یہی نکلے گا کہ یا حضرتِ شبیرؑ
املاک مری ضبط کرے حاکمِ بے پیر
کیا غم ہے کہ جنت میں مجھے ملتی ہے جاگیر
کچھ آج زراعت کا نہ املاک کا غم ہے
ہاں فاطمہؑ کی کھیتی کے لٹنے کا الم ہے

۹۲
جب فاطمہؑ کی بیٹیوں بہوؤں کے کھلیں سر
کچھ غم نہیں ناموس مرے قید ہوئے گر
زوجہ مری قربانِ سرِ بانوے مضطر
کیا حضرتِ زینبؑ سے سوا ہے مری خواہر
کنبہ مرا سب فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
فرزند مرا اکبرؑ و اصغرؑ پہ تصدق

۹۳
یہ کہہ کے دھنسا لشکرِ روباہ میں وہ شیر
بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
ہر سو تنِ بے سر کے جو اس بن میں ہوئے ڈھیر
چلاتے تھے کفار یہ بجلی ہے کہ شمشیر
اس صاعقہ کے سایہ سے جل جانے کا ڈر ہے
آبِ دمِ شمشیر میں آتش کا اثر ہے

۹۴
جب نامِ علیؑ لے کے لگاتا تھا وہ تلوار
دو کرتا تھا دشمن کو مع راکب و رہوار
جس شامی کو للکارا کہ آیا میں خبردار
وہ بھاگ گیا سامنے سے پھینک کے تلوار
آہن میں نہاں سامنے جو دشمنِ دیں تھا
سر اُس کا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

۹۵
نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوا دور
رن زندوں سے خالی تھا مگر نعشوں سے معمور
گھوڑوں کی تگاپو میں جو گر پڑتے تھے مقہور
چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

۹۶
پائی تھی بہادر نے عجب ہمتِ عالی
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۹۷
ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے جلاد
تھی سیلِ فنا خانۂ تن کر دیا برباد
ضرب اس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامِ اجل میں

۹۸
اس معرکہ میں تیغ بہادر کو ملا اوج
ہر فرد کو اُس صاحبِ ہمت نے کیا زوج
تھا قلزمِ خوں . . . جوش میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
آتے تھے نظر دستِ بریدہ صفتِ موج
خوں میں جو بدن غرق تھے بیدادگروں کے
بہتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

۹۹
پیچھے تھے سواروں کے عقب برچھیوں والے
تھے جان بچانے کے کمانداروں کو لالے
رایت تو سلامی تھے نگوں سار تھے بھالے
ابتر تھیں صفیں درہم و برہم تھے رسالے
اس شیر کو روکے یہ نہ طاقت تھی کسی کی
غل تھا کہ دہائی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۱۰۰ جس دم یہ صدا فاطمہؑ کے لال کی آئی
چلائے کہ بس روک لے تلوار کو بھائی
ہو نیک کہیں کرتے ہیں بروں سے بھی بھلائی
مظلومی بھی دکھلا کہ شجاعت بھی دکھائی
گو دشمنوں پر رحم کا دستور نہیں ہے
پر ان کی تباہی بھی مجھے منظور نہیں ہے

۱۰۱ یہ کہتے ہیں فریاد مرے اشک ہیں جاری
امت تو ہے بیٹوں کے برابر مجھے پیاری
حملوں سے ترے فوج پریشاں ہوئی ساری
اب ان کو نہ کر قتل جو خاطر ہے ہماری
بس پا چکے بیدین سزا اپنی جفا کی
رحم آتا ہے امت ہے یہ محبوب خدا کی

۱۰۲ منھ پھیر کے حر سبط نبی کو یہ پکارا
اس رحم کے قربان ہو مہمان تمھارا
کچھ اور کہا چاہتا تھا وہ کہ قضا را
نیزہ کسی بے کینہ نے سینہ پہ مارا
زخمی جو ہوا دل تو نہ ٹھہرا گیا زیں پر
یا شیر خدا کہہ کے گرا رو کے زمیں پر

۱۰۳ بس گرتے ہی پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
زخموں سے ہر اک عضو بدن ہو گیا گلنار
چلایا کہ مولا مجھے دکھلائیے دیدار
یہ سن کے سراسیمہ چلے سید ابرار
حر کے لیے بیتاب امام دو جہان تھے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

۱۰۴ ریتی پہ جو مہمان کو تڑپتا ہوا پایا
آغوش میں لے کر اسے چھاتی سے لگایا
رومال سے چہرے کا غبار اس کے چھڑایا
قبلہ کی طرف زانو پہ سر رکھ کے لٹایا
رو رو کے یہ فرماتے تھے زانو کو ہلا کر
اے بھائی حسینؑ آیا ہے تو چشم تو وا کر

۱۰۵ سن کر یہ صدا شاہ کی حر غش سے جو چونکا
سر فاطمہؑ کے لال کی آغوش میں دیکھا
آنکھیں قدم پاک پہ مل کر کہا مولا
کیا آپ کے صدقے سے ملا ہے مجھے رتبا
احسنت کا ہے تا بہ فلک شور زمیں سے
لینے مجھے آئے ہیں علیؑ خلد بریں سے

۱۰۶ فرماتے ہیں اس دم ملک الموت سے حیدر
بیکس مرے شبیر کا یہ مخلص ہے یاور
نکلا ہوں اسی کے لیے میں قبر سے باہر
آسانی سے تو جسم سے روح اس کی جدا کر
راحت اسے پہونچے گی تو راحت مجھے ہوگی
ایذا ہوئی اس کو تو اذیت مجھے ہوگی

۱۰۷ حوران بہشتی ہیں جواہر میں مکلل
کہتی ہیں کہ اے حر سوئے فردوس بریں چل
غل ہے کہ ترا رتبہ ہوا اب اور بھی افضل
بند آنکھیں کر اب فوج حسینی کے ہراول
محسن کو لیے گود میں چلاتی ہے زہرا
سر پیٹتی لاشے پہ ترے آتی ہے زہرا

۱۰۸ وہ فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسول زمن آئے
سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے
سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

۱۰۹
یہ کہہ کے لگا کھینچنے حر پاؤں کو اک بار
کیا تجھ پہ ہے کچھ موت کی سختی مرے غمخوار
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
حر نے کہا یا شاہ یہ باعث نہیں زنہار
غم یہ ہے کہ ہم ریت میں مجروح پڑے ہیں
پاؤں کی طرف احمدِ مختار کھڑے ہیں

۱۱۰
یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی اسے آئی
یوں رو رو کے لاش اس کی شہِ دیں نے اٹھائی
آخر ہوا وہ سیدِ بیکس کا فدائی
جس طرح کہ بھائی کے لیے روتا ہے بھائی
چلائے یہ لاش اس کی درِ خیمہ پہ لا کر
اے بیبیو رو لو مرے مہمان کو آ کر

۱۱۱
زینبؑ درِ خیمہ پہ چلی آئی کھلے سر
نے والدہ اس کی ہے یہاں اور نہ خواہر
شہ نے کہا مارا گیا بھینا مرا یاور
اب اس کی بہن آج ہے تم اور میں برادر
یہ مجھ پہ فدا ہو گیا اپنوں کی طرح سے
سب مل کے اسے رو لو یگانوں کی طرح سے

۱۱۲
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ سر کو کرو عریاں
بانوؑ سے کہو آن کے رو لو بصد افغاں
کبریٰ سے کہو بال کرو اپنے پریشاں
پرسا مجھے دو قتل ہوا ہے مرا مہماں
جو اس کے لیے نالہ و فریاد کرے گا
اللہ اسے حشر کے دن شاد کرے گا

۱۱۳
خاتونِ قیامت کی صدا آئی یہ اک بار
پیارا ہے مجھے وہ جسے شبیرؑ کرے پیار
مارا گیا ہے مرے بچے کا مددگار
میں اسکی عزادار ہوں میں اس کی عزادار
اب لاش سے اس کی نہ جدا ہوئے گی زہرا
چالیسویں تک ماں کی طرح روئے گی زہرا

۱۱۴
سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا اک بار
کر عرض شہِ دیں سے انیسؔ جگر افگار
ناموسِ محمدؐ ہوئے سب حر کے عزادار
رونے پہ بلا لو مجھے یا سیدِ ابرار
قاصر کبھی کوشش سے یہ مجبور نہیں ہے
مولا جو کشش ہوئے تو کچھ دور نہیں ہے

سلام

۱ بجرنی جبکہ عیاں ماہِ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتمِ شاہِ شہدا ہوتا ہے

۲ رونے والوں کا بھی کیا رتبہ ہے سبحان اللہ
جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے

۳ سرِ حر گود میں شہ نے لیا اللہ اللہ
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

۴ کانپتی ہے لحدِ انورِ محبوبِ الٰہ
قبر سے نانا کے شبیرؑ جدا ہوتا ہے

۵ دیکھ کر شہ کو دمِ نزع جو روئے عباسؑ
پیارے شاہ لگے کہنے یہ کیا ہوتا ہے

۶ کیوں خجل ہوتے ہو پانی نہ ملا تو نہ ملا
وہ کیا تم نے جو کچھ حقِ وفا ہوتا ہے

پھیر دیں آنکھیں جو اصغرؑ نے پکاری بانوؑ	۷	دوڑو وائے بیبیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
برچھیاں چلتی تھیں قاسمؑ پہ تو کہتی تھی قضا	۸	رانڈ ہوتی ہے بنی قتل بنا ہوتا ہے
دیر بیٹوں کو لگی رن میں تو زینبؑ نے کہا	۹	لاشیں آتی ہیں اگر فضل خدا ہوتا ہے
شمر کہتا تھا کہ بیعت کا ہے بیجا انکار	۱۰	جو ستم شاہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
شاہ سے اکبرؑ غازی نے کہا جان چلی	۱۱	زخم میں چھاتی کے اب درد سوا ہوتا ہی
شاہ روتے تھے کہتی تھی سکینہؑ جس دم	۱۲	پیاس سے سینے میں دم اب تو خفا ہوتا ہی
دیکھ ہم شکل پیمبرؐ کو یہ کہتے تھے عدو	۱۳	اس کے چہرے سے عیاں نور خدا ہوتا ہی
کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابدؑ کو اسیر	۱۴	کہیں بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہی
جنگ میں کہتے تھے ہنس ہنس کے نمک خوار حسینؑ	۱۵	زخم کھانے میں بھی اک طرفہ مزا ہوتا ہی
شاہ کو روتی سکینہؑ تو یہ بانوؑ کہتی	۱۶	موت ہے باپ سے بچہ جو جدا ہوتا ہی
شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینبؑ نے کہا	۱۷	صاحبو نیزے پہ بھی ذکر خدا ہوتا ہی
	قطعہ	
ماں نے عباسؑ کی ام سلمہ سے پوچھا	۱۸	تپ سے بچی کو افاقہ بھی ذرا ہوتا ہے
بولی وہ غش میں پڑی رہتی ہے غش میں بھی مگر	۱۹	کبھی ماں کا کبھی بہنوں کا گلا ہوتا ہے
	قطعہ	
رن میں کہتے تھے لعینوں سے شہِ تشنہ دہن	۲۰	بند پانی جو کیا تم نے تو کیا ہوتا ہے
یہے منھ میں وہ محمدؐ کی زباں کا ہے اثر	۲۱	شجر خشک پہ تھوکوں تو ہرا ہوتا ہے
تا بہ چہلم یہ صدا آتی تھی میدان میں انیسؔ	۲۲	دیکھیں کب قید سے سجادؑ رہا ہوتا ہے
	رباعی	
افسوس جہان سے دوست کیا کیا نہ گئے	۲۳	اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں		وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

تمام شد

مرثیہ ۱
ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر
صدمہ تھا عجب بادشہِ عرش نشیں پر
مچھلی سے تڑپنے لگے معصوم زمیں پر
اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
گلبرگ سے لب خشک تھے سر زانو پہ خم تھا
پردیسیوں کی فکر تھی اطفال کا غم تھا

۲
فرماتے تھے بچے نہیں جینے کے ہمارے
دستے ہیں ستمگاروں کے دریا کے کنارے
مرجائیں گے سب غنچہ دہن پیاس کے مارے
کس سے کہے فرزندِ علیؑ کس کو پکارے
مختاریِ کوثر جنھیں خالق نے عطا کی
وہ پانی کو محتاج ہیں قدرت ہے خدا کی

ترنم

۳
مہمانوں کی دعوت کا ہوا خوب سرانجام
ہر سمت سے ہے فوجوں کی آمد سحر و شام
قدغن ہے کہ پائے نہ کوئی پانی کا اک جام
منزل پہ بھی پایا نہ تھکے ماندوں نے آرام
خیمے ستم ایجادوں کے ساحل پہ کھڑے ہیں
خشکی میں جو اترے وہ تباہی میں پڑے ہیں

۴
یہ موسمِ گرما یہ تب و تاب یہ میدان
تجھ پر تو ہے ظاہر کہ میں ہوں بے سر و ساماں
یارب مرے اطفال کا بس تو ہے نگہبان
افسردہ دل و فاقہ کش و مضطر و حیران
کیا نفع ہے اعدا کو مری دل شکنی میں
محتاج ہوں پانی کا غریب الوطنی میں

۵
بچے لیے آیا ہے وطن سے یہ مسافر
سر دینے کو خادم ہے تری راہ میں حاضر
بندے ہیں ترے ان کا تو ہے حافظ و ناصر
تو صبر عطا کر کہ نہ تڑپوں دمِ آخر
خنجر کو میں اس حلق پہ چلتے ہوئے دیکھوں
زینبؑ کو نہ خیمے سے نکلتے ہوئے دیکھوں

۶
قاسم کے عوض مجھ کو لگے نیزہ و شمشیر
غش میں نہ دیکھوں ترے محبوب کی تصویر
عباسؑ سلامت رہے بیدست نہ ہو شبیر
آگے مرے اصغرؑ کی نہ گردن پہ چلے تیر
سب روئیں مجھے جب سفرِ خلد کروں میں
آباد انھیں چھوڑ کے دنیا میں مروں میں

۷
یہ چاند سے ٹکڑے ہیں مرے گود کے پالے
ان تازہ گلوں کی مجھے جانوں کے ہیں لالے
بن پانی تڑپتے ہیں زبانوں کو نکالے
اولاد کے داغوں سے کلیجے کو بچالے
راضی ہوں میں جو مجھ پہ گزرنا ہو گزر جائے
بچہ مرا دم توڑ کے جھولے میں نہ مر جائے

۸
کرتے تھے دعا سر کو جھکائے شہِ عالم
چلاتی تھی اصغرؑ کو لیے بانوئے پر غم
سیدانیوں میں رونے کا غل ہوتا تھا ہر دم
دوڑو وارثو لو مرا بچہ ہوا بے دم
بن پانی سفر کرتا ہے ہستی کے چمن سے
نکلی ہے زباں ہونٹوں پہ خشکی ہے دہن سے

۹
کیا جی پہ بنی ہے کہ ہمکتے نہیں اصغرؑ
بے سدھ ہیں مری صورت کو بھی تکتے نہیں اصغرؑ
اب دودھ کی خاطر بھی بلکتے نہیں اصغرؑ
دو نرگسی آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اصغرؑ
لے آئے کوئی اذنِ شہِ جن و بشر سے
پانی کی گدائی کو نکلتی ہوں میں گھر سے

۱۰ تھے پیاس سے معصوم سراسیمہ و مضطر
چلاتے تھے یہ چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
لب خشک تھے اور چاند سے منہ آنسوؤں سے تر
پیاسوں پہ کرم کیجئے یا ساقیِ کوثر
ہے سب پہ عیاں آپ امامِ دو جہاں ہیں
پانی نہیں اور صبح سے ہم تشنہ دہاں ہیں

۱۱ ساغر لیے حضرت کے قریں آتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی
پانی ہمیں منگوا دو یہ چلاتا تھا کوئی
ہم پیاسے ہیں یہ کہہ کے پلٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
شرما کے سر اک جھکا لیتے تھے حضرت

۱۲ زینب کو عجب رنج تھے قسمت نے دکھائے
بہلاتی تھیں چھاتی سے سکینہ کو لگائے
دھڑکا تھا کہ بچہ نہ کوئی ہاتھ سے جائے
وہ کہتی تھی مرتی ہوں میں پانی کوئی لائے
اب پیاس کی گرمی سے مجھے تاب نہیں ہے
یہ کیسی ہے منزل کہ جہاں آب نہیں ہے

۱۳ تڑپوں گی زمیں پر مجھے گودی سے گرا دو
اک بوند بھی ہوے تو مرے منہ میں چوا دو
صدقہ علی اصغر کا مری پیاس بجھا دو
خالی ہی کٹورا مرے ہونٹوں سے لگا دو
پانی نہ ملے گا تو سنبھلنے کی نہیں ہیں
اب کی جو غش آیا تو سنبھلنے کی نہیں میں

۱۴ دن بھر اسی بے تابی میں بچوں نے گزارا
صحرائے مصیبت میں ہوئی شام آشکارا
رویا کیا مخدومہ کونین کا پیارا
گردوں سے کیا خسرو خاور نے کنارا
مغرب کے فریضے کو ادا کرتے تھے شبیر
روتے تھے اور امت کی دعا کرتے تھے شبیر

۱۵ وہ شام غم انجام وہ صحرا کی سیاہی
زینب کو یہ تھا سوچ کہ کیا ہوگا الٰہی
بچوں کا وہ رونا وہ غریبوں کی تباہی
بربادی سادات سے بے دینوں نے چاہی
نے جنگ کا ساماں ہے نہ کچھ فوج ادھر ہے
لٹ جانے کا بھی خوف ہے شبخوں کا بھی ڈر ہے

۱۶ دل رندھ گئے تھے تیرگیِ دشتِ بلا سے
شمعیں بھی بجھی جاتی تھیں جنگل کی ہوا سے
روتے تھے حرم خیمے میں بیٹھے ہوئے پیاسے
جی ڈرتے تھے بچوں کے درندوں کی صدا سے
باقر کو کلیجے سے لگا لیتی تھی بانو
چھاتی تلے اصغر کو چھپا لیتی تھی بانو

۱۷ کم ہوتی تھی جوں جوں شب و روز مصیبت
وہ شب تھی غریبوں کے لیے صبح قیامت
ہوتی تھی فزوں دشت پر آشوب کی وحشت
ایذائے سفر، فاقہ کشی، پیاس کی شدت
بہلاتی تھی مائیں پہ نہ چپ ہوتے تھے بچے
مچلے ہوئے کھانے کے لیے روتے تھے بچے

۱۸ اترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکر ظلم
پانی کی نہ پروا تھی نہ کھانے کا انہیں غم
اطراف سے فوجیں بھی چلی آتی تھیں پیہم
تھے فاقے سے اطفال شہنشاہ دو عالم
روشن تھیں ادھر مشعلیں لشکر میں عمر کے
جلتے تھے اندھیرے میں ادھر داغ جگر کے

۱۹
چوکی کے پیادے یہ صدا دیتے تھے ہر بار
نرغے میں رہے تخت دل احمدؐ مختار
ہاں جاگتے رہیو کوئی سوئے نہ خبردار
غفلت کا نہیں وقت ذرا گھاٹ سے ہشیار
اس فوج کا پیاسا کوئی یاں آنے نہ پائے
یاں کا بھی ادھر چھپ کے کوئی جانے نہ پائے

۲۰
اُس شیر دلاور کے پسر سے ہے لڑائی
اِن شیروں کے قابو میں نہ آجائے ترائی
جس پر نہ کبھی فتح کسی فوج نے پائی
پانی انھیں پہونچا تو ہماری اجل آئی
آمادہ رہو جنگ خدا جانیے کب ہو
گر آن پڑیں نہر پہ پیاسے تو غضب ہو

۲۱
پھرتے تھے ادھر گرد خیام شہ ابرار
کاندھے پہ سپر بر میں زرہ ہاتھ میں تلوار
کچھ لوگ لیے حضرت عباسؑ علمدار
فرماتے تھے ہاں غازیو ہر سمت سے ہشیار
حرمت میں یہ خیمہ بھی نہیں کعبہ سے کم ہے
سو بار تصدق ہو کہ یہ طوف حرم ہے

۲۲
مصروف عبادت تھا ید اللہ کا جایا
تو پیاس سے پھر بالی سکینہؑ کو غش آیا
جو خیمے میں سیدانیوں نے شور مچایا
گھبرا کے علمدار کو حضرت نے بلایا
فرمایا کہ سنتے ہو یہ کیا شور ہے بھائی
بن پانی سکینہؑ تو لب گور ہے بھائی

۲۳
عباسؑ نے کی عرض کہ اے مبتدۂ اکرم
پانی کا تو یہ قحط ہے گرمی کا یہ عالم
چلتی ہیں کلیجے پہ مرے برچھیاں پیہم
بچوں کا تو کیا ذکر جوانوں میں نہیں دم
دن پورا کٹا اب بھی جو پانی نہ پئیں گے
فرمایئے کس طرح سے معصوم جئیں گے

۲۴
ہم قبلۂ کونین کی مرضی سے ہیں ناچار
سُن پائے جو خادم ابھی حکم شہ ابرار
کچھ نہر سے پانی کا تو لانا نہیں دشوار
معلوم نہ ہوئے کہ کدھر تھے یہ ستمگار
تلواروں کو چمکا کے جو لشکر پہ گریں گے
مر جائیں تو مر جائیں پہ خالی نہ پھریں گے

۲۵
گو فوج بہت کم ہے مگر سب شرفا ہیں
یوں دیکھو تو مظلوم ہیں راضی برضا ہیں
دیندار ہیں ابرار ہیں اور اہل وفا ہیں
اور وقت جہاد آئے تو آفت ہیں بلا ہیں
دعویٰ ہے ہر اک کو کہ ہزاروں سے لڑیں گے
یہ نہر ہے کیا آگ میں ہم کود پڑیں گے

۲۶
شہؑ نے کہا امت کا نہیں قتل گوارا
اس وقت مگر ہے مرے خالق کا اشارا
منظور ہمیں آپ سے ہے دریا سے کنارا
جاؤ کہ خدا حافظ و ناصر ہے تمھارا
جرأت تمھیں ورثہ ہے شہنشاہ نجف سے
کیجیو نہ مگر سبقت جنگ اپنی طرف سے

۲۷
یہ سن کے اٹھا نور نگاہِ اسد اللہ
مشکیں لیے سب گرد تھے اور بیچ میں وہ ماہ
حضرت نے کیے تیس سوار آپ کے ہمراہ
فرماتے تھے نصرت کی دعا سید ذیجاہ
بھیجا تھا یہ بیتاب امام دو جہاں تھے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

۲۸
جا پہونچا اُدھر تیغ سواروں سے وہ صفدر
سب دشت ہوا حسن کے پرتو سے منور
دریا کی ترائی میں پڑی نور کی چادر
جو سوتے تھے وہ چونک پڑے صبح سمجھ کر
تھی رات پہ ثابت ہوا یہ لشکرِ کیں پر
خورشید فلک سے اتر آیا ہے زمیں پر

۲۹
ناگہ بن حجاجِ لعیں آ کے پکارا
تم کون ہو یاں رات کو کیا کام تمہارا
دشوار ہے تا نہر پرندوں کا گزارا
دریا کے کنارے سے کرو جلد کنارا
تلواروں سے کل کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو
پانی نہیں ملنے کا محمدؐ کے پسر کو

۳۰
بولا یہ بلالِ بجلی شاہ کا یاور
اے شخص میں ہوں تیرا چچازاد برادر
آیا ہوں کہ پانی سے لب خشک کروں تر
اُس نے کہا سیراب ہو اے میرے دلاور
پیارا انہیں پانی تو نہیں اور کسی سے
گر ہے تو عداوت ہے حسینؑ ابن علیؑ سے

۳۱
اُس نے کہا کیا کہتا ہے تو او ستم آرا
اِس پانی کا پینا تجھے کیونکر ہو گوارا
واں پیاس سے مرتا ہے ید اللہ کا پیارا
اطفال کو اب تشنہ لبی کا نہیں یارا
اس ظلم سے باز آ جو نواسا ہے نبی کا
یہ اور کوئی ہے کہ نواسا ہے نبی کا

۳۲
بے وجہ عداوت کی نبی زادے سے کیا ہے
مارا ہے کسے اُس نے کسے قتل کیا ہے
مہمان ہے سیّد سے گرفتار بلا ہے
جو اپنے گھر آئے یہ ستم اس پہ روا ہے
جس کو نہیں ملتا اُسے لا دیتے ہیں پانی
پیاسا ہو تو کافر کو پلا دیتے ہیں پانی

۳۳
کر دل میں ذرا غور تو ہے قاریِ قرآں
ممنوع ہے کیسا عمداً قتل مسلماں
شبیرؑ تو ہے حامیِ دیں صاحبِ ایقاں
سب خلق پہ ہے جس کا پدر سابق الایماں
ہر شخص کو عزت بھی اسی گھر سے ملی ہے
ایمان کی دولت بھی اسی گھر سے ملی ہے

۳۴
ظالم نے کہا سچ ہے جو تو کرتا ہے مذکور
شبیرؑ کو سیراب کریں یہ نہیں منظور
یاں لاکھ جواں ہم ہیں اسی بات پہ مامور
وہ شیر پکارا کہ یہ میرا نہیں دستور
پانی کے لیے نہر پہ سر دیویں گے ہم بھی
میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیویں گے ہم بھی

۳۵
جس وقت کہ آپس میں زیادہ ہوئی تکرار
اک شور ہوا دونوں طرف کھنچ گئی تلوار
فرمانے لگے حضرتِ عباسؑ علمدار
میں لڑتا ہوں تم ڈالدو ہاں پانی میں رہوار
زورِ اسد اللہ دکھا دیتا ہوں ان کو
اک حملے میں دریا سے بھگا دیتا ہوں ان کو

۳۶
یہ کہتے ہی عباسؑ کہ اعدا کے چلے تیر
غازی نے کیا مثلِ علیؑ نعرۂ تکبیر
بجلی سی شبِ تار میں رخشاں ہوئی شمشیر
گر گر کے ترائی میں تڑپنے لگے بے پیر
جس غول میں جا پڑتے تھے تاریکیِ شب میں
شیر آیا ترائی میں یہ غل ہوتا تھا سب میں

لامع = روشن

۳۷
آخر نہ ہوا تھا ابھی یاں حملۂ اول
فوج ستم آرا میں اُدھر ہو گئی ہل چل
گھوڑوں پہ اندھیرے میں گرے پڑتے تھے پیدل
لامع ہوئی جب تیغ تو روشن ہوا جنگل
اڑتے ہوئے گردوں پہ شرارے نظر آئے
بجلی کہیں چمکی کہیں تارے نظر آئے

۳۸
ہردم برشِ تیغ دو دم ہوتی تھی افزوں
دریا کے ترے خون کا بہنے لگا جیحوں
چھینٹوں سے لہو کے سپریں ہو گئیں گلگوں
چلاتے تھے اعدا یہ لڑائی ہے کہ شب خوں
ریتی پہ طپاں ہے کوئی جل جاتا ہے کوئی
پارہ کی طرح اڑ کے نکل جاتا ہے کوئی

۳۹
رہوار چھلاوہ ہے کہ شہبازِ نظر ہے
نیزہ ہے کہ افعی ہے سناں ہے کہ شرر ہے
تلوار ہے یا ماہیِ دریائے ظفر ہے
خورشید کے پنجے میں سپر ہے کہ قمر ہے
حملے ہیں نئے جنگ کے انداز جدا ہیں
یہ حضرت عباسؑ ہیں یا شیرِ خدا ہیں

۴۰
جب شیر سا آ پڑتا ہے گھوڑے کو ڈپٹ کر
ہو جاتی ہے سب فوج پراگندہ سمٹ کر
جس غول پہ کر جاتا ہے اک وار جھپٹ کر
دس بیس کے سر خاک پہ گر پڑتے ہیں کٹ کر
گر سیل کہیں سیل میں یہ کاٹ کہاں ہے
معلوم نہیں ہم ہیں کہاں گھاٹ کہاں ہے

۴۱
ساحل سے کنارے ہوئے جب سارے ستمگار
دریا میں در آئے شہِ مظلومؑ کے انصار
مشکیں بھریں اور جلد چلے چھیڑ کے رہوار
تھا تیغ بکف لختِ دلِ حیدرؑ کرار
جو ٹوکتا تھا شیر سے بھڑ پڑتے تھے عباسؑ
ان سب کو بچاتے بھی تھے اور لڑتے تھے عباسؑ

۴۲
فرماتے تھے تم تک نہیں آ سکتے ہیں بے پیر
ہاتھ اس کا اڑا دوں کوئی چلّے میں جو لے تیر
دو مشکیں تو تھیں دوش پہ اور ہاتھ میں شمشیر
نعرہ تھا کہ نزدیک ہے اب خیمۂ شبیرؑ
خود پیاسے تھے اور تشنہ دہانوں کی سپر تھے
تنہا تھے مگر تیس سواروں کی سپر تھے

۴۳
واں جنگ تھی بیتاب تھا یاں فاطمہؑ کا لال
تر آنسوؤں سے ہوتا تھا رومال پہ رومال
تھے جمع حرم ڈیوڑھی پہ سب کھولے ہوئے بال
اور فاطمہؑ کی بیٹیاں تھیں مضطرب الحال
غل ہوتا تھا میداں میں تو گھبراتے تھے شبیرؑ
ہر مرتبہ خیمے سے نکل آتے تھے شبیرؑ

۴۴
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتے تھے پیہم
یا قادر و یا ناصر و یا خالقِ عالم
مجھ بیکس و بے پر کے تو ہے حال سے محرم
عباسؑ دلاور کی مدد کیجیو اس دم
وہ آئے تو پانی کے بھی پینے کا مزا ہے
اس بھائی سے شبیرؑ کے جینے کا مزا ہے

۴۵
یارب ترے شبیرؑ کا یاور ہے تو یہ ہے
عاشق ہے تو یہ ہے جو برادر ہے تو یہ ہے
حمزہ ہے تو یہ ہے مرا جعفرؑ ہے تو یہ ہے
گر فوج ہے تو یہ ہے جو لشکر ہے تو یہ ہے
طاقت ترے محبوب کو تھی تیرے ولی سے
قوت ہے مرے جسم میں عباسؑ علی سے

۴۶ عباسؑ کے بچوں کی یتیمی نہ دکھانا
چھوٹی مری بھاوج کو رنڈاپے سے بچانا
ماتم میں چچا کے نہ سکینہؑ کو رلانا
دریا سے سلامت تو اسے پھیر کے لانا
وہ آکے ملے گا تو ٹھہر جائے گا شبیرؑ
بچھڑے گا جو عباسؑ تو مر جائیگا شبیرؑ

۴۷ تھی زوجۂ عباسؑ سراسیمہ و مضطر
تنہا وہ کہاں اور کہاں شام کا لشکر
دھڑکا تھا کہ کیا دیکھوں دکھاتا ہے مقدر
اعدا سے لڑیں گے شب تاریک میں کیونکر
تشویش ہے فرزند رسولؐ دوسرا کو
یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

۴۸ ڈیوڑھی پہ کھڑا تھا پسر ساقیٔ کوثر
دریا سے پھرے حضرت عباسؑ دلاور
ناگاہ خبر دی یہ خبردار نے آکر
آپہونچے ہیں اُردوئے معلیٰ کے برابر
مشکیزے بھی پرآب ہیں تائید خدا سے
زخمی بھی نہیں ہے کوئی حضرت کی دعا سے

۴۹ بس اتنے میں عباسؑ نے آواز سنائی
درپیش ہے اب روح کو قالب سے جدائی
چلّائے شہ دیں کہ میں صدقے ترے بھائی
تم آئے نہیں جان تن زار میں آئی
اللہ نے پھیرا انھیں تیغوں کے تلے سے
جلد آکے لپٹ جاؤ برادر کے گلے سے

۵۰ عباسؑ پکارے شہ کونین میں آیا
دریا کے کنارے سے لعینوں کو بھگایا
اللہ مرے سر پہ رکھے آپ کا سایا
پانی بھی غلام آپ کے اقبال سے لایا
سب پیاسوں کو مژدہ یہ سنا دیجئے مولا
غش ہوے سکینہؑ تو جگا دیجئے مولا

۵۱ مشکیں لیے اتنے میں دلاور نظر آئے
قدموں پہ جو آقا کے جھکانے وہ سر آئے
خیمے کے قریں گھوڑوں سے نیچے اتر آئے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں میں بھر آئے
انجام کی اس عاشق باری کو خبر تھی
مشکوں پہ کبھی اور کبھی ہاتھوں پہ نظر تھی

۵۲ کاندھے پہ جو عباسؑ کے مشکیزہ کو دیکھا
ہم شکل پیمبرؐ نے کہا اے شہ والا
رونے لگے چلّا کے شہ یثرب و بطحا
رونے کی ہے کیا وجہ یہ موقع ہے خوشی کا
دے آئے جوان یاں کے شکست اہل وغا کو
لایا ہے خدا پھیر کے عباسؑ چچا کو

۵۳ فرمایا شہ دیں نے ہمیں اس کی خبر ہے
بے وجہ نہیں رونے حسینؑ اشکوں سے تر ہے
یاں معرکۂ روز دہم پیش نظر ہے
کیا خوش ہوں کہ سو داغ ہیں اور ایک جگر ہے
یاں بھائی سے بھائی کو جدا ہونا ہے بیٹا
ان ہاتھوں پہ کیا جانیے کیا ہونا ہے بیٹا

۵۴ وہ وقت مری آنکھوں تلے پھر گیا اکبرؑ
پانی انھیں لانے نہیں دیویں گے ستمگر
جب مشک سکینہؑ کی سدھاریں گے یہ لیکر
ٹوٹے گی الم سے کمر سبط پیمبرؐ
ہم خاک بسر ان کی جدائی میں رہیں گے
مشک آئیگی گھر میں یہ ترائی میں رہیں گے

۵۵
یہ کہکے علمدار سے لپٹے شہِ خوش خو
فرماتے تھے میں صدقے ترے اے مرے گلرو
چومے کبھی ہاتھ اور کبھی شانے کبھی بازو
اس سینے سے آجاتی ہے بابا کی مجھے بو
روتا ہوں کہ یاد آتا ہے انجام تمہارا
سقائے حرم آج سے ہے نام تمہارا

۵۶
مشکیں لیے گھر میں پسرِ فاطمہؑ آیا
کلثومؑ نے آغوش میں باقرؑ کو اٹھایا
زینبؑ نے خوشی ہو کے سکینہؑ کو جگایا
بیٹوں کو علمدار کی زوجہ نے بلایا
مادر کے رخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ
جھولے میں خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغرؑ

۵۷
سب نے کہا پہلے علی اصغرؑ کو پلاؤ
بانوؑ نے کہا زینبؑ مضطر کو پلاؤ
شبیرؑ پکارے مری دختر کو پلاؤ
زینبؑ نے کہا میرے برادر کو پلاؤ
امیدِ حیاتِ شہِ بے آس نہیں ہے
بھائی کی مصیبت میں مجھے پیاس نہیں ہے

۵۸
فرمایا شہِ دیں نے کہ اے بیبیو آؤ
پھر پانی نہیں ملنے کا لو پیاس بجھاؤ
بچوں کو بھی لاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
ہاں بعد حسین ابن علیؑ پاؤ تو پاؤ
تقدیر میں ہے خنجر و شمشیر کا پانی
یہ آخری ہے قسمتِ شبیرؑ کا پانی

۵۹
مصروف ہوا پھر پسرِ ساقیِ کوثر
شاداب ہوا گلشنِ اسلام سراسر
سب پیاسوں کو بھر بھر کے دیئے پانی کے ساغر
تب بھائی سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
سب پی چکے اونٹوں کی بھی اب پیاس بجھادو
باقی ہے جو پانی اسے گھوڑوں کو پلادو

۶۰
عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ عالم
فرمایا کہ بھائی یہ مناسب نہیں اس دم
بچوں کے لیئے پانی کا رکھنا ہے مقدم
مشہور ہیں دنیا میں سخی ابنِ سخی ہم
ہم پانی پئیں وہ نہ پئیں شرم کی جا ہے
حیوان نہ پیاسے رہیں بچوں کا خدا ہے

۶۱
یہ سنتے ہی باہر گیا وہ عاشقِ باری
وہ رات تو راحت سے غریبوں نے گذاری
مشکیں جو بھری آئیں تھیں خالی ہوئیں ساری
ہشتم سے وہی پیاس تھی اور گریہ و زاری
گھیرے تھے لعیں سبطِ رسولِ عربی کو
پھر پانی دمِ نزع تک نہ ملا آلِ نبیؐ کو

مطلع دوم

۶۲
جب رن میں نمایاں ہوئی صبحِ شبِ عاشور
خورشید کی آمد سے ستارے ہوئے بے نور
سب عالمِ ایجاد ہوا نور سے معمور
چہروں سے اڑا رنگ حسوم صورتِ کافور
معصوم بچھڑتے تھے عدم کے سفری سے
پروانے گلے ملتے تھے شمعِ سحری سے

۶۳
جب پڑھ چکے شہ بعد فریضے کے دعائیں
چھاتی سے پھر اک بار سکینہؑ کو لگائیں
فرمایا کہ رخصت کے لیئے بیبیاں آئیں
کچھ بانوؑ سے کہہ لیویں تو سر دینے کو جائیں
بیووں سے ملاقات کی فرصت نہ ملیگی
پھر حشر تلک بات کی مہلت نہ ملے گی

بچے لیے وہ بیبیوں کا سامنے آنا	۶۴	شبیرؑ کا ایک ایک کو چھاتی سے لگانا
وہ بانوؑ کا سر پائے مبارک پہ جھکانا		وہ شاہ کا قسمیں سر اکبرؑ کی دلانا
رخ زرد تھا عریاں ہر اک بی بی کا سر تھا		ماتم کا مرقع شہِ مظلوم کا گھر تھا
روتے ہوئے خیمے سے برآمد ہوئے شبیرؑ	۶۵	بیٹی کہیں غش کھا کے گری اور کہیں ہمشیر
پہلے سے نقاہت تھی زبس پاؤں کی زنجیر		تڑپا کیے اور اٹھ نہ سکے عابدِ دلگیر
چلاتے تھے سب نے ہمیں بابا سے چھڑایا		بیمار کو قسمت نے مسیحا سے چھڑایا
مرکب پہ جگر بند محمدؐ ہوا اسوار	۶۶	کس شوق سے گھوڑوں پہ چڑھے یاور و انصار
وہ فوج حسینی وہ علم اور وہ علمدار		خاتون قیامت کی صدا آتی تھی ہر بار
لشکر کے فدا سرورِ ذیجاہ کے صدقے		ان تاروں کے قربان اور اس ماہ کے صدقے
پہونچے جو وہ مردانِ وغا دشتِ وغا میں	۶۷	تھا غلغلہ صلِّ علیٰ ارض و سما میں
سرگرم تھے سب الفتِ شاہِ شہدا میں		ثابت تھے دلیروں کے قدم راہِ خدا میں
کہتے تھے کہ آقا کی یہ تائید کا دن ہے		کٹوائیے ہنس ہنس کے گلے عید کا دن ہے
یہ روز مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا	۶۸	سجدے میں تہِ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہاں غازیو اس کثرتِ اعدا سے نہ ڈرنا		ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو		تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو
افضل ہے عبادت سے مددگاری شبیرؑ	۶۹	خود دوڑ کے نامردوں کی جانب صفتِ تیر
بجلی سے گرو ان کوئی چمکائے جو شمشیر		کس شخص کے یاور ہو زہے عزت و توقیر
چھاتی سے ہمیں آج لگا دیں گے محمدؐ		رونے کے لیے لاشوں پہ آویں گے محمدؐ
معلوم نہ ہوگا یہ کئی روز کا فاقا	۷۰	جب تیغوں کے پھل کھائیں تو حاصل ہو افاقا
اولاد سے مطلب ہے نہ گھر سے ہے علاقا		دنیا میں کہاں پائیں گے شبیرؑ سا آقا
پایا ہے یہ کس نے جو ہمیں پایا ملے گا		قبروں کو بھی شبیرؑ کا ہمسایا ملے گا
کیا فوج تھی کیا لوگ تھے اللہ رے ارادے	۷۱	اس پر بھی بہتر تھے سوار اور پیادے
ایک ایک جب آقا کے لیے جان لڑا دے		کیونکر نہ بھلا فاطمہؑ ان سب کو دعا دے
سردار مجاہد ہو تو انصار ہوں ایسے		آقا جو ہو ایسا تو مددگار ہوں ایسے
یوسفؑ سے حسیں حسن شرف میں مہِ کنعاں	۷۲	شرمندہ جنھیں دیکھ کے ہو نیرِ تاباں
تھا کوئی مفسر تو کوئی حافظِ قرآں		غل چار طرف تھا یہ ملائک ہیں کہ انساں
لبریزِ مے حسن صراحی سے گلے تھے		سینے نہ کہو چاند عباؤں کے تلے تھے

۷۳ ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی
دیندار خوش اطوار وفادار نمازی
کیّ و قریشی و حسینی و حجازی
زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو ہٹا دیں
قبضے پہ رکھیں ہاتھ تو شیروں کو بھگا دیں

۷۴ قامت ہے وہ شمشاد بلندی میں جہاں پست
ساعد وہ جو ضیغم کی کلائی سے زبردست
سینے وہ تھے سرکیں نہ جو تلوار ہوں پیوست
تھے ساقیٔ کوثر کی محبت میں وہ سرمست
کس شوق سے آقا کا قدم چوم رہے تھے
تلواروں کو کاندھوں پہ دھرے جھوم رہے تھے

۷۵ صف باندھے ہوئے قبلۂ عالم کے یگانے
استادہ تھے شانوں سے ملائے ہوئے شانے
تسبیحِ امامت نے عجب پائے تھے دانے
اک رشتہ میں جاگہ انھیں بخشی تھی خدا نے
کیا عزت و حرمت تہِ افلاک تھی اُن کی
کہتے ہیں جسے خاکِ شفا خاک تھی ان کی

۷۶ کہتا تھا کوئی اکبرِ ذی جاہ کو دیکھو
عباسؑ کو دیکھو علمِ شاہ کو دیکھو
کیا نور ہے فرزندِ ید اللہ کو دیکھو
تاروں کی طرف دیکھ چکے ماہ کو دیکھو
یہ وہ ہیں کہ دشمن کی برائی میں نہیں ہیں
ایسے تو جوان ساری خدائی میں نہیں ہیں

۷۷ ڈنکے پہ پڑی چوب بڑھا شام کا بادل
نعروں سے دلیروں کے لگا گونجنے جنگل
تلواریں جو چمکیں تو پڑی فوج میں ہل چل
آگے صفِ آخر ہوئی پیچھے صفِ اوّل
کیا زور تھا انصارِ شہِ تشنہ دہاں کا
لشکر تہ و بالا ہوا دو لاکھ جواں کا

۷۸ جس شیر نے رہوارِ فلک سیر کی لی باگ
اک ایک سے کہتی اجل آئی کہ ارے بھاگ
سادات کی تلواروں کو تم سے ہے سدا لاگ
یہ صاعقہ ہے خرمنِ ہستی کے لیے آگ
جز قبلہ کسی جا انھیں جھکتے نہیں دیکھا
تلواروں کو ان کی کبھی رکتے نہیں دیکھا

۷۹ مارے گئے لڑ بھڑ کے جو وہ مومنِ کامل
جا جا کے اُٹھا لائے انھیں سرورِ عادل
کس طرح بشر سے ہوں بیاں اُن کے فضائل
رتبے میں ملک ہو نہ سکے جن کے مقابل
رونے کو نہ مادر تھی نہ ہمشیر سرہانے
تھا وقتِ اجل زانوئے شبیرؑ سرہانے

۸۰ جب آئی عزیزوں کے جدا ہونے کی باری
خونِ جگر آنکھوں سے ہوا شاہ کی جاری
فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضیِ باری
گہ شکر ادا کرتے تھے گہ گریہ و زاری
سادات کے حلقوں سے قیامت ہوئی رن میں
بس عصر تلک سب کی شہادت ہوئی رن میں

۸۱ لشکر میں پڑا شور کہ تنہا ہوئے شبیرؑ
ہشیار کہ ہوتی ہے علم حیدرؑ کی شمشیر
آگے قدر انداز بڑھے چلنے لگے تیر
حضرت کا یہ تھا حال کہ تھے ششدر و دلگیر
خیمے کو حرم کے کبھی تکتے تھے پلٹ کر
روتے تھے کبھی لاشۂ اکبرؑ سے لپٹ کر

۸۲ فرماتے تھے کیا سوتے ہو اٹھو علی اکبرؑ
تنہائی میں بابا کی خبر لو علی اکبرؑ
حلقے میں لیا فوج نے ہم کو علی اکبرؑ
آنکھیں تو ذرا کھول کے دیکھو علی اکبرؑ
بیکس کی مدد کرنے کو آتے نہیں بیٹا
یزدن سے لعینوں کے بچاتے نہیں بیٹا

۸۳ یہ کہتے تھے جو لاشۂ اصغرؑ نظر آیا
بچے کو عجب پیار سے چھاتی سے لگایا
بوسے لیے آنکھوں کے لہو منہ سے چھڑایا
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹایا
اک ہاتھ کا تکیہ کیا معصوم کے سر کا
اک ہاتھ رکھا سینہ پہ مجروح پسر کا

۸۴ چلائے کہ اکبر علیؑ اصغر سے خبردار
جنگل میں ذرا چھوٹے برادر سے خبردار
اے مہر درخشاں مہ انور سے خبردار
ہے خوف کی منزل مرے دلبر سے خبردار
اس طرح سے بہلاؤ کہ روئے نہیں اصغرؑ
بے ماں کبھی آرام سے سوئے نہیں اصغرؑ

۸۵ ناگاہ صدا آئی کہ اے عاشقِ باری
صدقے ترے بچوں کے یہ ماں درد کی ماری
حسن سے مجھے کم نہیں اولاد تمہاری
حاضر ہوں میں لاشوں کی نگہبانی کو واری
روتی ہوں غم اصغرِ بے شیر میں بیٹا
لکھی تھی یہ خدمت مری تقدیر میں بیٹا

۸۶ شادی مجھے اکبرؑ کی نہ قسمت نے دکھائی
حسرت رہی پوتے کی دلھن گھر میں نہ آئی
اب آئی تو لاشوں کی نگہبانی کو آئی
لوٹا مجھے امت نے محمدؐ کی دہائی
تاراج محمدؐ کا گلستان ہوا ہے
پھولا پھلا گلشن مرا ویران ہوا ہے

۸۷ اک باغ فدک تھا سو اسے پہلے ہی لوٹا
اور آج تو زہراؑ پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
اس باغ کے لٹ جانے سے فردوس بھی چھوٹا
ہے ہے نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
تلواروں کے پھل کھا کے یہ سب پھول جھڑے ہیں
کاٹے ہوئے ریتی میں مرے سرو پڑے ہیں

۸۸ پہچان کے مادر کی صدا رونے لگے شاہ
فرزندوں کے غم میں دل پُر درد سے کی آہ
جب تیر برسنے لگے معصوم پہ ناگاہ
اعدا سے مخاطب ہوا تب ابنِ یداللہ
ہاں آؤ اگر حوصلہ باقی ہے کسی کو
ناچار علم کرتا ہوں شمشیر علیؑ کو

۸۹ میں وارثِ شمشیرِ شہِ قلعہ کشا ہوں
میں مہتمم خانۂ ربِ دوسرا ہوں
رحمت ہوں کبھی میں تو کبھی قہر خدا ہوں
بخشوں جسے چاہوں میں نہ بخشوں جسے چاہوں
اللہ نے بچپن سے مجھے پیار کیا ہے
جنت کا بھی دوزخ کا بھی مختار کیا ہے

۹۰ جو دوست ہیں میرے انھیں دوزخ کا نہیں ڈر
گھر اُن کا ارم میں ہے مرے گھر کے برابر
ہے خلدِ بریں الفت اولادِ پیمبرؐ
چشمہ ہے محبت کا مری چشمۂ کوثر
کب عرش نے پایا ہے جو پایا ہے ہمارا
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایہ ہے ہمارا

۹۱ فردوس کے میوے مری الفت کے ثمر ہیں
ان سب کے دلِ پنجتن پاک میں گھر ہیں
گلگشت کو جنت کے چمن پیشِ نظر ہیں
شیعوں کے لیے حشر میں ہم سینہ سپر ہیں
اس معرکہ میں عیش نشاط ان کے لیے ہے
نے خوفِ جہنم نہ صراط اُن کے لیے ہے

۹۲ قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد
جو دشمن زہراؑ و علیؑ ہے وہ ہے مرتد
اور پائیں گے قصرِ گہر و لعل و زبرجد
ایماں کے عدو گن لو کہ ہیں حبِ محمدؐ
کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نام علیؑ کو تو نجی ہے

۹۳ فرما کے یہ شمشیر دو پیکر کو نکالا
کونین میں اس تیغ نے ایک تہلکہ ڈالا
اک برق چمکنے لگی تا عالمِ بالا
گردوں تو گرا تھا پہ فرشتوں نے سنبھالا
جب عرشِ خدا ہلتا تھا تھراتے تھے افلاک
جھک جھک کے سوئے خاک سنبھل جاتے تھے افلاک

۹۴ چھایا ہوا تھا چاروں طرف ڈھالوں کا بادل
تھی جانوں کی دہشت سے عجب فوج میں ہلچل
شمشیر تھی مانند ہلالِ صفِ اول
پیدل پہ تو اسوار تھے اسواروں پہ پیدل
بند آنکھیں کیے فوج گئی کوس تلک تھی
آئینۂ شمشیر میں بجلی کی چمک تھی

۹۵ سمٹی ہوئی تھی گاوِ زمیں خوف کے مارے
حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہاں اے مرے پیارے
طائر بھی درختوں سے اڑے جاتے تھے سارے
میں بھی ہوں مدد کے لیے ہمراہ تمھارے
کھینچا ہے تو مت روکیو شمشیر دو دم کو
اس تیر لگے بازو پہ صدقے کرو ہم کو

۹۶ پستی کو بلندی سے جھکی جب کہ وہ شمشیر
ہر صف میں کماندار گریزاں ہوئے جوں تیر
رکھ کر سپریں چہروں پہ گر گر پڑے بے پیر
لاکھوں تھے پہ روکی نہ گئی ضربتِ شمشیر
اسوار جو نامی تھے وہ توسن سے جدا تھے
ہر ضرب میں اسواروں کے سر تن سے جدا تھے

۹۷ بیکار تھیں اعدا کی کمانیں دمِ پیکار
چلوں کو اڑاتی تھی جو ہر وار میں تلوار
آفت کا نشانہ تھے وہ گجباز خطاکار
حیرانی سے منہ کھول کے رہ جاتا تھا سوفار
پامال ہر اک ظالمِ سرکش نظر آیا
نے تیر نظر آئے نہ ترکش نظر آیا

۹۸ گھوڑے کو اڑاتے جو سواروں کے پروں پر
جب چاہتے تھے وار کو روکیں سپروں پر
نعل اس کے مہ نو سے چمکتے تھے سروں پر
اک برق غضب گرتی تھی بیدادگروں پر
اڑ جاتی تھی گرتی تھی نکل جاتی تھی سن سے
سر تن سے سپر ہاتھ سے اور روح بدن سے

۹۹ تلوار پڑی شاہ کی جس دشمنِ دیں پر
گردن سے لگی سینہ پہ اور سینہ سے زیں پر
بکتر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ جبیں پر
اسوار تھے گھوڑوں پہ تو گھوڑے تھے زمیں پر
تھا شور کہ اعجاز ہے یہ ضرب نہیں ہے
ہے قہرِ خدا اے دو جہاں حرب نہیں ہے

۱۰۰
بجلی سی جو گر کر وہ صفِ جنگ سے نکلی
اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی
فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی
سینے میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی
چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا

۱۰۱
جس شامی کے شانے پہ پڑی شانہ جدا تھا
تکبیر جدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا
پہنچے ملک آ پہونچی تو دستانہ جدا تھا
اپنوں سے ہر اک صورتِ بیگانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سر و تن کی جدائی کی خبر تھی

۱۰۲
غل فوج میں تھا حیدرؑ صفدر کی دوہائی
مارو نہ ہمیں حضرت شبرؑ کی دوہائی
اللہ کی فریاد پیمبرؐ کی دوہائی
اکبرؑ کی دوہائی علیؑ اصغرؑ کی دوہائی
عاجز ہیں علیؑ کے سرِ مجروح کا صدقہ
اب رحم کرو فاطمہؑ کی روح کا صدقہ

۱۰۳
ناگاہ صدا آئی نبی کی کہ مری جان
دشمن کی بھی مشکل کو تمھیں کرتے ہو آسان
اس ہاتھ کے اس ضرب کے اس تیغ کے قربان
امت پہ کرو رحم کہ مجھ پر ہے یہ احسان
خالق سے دمِ راز و نیاز آیا ہے بیٹا
سجدے کو جھکو وقتِ نماز آیا ہے بیٹا

۱۰۴
یہ سنتے ہی سب اسلحہ حضرت نے اتارا
تھے دور جو قاتل انھیں اس طرح پکارا
اور گھوڑے سے اترا اسد اللہ کا پیارا
اب ہاتھ کسی پر نہیں اٹھے گا ہمارا
سر دینے کو موجود امامِ دو جہاں ہے
بھجوائے خنجر ہے کہاں شمر کہاں ہے

۱۰۵
گھوڑوں سے یہ سنکر کئی ملعون اتر آئے
کچھ تیروں کو چلوں سے کمانوں کو ملائے
نیزہ کوئی تولے کوئی شمشیر لگائے
قتلِ شہِ بیکس پہ قدم سب نے اٹھائے
یا ٹوک نہ سکتا تھا کوئی تشنہ دہاں کو
یا لے لیا حلقے میں امامِ دو جہاں کو

۱۰۶
اک جان کے خواہاں تھے ستمگار ہزاروں
اک جسم تھا اور نیزۂ خونخوار ہزاروں
اک کعبہ پہ چڑھ آئے تھے کفار ہزاروں
گھیرے ہوئے اک پھول کو تھے خار ہزاروں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلاتی تھیں رن میں
خورشیدِ جہاں تاب تھا تیروں کی کرن میں

۱۰۷
تلواروں سے زخمی ہوئی پیشانی و گردن
دیکھے جو گلِ باغِ شفاعت دمِ مردن
تیروں سے ہوئے شل زرہ جسم میں روزن
زخم تبر و تیر کے پھیلا دیے دامن
افراط جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

۱۰۸
تھا عصر کا ہنگام کہ حضرت کو غش آیا
خنجر کو لعیں حلق کے نزدیک جو لایا
سجدے میں سنبھل کے سرِ انور کو جھکایا
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہے ہے مرا جایا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتی تھیں زہراؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتی تھیں زہراؑ

گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا	۱۰۹	حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلّاد نے پوچھا سبب اس کا		فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلنے پر		امّاں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر
کس منھ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر	۱۱۰	کافی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
سرے کے عمرؔ پاس گیا شمرِ بد اختر		ریتی پہ تڑپنے لگا شہ کا تنِ بے سر
لاشے پہ ادھر ٹوٹ پڑی فوج شقی کی		لٹنے لگی پوشاک حسینؑ ابنِ علیؑ کی
ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ نکل آئی	۱۱۱	چلائی کہ یا حیدرِ کرّار دوہائی
خیمے سے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی		یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
بیٹی جو بہن دوڑ کے بھائی کے جسد سے		تھا شور کہ زہراؑ نکل آئی ہے لحد سے
خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش	۱۱۲	ہو گی نہ محبّوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشم خطا پوش		کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف		کب اہلِ سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

تمام شد

سلام

دل میرا ہے گدائے جنابِ امیرؑ کا	۱	خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا	۲	دامن نہ چھٹنے پائے جنابِ امیرؑ کا
کیا پوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا	۳	بازوئے نبیؐ کا ہاتھ خدائے قدیر کا
حافظ اگر ہو عدل جنابِ امیرؑ کا	۴	شعلہ پہن لے جسم میں کرتا حریر کا
تھا حق پسند فقر جنابِ امیرؑ کا	۵	اب تک ہے مسجدوں میں بچھونا حصیرؑ کا
عاشق ہوں روئے پاک جنابِ امیرؑ کا	۶	کعبے کی سرزمیں پہ ہے بستر فقیر کا
کرسی نبیؐ کی عرش جنابِ امیر کا	۷	وہ شاہ کی جگہ یہ محل ہے وزیر کا
کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا	۸	شیشہ بغل میں ہے مئے خمِ غدیر کا
گلشن میں سن کے زمزمہ پردازیاں مری	۹	دم بند ہو گیا ہے مرے ہمصفیر کا
معصوم سب ہیں جوشنِ بازوئے مصطفیٰؐ	۱۰	یاں ایک مرتبہ ہے صغیر و کبیر کا

لہ بچھائی"

[illegible] ۱۰

خیبر کا در اکھاڑے وہ جن شانہ ۱۱ ٹکڑا نمک سے کھائے جو نانِ شعیرؑ کا
یوں ناکشش جہت میں قاتلِ شبیرؑ خوار ہو ۱۲ بہتے ہیں جیسے روز ہے منحوس پیر کا
پیاسا ہوں ساقیا ہے کوثر کے خم کی خیر ۱۳ بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا
احسانِ بوترابؑ کا گردن پہ بوجھ ہے ۱۴ سر کس طرح جھکا نہ رہے چرخِ پیر کا
اشکوں سے لب بھگو دے مرے اے فراتِ چشم ۱۵ عادی ہوں میں طہارتِ آبِ کثیر کا
وسعتِ خیال حور نہ پہونچا کبھی جہاں ۱۶ اس دوش پر تھا پاؤں مرے دستگیر کا
پیری تو آچکی ہے مگر مہلت اے اجل ۱۷ کر لوں طواف قبرِ جنابِ امیرؑ کا
حکمِ خدا سے قاسمِ ارزاقِ خلق ہیں ۱۸ سب ہاتھ دیکھتے ہیں مرے دستگیر کا
سبطین مصطفٰیؐ کو سمجھتے ہیں جو شنین ۱۹ تینوں میں ہے یہ حسن صغیر و کبیر کا
مومن سمجھ لیں دل میں پردے کی بات ہے ۲۰ نکلا کہاں سے ہاتھ جنابِ امیرؑ کا
کیا رحم تھا کہ شیرِ الٰہی نے رو دیا ۲۱ جب آگیا خیال یتیم و اسیر کا
اُس کے پسر کو پانی کا قطرہ ملے نہ ہائے ۲۲ قاتل کو جس نے بھیج دیا جام شیر کا
جب مر گئے علیؑ تو مدینہ میں شور تھا ۲۳ آج اٹھ گیا شفیق یتیم و اسیر کا
سنکر یہ حکمِ رحم پہ رونے لگے حسینؑ ۲۴ کاسہ دیا جو آپ نے قاتل کو شیر کا
پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہیو انیسؔ ۲۵ ہے وادی السّلام میں بستر فقیر کا

تمام شد

رباعی

لاریب ہے منظورِ خدا سب سے علیؑ
حقا کہ رسولِ حق کا بھائی ہے علیؑ
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا
دریا ظرف ہے اور دریا سب ہے علیؑ

تمام شد

کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہرا	مرثیہ ۱	خاتون جہاں مالک تطہیر ہے زہرا
ام الحسن و مادر شبیر ہے زہرا		سر تا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہرا
شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہ عرب ہے		بیٹی ہے نبی کی یہ حسب ہے یہ نسب ہے
حقا کہ شرافت میں وہ مریم سے سوا ہے	۲	زینت کے لیے عرش پہ نام اس کا لکھا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ محبوب خدا ہے		وارث وہ ہے سب خلق کا جو عقدہ کشا ہے
بیٹے ہیں وہ دونوں کہ شفیع دو جہاں ہیں		اس طرح کے رتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں
اوصاف میں سب خلق اگر ایک زباں ہو	۳	زہرا کی بزرگی نہ بیاں ہو نہ بیاں ہو
گر جائیں کہ عصمت کا کچھ احوال عیاں ہو		تو شاہد مضموں پس پردہ ہی نہاں ہو
جس طرح سے حیراں ہیں بشر حمد خدا میں		عاجز ہیں اسی طرح سے زہرا کی ثنا میں
تشویش یہی طبع کو ہنگام رقم ہے	۴	تعریف جو کچھ ذہن میں آئی ہے وہ کم ہے
اس نور الٰہی کی ثنا بس کہ اہم ہے		سجادۂ قرطاس پہ سجدے میں قلم ہے
توصیف نہ خامے سے ہے ممکن نہ زباں سے		تحریر سے افزوں ہے زیادہ ہے بیاں سے
ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم	۵	اس امر میں سب خلق پہ زہرا کو ہے تقدیم
لکھا ہے کہ جب آتی تھیں زہرا پئے تسلیم		خود اٹھ کے رسول عربی کرتے تھے تعظیم
الطاف محمد ہو یہ جس باب کرم پر		دروازہ گرا دیں اسی بی بی کے شکم پر
کیا حضرت خاتون قیامت کا ہے رتبا	۶	وہ زاہدہ ہے فخر محمد کو ہے جس کا
کھاتی ہیں محمد کی قسم حضرت زہرا		ہے دامن پاک اس کا محمد کا مصلا
وہ روح سے طاہر ہے تو پاکیزہ ہے جاں سے		کوثر سے وضو کر لے تو لے نام زباں سے
ہے اس کی ردا ابر کرم آیۂ رحمت	۷	ہر تار ہے سر رشتۂ ایمان و شریعت
جو گوشہ ہے اس کا وہ ہے اک گوشۂ جنت		سب اس پہ نظر دوختہ ہیں بہر شفاعت
وہ حشر میں مومن کو بچا لے گی تعب سے		ہو جائے گی طے راہ صراط اس کے سبب سے
اس چادر انور کی بزرگی میں کہوں کیا	۸	اک روز ہوا قاسم روزی پہ جو فاقا
تب پاس یہودی کے اسے رہن کو بھیجا		جَو دیکے تو اس نے رکھی چادر زہرا
گھر ہو گیا پُر نور تو حیراں ہوئے کافر		اتی بس اسی وقت مسلماں ہوئے کافر
آفاق میں زہرا کا نہیں ہے کوئی ہمسر	۹	زوجہ اسد اللہ کی اور بنت پیمبر
حوا کا شرف نور خدا عرش کا زیور		قرآں میں جسے یاد کرے خالق اکبر
ثانی کوئی زہرا کا ہوگا نہ ہوا ہے		ہاں حضرت زینب کو جو کہیے تو بجا ہے

۱۰ اُن کی بھی وہ عزت ہے جو زہراؑ کی ہے توقیر
سارکا دہی سیرت وہی صورت وہی تقریر
لختِ جگرِ شیرِ خدا صاحبِ تطہیر
مخدومۂ عالم شہِ کونین کی ہمشیر
ممتاز کیا حق نے نواسی کو نبیؐ کی
عصمت بھی جو زہراؑ کی تو شوکت تھی علیؑ کی

۱۱ فاقوں میں شکایت کبھی لب تلک آئی
سو شکر کیے نانِ جویں ایک جو کھائی
تھی آسیہؑ کا فخر یداللہ کی جائی
فضہ کے عوض کرتی تھی خود آسیہ سائی
جو پاس ہوا صرف کیا راہِ خدا میں
زہراؑ کی طرح ہوتے تھے پیوند ردا میں

۱۲ بابا ہے یداللہ تو نانا شہِ لولاک
جن کے لیے پیدا کیے اللہ نے افلاک
مادر کا شرف جانتے ہیں صاحبِ ادراک
اس رشتے میں ہیں حضرت زینبؑ گہرِ پاک
ذی رتبہ خدیجہؑ ہوئیں زہراؑ کی طرف سے
ہر طرح فضیلت ہے انھیں ماں کی طرف سے

۱۳ اک صبح سرِ بام پس از طاعتِ داور
امت کی دعا مانگتی تھیں کھولے ہوئے سر
جب تک کہ نہ چہرے پہ لیا گوشۂ چادر
خورشیدِ فلک شرم سے نکلا نہ فلک پر
اعدا نے جو تاراج کیا گھر کو نبیؐ کے
سر ننگے پھریں بعد حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۴ ماں باپ نے جو رنج و الم خلق میں پائے
سب زینبؑ غمدیدہ کے حصے میں وہ آئے
فاقے بھی کیے میوۂ فردوس بھی کھائے
عزت بھی ملی اور مصائب بھی اٹھائے
ملتا تھا چلن فاتحِ خیبر کے چلن سے
بولی نہیں باندھے گئے بازو جو رسن سے

۱۵ جب خلق سے وقتِ سفرِ فاطمہؑ آیا
تب زینبؑ دلگیر کو پاس اپنے بلایا
روئیں بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سنایا
اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار
محبوبِ الٰہی کی امانت سے خبردار

۱۶ بیٹی اسے زہراؑ نے بڑے دکھ سے ہے پالا
ہے روح مرے جسم کی یہ گیسوؤں والا
سمجھی اسے آنکھوں کا ضیا گھر کا اُجالا
حجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
سوتی ہوں تو پہلے اسے سوئی میں سلا کر
جاگی بھی جو میں ہے تو گودی میں لٹا کر

۱۷ یہ خیر سے جس سال لگے گھٹنیوں سے چلنے
میں چھوٹے سے تلووں سے لگی آنکھوں کو ملنے
جب نامِ خدا پہ لگے اٹھ اٹھ کے سنبھلنے
دی طاقتِ رفتار بھی خلاقِ ازل نے
ہر گام پہ سایہ کی طرح پیچھے پھری ہوں
ٹھوکر کبھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

۱۸ شانے سے کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا گر بال
کرتی تھی پریشانیِ خاطر مجھے بے حال
اک دن خطِ ہیکل سے جو گردن ہوئی تھی لال
رخ زرد تھا تر ہو گیا تھا اشکوں سے رومال
کرتے کا گریباں جو ذرا تنگ ہوا تھا
دم گھٹنے سے مرا یا دل ہے کیا تنگ ہوا تھا

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانہ	۱۹	شبیرؑ کو میرے نظرِ بد سے بچانا
تکلیف بھی سہ لیجیو ایذا بھی اٹھانا		صدقے گئی مادر کی وصیت نہ بھلانا
ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ		جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ
زہراؑ نے جو ارشاد کیا تھا دمِ رحلت	۲۰	بھولی نہ کسی وقت وہ مادر کی وصیت
دن رات یہاں تک رہی سرگرمِ اطاعت		شاہِ شہدا بھول گئے ماں کی محبت
شفقت سے نظر کرتے تھے ہر آن بہن پر		وہ اِن پہ تصدق تھی یہ قربان بہن پر
تھیں بھائی کے آرام کی ہر وقت طلبگار	۲۱	سوتے تھے جو شبیرؑ تو رہتی تھی یہ بیدار
جانے کا کہیں قصد جو کرتے شہِ ابرار		رکھ دیتی تھی خود جھاڑ کے نعلین وہ غمخوار
شہ کہتے تھے شکر سے مرا دل کرتی ہو بہنا		کیوں بھائی کو ہر بار خجل کرتی ہو بہنا
کہتی تھی یہ زینبؑ کہ مرا فخر ہے بھائی	۲۲	کیا ہو گیا بہنا نے جو نعلین اٹھائی
عزت (انھیں) قدموں کی بدولت تو ہے پائی		چھوٹی ہوں میں گو ہوں اسداللہ کی جائی
تم سر پہ بہن کے شہِ مرداں کی جگہ ہو		فرماتے تھے شبیرؑ کہ تم ماں کی جگہ ہو
مشہور ہے شیدائے برادر وہ خوش اوقات	۲۳	بے مرضیِ شبیرؑ نہ کرتی تھی کوئی بات
فرزندوں پہ طفلی سے یہ تاکید تھی دن رات		ماموں کی غلامی میں ہو جوڑے ہوے ہات
صدقے گئی خادم ہیں ملک سبطِ نبیؐ کے		تم یہ نہ سمجھو کہ نواسے ہیں علیؑ کے
محبوبِ الٰہی سے برابر انھیں سمجھو	۲۴	ہم مرتبۂ حیدرِ صفدر انھیں سمجھو
صدقے گئی سب خلق سے بہتر انھیں سمجھو		آقا انھیں مالک انھیں سرور انھیں سمجھو
فرزندوں کو ماں باپ سے کیا ملتا ہے پیارو		ایسوں ہی کے ملنے سے خدا ملتا ہے پیارو
سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے	۲۵	نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے
رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے		خادم کی طرح ہاتھ دھلانے میں شرف ہے
تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر		آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر
آقا ہے حقیقت میں خداوندِ مجازی	۲۶	پڑتا ہے برا وقت تو سر دیتے ہیں غازی
کر سکتے ہیں کیا دشمنِ سلطانِ حجازی		جو مرد ہیں غیروں سے وہ لیجاتے ہیں بازی
کس جنگ میں تلوار چمکتی نہیں ان کی		لاکھوں سے کبھی آنکھ جھپکتی نہیں ان کی
نامرد برے وقت میں ٹل جاتے ہیں پہلے	۲۷	ہتھیار دلیروں ہی کے چل جاتے ہیں پہلے
لڑنے کو پرے سے وہ نکل جاتے ہیں پہلے		آنچ آتی ہے آقا پہ تو جل جاتے ہیں پہلے
سینوں کو سپر کرتے ہیں تلوار کے آگے		پیچھے تو وہ ہوتا ہے یہ سردار کے آگے

۲۸
بجلی کی چمک گرد تھی تیغوں کی چمک سے
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں کی پلک سے
لڑکا ہوا میداں میں کمانوں کی کڑک سے
تیر آتے تھے جوں تیر شہاب آئے فلک سے
اک دل ہوئے سب قتل شہ تشنہ دہن پر
حملہ کیا دو لاکھ نے ہفتاد و دو تن پر

۲۹
یاں سے بھی نکلنے لگے مرد ان ذوی القدر
واں ایک پہ گرتے تھے ہزار آکے یہ تھا غدر
دکھلا دیا انداز دغاے احد و بدر
شمشیر و سناں سے ہوئے مجروح سر و صدر
حملے کیے شیروں کی طرح برچھیاں کھا کر
گر گر پڑے گھوڑوں سے ہزاروں کو گرا کر

۳۰
مارے گئے مولا کے جو انصار و موالی
تب حضرت مسلم کے یتیموں نے رضا لی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرور عالی
اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہل ستم میں
برپا تھا تلاطم حرم شاہ امم میں

۳۱
بیتابی سے تھا حضرت زینبؑ کا عجب حال
تسبیح تو تھی ہاتھ میں بکھرا دیے تھے بال
رعشہ تھا تن زار میں خورشید کی تمثال
حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہؑ کا لال
لب خشک تھے رخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
چادر سر اطہر کی لٹکتی تھی زمیں پر

۳۲
پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتی ہوئی نالے
در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے
کہتی تھی کہ یارب مرے بھائی کو بچا لے
زینبؑ پہ ستم ہو شہ دلگیر کے بدلے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیرؑ کے بدلے

۳۳
اتنے میں خبر آکے جو فضہ نے سنائی
لو ہوتی ہے مسلم کے یتیموں سے جدائی
یہ سنتے ہی زردی سی رخ پاک پہ چھائی
فرمایا نصیحت مرے بچوں نے بھلائی
میں سمجھی تھی اعدا سے دغا کرتے ہیں دونوں
کس شغل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں

۳۴
ماموں پہ یہ آفت ہے اور ان کو نہیں کچھ دھیان
اب صدقے نہ ہوویں گے تو کب ہوویں گے قرباں
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میداں
ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں ناداں
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے

۳۵
وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر
ہو جائیں گے ہم پہلے نثار سر شبیرؑ
اب کیا ہے جو مر جانے میں وہ کرتے ہیں تاخیر
شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر ذبح ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

۳۶
اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں
مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

۳۷
یہ کہتی تھی جو شور ہوا فوج میں اک بار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضہ جگر افگار
ٹکڑے ہوئے تلواروں سے مسلم کے بھی دلدار
روتے ہیں بھتیجوں کے لیے سید ابرار
سب خورد و کلاں فوج کے نرغے میں گھرے ہیں
رخصت کے لیے ماموں کے قدموں پہ گرے ہیں

۳۸
فرماتے ہیں شبیرؑ کہ خیمے میں تو جاؤ
یہ داغ بھی سہہ لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ
قدموں سے اٹھو سر مری چھاتی سے لگاؤ
منظور جدائی ہے تو مادر سے مل آؤ
وہ کہتے ہیں منہ اُن کو دکھانے کے نہیں ہم
اماں ہیں خفا خیمہ میں جانے کے نہیں ہم

۳۹
یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینبؑ ذیجاہ
امید بر آئی مری المنۃ للہ
فرمایا مبارک ہو سدھاریں سوئے جنگاہ
لو صاحبو اب مرنے کو جاتے ہیں مرے ماہ
رخصت ہی نہ ملتی تھی تامل یہ فقط تھا
سمجھی تھی جو کچھ میں وہ گماں میرا غلط تھا

۴۰
دو تو نہیں سر ماموں کے قدموں سے اٹھاتے
ملتی جو اجازت تو گلے پہلے کٹاتے
ہیں آخری وقت اور مجھے پیار دلاتے
کیا صاحب غیرت ہیں کہ مجھ تک نہیں آتے
ڈر ہے کہ بھتیجوں کے لیے روئیں گی اماں
ہم جائیں گے زندہ تو خفا ہوئیں گی اماں

۴۱
بانو نے کہا پھر انھیں چھاتی سے لگاؤ
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا خیر بلاؤ
ہے رحم کی جا رحم اب ان پیاسوں پہ کھاؤ
کہدے کوئی بے ماں سے ملے رن کو نہ جاؤ
تم سے ابھی کچھ کام ہے سن لو گے تو جانا
کچھ نانی کا پیغام ہے سن لو گے تو جانا

۴۲
فضہ نے بلایا تو وہ میدان سے آئے
چھاتی سے لگانے کے لیے ہاتھ بڑھائے
دیکھا انھیں ماں نے کہ سروں کو ہیں جھکائے
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں ناچار تھے اماں

۴۳
فرزندوں کے اس عجز پہ رقت کا ہوا جوش
لپٹا لیا چھاتی سے انھیں کھول کر آغوش
چھاتی امنڈ آئی تھی مگر رہ گئی خاموش
فرمایا میں آزردہ نہیں کھوئے ہو کیوں ہوش
جی بھر کے نہ دیکھا تھا سو دیکھا انھیں میں نے
پیاسے ہو تو لو دودھ بھی بخشا تمھیں میں نے

۴۴
مرنے کو چلے جان نہ کی ماموں سے پیاری
تھی آگے تو ماں آج سے لونڈی ہوں تمھاری
آؤ مجھے قربان تو ہو لینے دو واری
مادر سے وہ کہنے لگے با گریہ و زاری
افراط محبت سے یہ گفتار نہ کیجے
ناچیز غلاموں کو گنہگار نہ کیجیے

۴۵
جھک جھک کے بجا لائے جو وہ آخری آداب
دروازے تلک ساتھ گئی مضطر و بیتاب
اس وقت تو زینبؑ کی بھی آنکھیں ہوئیں پر آب
گھوڑوں پہ چڑھے دونوں سجے جنگ کے اسباب
چلائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
بولے وہ دلاور کہ خدا حافظ و ناصر

۴۶ جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے
شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے
ایمان سوئے کفر بتاتے ہوئے آئے
لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
تکتے تھے صف فوج کو شیروں کی نظر سے

۴۷ دو شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو رولے
کیا منہ تھا جو دم مارے کوئی یا کوئی بولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے
سدھ تھی نہ کسی کو جو سپر پشت سے کھولے
غالب ہوا رعب اُنکا ہر اک تیغ بکف پر
جس صف پہ گرے یہ وہ گری دوسری صف پر

۴۸ غل تھا کہ خوشا حسن زہے دبدبہ و جاہ
لڑکے ہیں کہ دو شیر ہیں العظمۃ للہ
اک مہر ہے افلاک شرافت کا تو اک ماہ
دیکھے انھیں یعقوبؑ تو یوسفؑ کی نہو چاہ
کیا نور ہے گرتے ہیں جو رخ اشک نگیں پر
دو صاعقے گر پڑتے ہیں اک بار زمیں پر

۴۹ ان ابروؤں پر دیکھو یہ پیشانیوں کی ضو
دو بدر نظر آتے ہیں اور چار مہ نو
تشبیہ کی خاطر میں خیال آتے ہیں سو سو
یہ برق تجلی ہے کہ رخساروں کا پرتو
کیونکر نہ زمیں فخر کرے عرش بریں پر
ذرے نہیں چمکے یہ ستارے ہیں زمیں پر

۵۰ بوٹا سا تو قد پھول سے منہ چاند سے رخسار
پیچیدہ ہیں سنبل کی طرح گیسوئے خمدار
نرگس انھیں آنکھوں کے تصور میں ہے بیمار
دونوں میں بھرا فاعتبروا یا اولی الابصار
مردم ہیں سیہ پوش یہ سامان عزا ہے
آنکھوں سے نظر آئے نہ ماں کو تو بجا ہے

۵۱ ہیں حسن و لطافت کے سراپا میں قرینے
گویا ہیں یہ لب خاتم قدرت کے نگینے
پتلی کمریں گل سے بدن چاند سے سینے
اس طرح کے سینے کبھی دیکھے ہیں کسی نے
آئینے کو نسبت ہے ضیا میں نہ صفا میں
مہتاب سے روشن ہیں گریبان قبا میں

۵۲ بولا کوئی سینوں کو نہ رخساروں کو دیکھو
حسن ایک طرف دونوں کے ہتھیاروں کو دیکھو
چھوٹی سی سپریں چھوٹی سی تلواروں کو دیکھو
نظروں سے یہ چھپے جاتے ہیں رہواروں کو دیکھو
گھوڑے ہیں بظاہر یہ خدا جانے یہ کیا ہیں
طاؤس ہیں بجلی ہیں چھلاوہ ہیں ہوا ہیں

۵۳ لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ جانباز پکارے
لڑنا ہو جسے سامنے آجائے ہمارے
ہم وہ ہیں کہ جب ہوتے ہیں میدان میں اتارے
رستم کو بھگا دیتے ہیں تلواروں کے مارے
ہے قہر خدا اے دو جہاں ضرب ہماری
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری

۵۴ توڑا ہے جنھوں نے در خیبر وہ ہمیں ہیں
مشہور جو ہیں قاتل عنتر وہ ہمیں ہیں
جو سارے شجاعوں پر ہے ور وہ ہمیں ہیں
ارثی جنھیں شمشیر دو پیکر وہ ہمیں ہیں
ہر وقت ہے ثابت قدمی ساتھ ہمارے
چھوٹے نہیں قبضوں سے کبھی ہاتھ ہمارے

۵۵
جنگِ احد و بدر کو کس طرح کیا سر
خندق کی لڑائی میں چڑھا کوئی نہ منہ پر
دم میں حرمِ کعبہ سے بت کر دیے باہر
صفین میں لشکر کی صفیں ہو گئیں بے سر
ہم صور ہیں میکال و اسرافیل سے پوچھو
ان ہاتھوں میں کیا زور ہے جبریلؑ سے پوچھو

۵۶
عاجز نہیں گو ہے تعب تشنہ دہانی
للکاریں تو ہو جائے جگر شیر کا پانی
دنیا میں کوئی آج ہمارا نہیں ثانی
ہیں فضل الٰہی سے ہمیں دین کے بانی
معبود کی طاعت کا سرانجام نہ ہوتا
ہم ہوتے نہ دنیا میں تو اسلام نہ ہوتا

۵۷
دادا میں جو قوت تھی وہ طاقت بھی ہے ہم میں
ہے زور بھی نانا کا شجاعت بھی ہے ہم میں
وہ دبدبہ وہ شان وہ شوکت بھی ہے ہم میں
اور ماموں کی مظلومی و غربت بھی ہے ہم میں
چھوٹے ہیں حقیقت میں پہ حاصل ہے برابر
رتبے میں تو قرآن و حمائل ہے برابر

۵۸
خیبر سا جو دروازہ کوئی ہو تو اکھاڑیں
مرحب سا جواں سامنے آوے تو پچھاڑیں
جوں نقشِ خطا ہستی اعدا کو بگاڑیں
در آئیں اگر کوہ میں ان نیزوں کو گاڑیں
پھر دھیان میں لاتے نہیں لشکر کو کسی کے
ہم اور نہیں کوئی نواسے ہیں علیؑ کے

۵۹
سن کر یہ رجز دونوں نے جولاں کیے گھوڑے
چلے ہیں ادھر تیر کمانداروں نے جوڑے
غل تھا کہ خبردار کوئی منہ کو نہ موڑے
تم دونوں بہادر ہو تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یاں مار کے تلواریں گرا دیتے ہیں تم کو
یا نیزوں کی نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں تم کو

۶۰
یہ سن کے صفیں بڑھنے لگی دشت بلا سے
لہرائے نشانوں کے پھریرے بھی ہوا سے
دل ہل گئے نقارۂ رزمی کی صدا سے
لشکر میں در آئے شہ مرداں کے نواسے
نعروں کا دلیروں کے گیا شور فلک پر
تیغوں کی چمک پھیلی تھی بجلی کی چمک پر

۶۱
اسوار چلے جاتے تھے نیزوں کو سنبھالے
تھا شور کہ رکھ دیتے ہیں یہ سینوں پہ بھالے
ہٹ ہٹ کے بڑھاتے تھے قدم برچھیوں والے
پر رکتے نہ تھے شاہ کی آغوش کے پالے
دو دن کے تھے پیاسے یہ غضب لڑتے تھے دونو
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے دونوں

۶۲
بجلی سے کبھی یاں تو کبھی واں نظر آئے
غارت کیا اس صف کو تو اس غول پہ آئے
جب پیچھے سواروں کے بالائے سر آئے
سر تک نہ گر آئے کہ وہ تا کمر آئے
پاس آ نہ سکے اُن کی کمک کرنے کو جو تھے
جلدی میں کرے جو کھنچا ہاتھ تو دو تھے

۶۳
وہ چھوٹی سی تیغیں تھیں کہ تھا قہرِ الٰہی
آفت تھی پیادوں پہ سواروں پہ تباہی
بھاگے چلے جاتے تھے نمودار سپاہی
پرزے تھے زرہ پوشوں کے تن صورتِ ماہی
الٹ کر تنِ کفار سے سر دور ہوئے تھے
چار آئینے شیشوں کی طرح چور ہوئے تھے

۶۴
بھاگڑ تھی سواروں میں پسے جاتے تھے پیدل
تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا ڈھالوں کا بادل
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہل چل
دونی تھی ہر اک حملے میں رہواروں کی چل بل
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے توسن
ہر غول پہ پرکار سے پھر جاتے تھے دونوں

۶۵
تلواروں سے پرزے تھیں سیہ کاروں کی ڈھالیں
سب کہتے کہ خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
ناگن کی طرح ڈستی ہیں ان نیزوں کی بھالیں
فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں
بھاگیں تو کسی گوشے میں جانا نہیں ملتا
سوفاروں سے چلّوں کو ملانا نہیں ملتا

۶۶
ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے تھے ہتھیار
دہنے میں تو لیتے تھے سپر بائیں میں تلوار
لشکر میں جو تھے شہرۂ آفاق کماندار
خود بنتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطاکار
رعشہ تھا سراپا کو تو لغزش تھی نظر کو
پیکاں تو ادھر رکھتے تھے سوفار ادھر کو

۶۷
جب آن پڑی برچھیوں والوں سے لڑائی
چھوٹے نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
تنہا میں دکھاؤں انھیں ہاتھوں کی صفائی
یہ کہتے ہی رہوار کی باگ اس نے اٹھائی
کثرت سپہِ شام کی کم کرکے پھر آیا
اک حملے میں نیزوں کو قلم کرکے پھر آیا

۶۸
دم لیتا تھا جب ایک ہزاروں کو بھگا کر
تب دوسرا گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
پھر آتا تھا جب وہ انھیں دریا سے ہٹا کر
جاتا تھا پیادوں پہ یہ گھوڑے کو اٹھا کر
اسواروں سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
کیا لڑتے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی

۶۹
عباسؑ صدا دیتے تھے ہاں اے مرے شیرو
قابو سے نکل جانے نہ دو پھر انھیں گھیرو
لڑتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو
سر کر دو لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو
اس جنگ کی خیمے میں بڑی دھوم پڑی ہے
ماں ڈیوڑھی پہ چھاتی سے لگانے کو کھڑی ہے

۷۰
عباسؑ علمدار تو کرتے تھے یہ تقریر
روتے تھے کلیجے کو سنبھالے ہوئے شبیرؑ
فرماتے تھے کچھ مجھکو بن آتی نہیں تدبیر
میداں سے بلا لوں تو خفا ہوئیں گی ہمشیر
کیا صاحبِ شمشیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے
پالے ہوئے دو شیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

۷۱
ہمشکلِ پیمبرؐ انھیں تم پھیر کے لاؤ
قاسمؑ مرے پیاروں کی مدد کرنے کو جاؤ
عباسِؑ علیؑ عونؑ و محمدؑ کو بلاؤ
کہدو کہ برا حال ہے ماموں کا اب آؤ
سایہ ہیں علم کے مرے پاس آن کے دم لو
پھر جائیو لڑنے تمھیں روکوں تو قسم لو

۷۲
تھے مضطر و بیتاب ادھر حضرت شبیرؑ
اور بیبیاں دروازوں پہ تھیں مضطر و دلگیر
سر کھولے تھی قبلہ کی طرف شاہ کی ہمشیر
ہاتھ اپنا دھرے ہاتھ پہ کرتی تھی یہ تقریر
بابا سے ابھی اصغرؑ و اکبرؑ نہ جدا ہوں
یارب مرے بچے مرے بھائی پہ فدا ہوں

۷۳
سن چھوٹے ہیں فاقے سے ہیں اور تشنہ دہن ہیں
پابند مصیبت ہیں گرفتار محن ہیں
بچھڑے ہوئے ہیں باپ سے آوارہ وطن ہیں
بندے ہیں ترے فدیۂ سلطان زمن ہیں
اس کی نہیں طالب کہ دولت مری رہ جائے
عزت سے یہ مر جائیں تو عزت مری رہ جائے

۷۴
سب بیبیاں کہتی تھیں یہ کیا کرتی ہو ارشاد
دشمن کو بھی خالق نہ دکھائے غم اولاد
دنیا میں سدا کوکھ تمھاری رہے آباد
برباد ہوں ہاتھوں سے انھیں کے ستم ایجاد
ہو فتح کا غل شاہ امام دو جہاں ہوں
وہ دونوں پسر ماں کے سایے میں جواں ہوں

۷۵
وہ دن ہو کہ ان دونوں کے تم بیاہ رچاؤ
سہرا کے انھیں خلعت شاہانہ پنہاؤ
گرد ان کے پھرو آنکھوں سے سہرے کو لگاؤ
دو چاند سی گھر میں دلھنیں بیاہ کے لاؤ
وہ کتنی تھی قسمت میں تو بربادی ہے لوگو
ماں تو یہ دو صدقے ہوں یہی شادی ہے لوگو

۷۶
میں شاد ہوں بیٹوں نے نکالے مرے ارمان
ازبسکہ چلے حق نے چڑھایا انھیں پروان
چہروں پہ ہے شملوں کے کٹے پیچ کی کیا شان
ان چہروں کے صدقے میں اور ان شیروں کے قربان
جاگے ہوئے ہیں شب کے گرے پڑتے ہیں دونوں
سیدانیو رو دو سے جنے لڑتے ہیں دونوں

۷۷
تلواروں سے مجروح ہوں یا برچھیاں کھائیں
ممکن نہیں جیتے جو وہ میدان سے آئیں
اس دم مرا دل دیتا ہے دونوں کو دعائیں
لے آئے کوئی چھوٹے سے ہاتھوں کی بلائیں
ڈیوڑھی سے صدا اپنی سنا سکتی نہیں ہیں
چاہیں کہ بلا لوں سو بلا سکتی نہیں ہیں

۷۸
یہ ذکر تھا جو شور اٹھا دشت وغا سے
لو قتل ہوئے شبیر الٰہی کے نواسے
کیا چھاتیوں پر برچھیاں ماری ہیں دغا سے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو روز کے پیاسے
دیکھے انھیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے
چھوٹی سی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

۷۹
ان شیروں نے لشکر کے نموداروں کو مارا
کیسا کیا ابن سعد کے خونخواروں کو مارا
پامال پیادے کیے اسواروں کو مارا
ساونتوں کو پسپا کیا جرّاروں کو مارا
آتے تھے حمایت کو حسینؑ ابن علیؑ کی
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے بڑی تیغ زنی کی

۸۰
ہاں اسلحے کو دونوں کے اے لوٹنے والو
یہ تیغ ان دونوں کے قبضوں سے چھڑا لو
پٹکوں کی گرہ کاٹ کے ہتھیار نکالو
ان چھوٹے سے شملوں کو سرہانے سے اٹھا لو
اب کھینچے ہوئے تیغ دو دم آئیں گے شبیرؑ
سر پیٹیے ان لاشوں کو لے جائیں گے شبیرؑ

۸۱
یہ سنتے ہی جانے کو شبیرؑ پکارے
دوڑو کہ مرے بھانجے دنیا سے سدھارے
زینبؑ نے کہا شور ہے دریا کے کنارے
لو گو مرے فرزندوں نے سر راہ خدا وارے
الطاف و کرم دونوں یہ فرماتے ہیں شبیرؑ
لاشوں کو اٹھانے کے لیے جاتے ہیں شبیرؑ

۸۲ اے بیبیو کیوں بیٹھی ہو خیمے میں تو جاؤ
دولھا ہیں در مسندیں جلدی سے بچھاؤ
میداں سے برات آتی ہے آنسو نہ بہاؤ
ڈیوڑھی پہ جو آئی ہو سواری تو بلاؤ
باجوں کا یہ غل ہے کہ سنائی نہیں دیتا
مجھکو تو کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا

۸۳ فضہ گئی اور پلٹتی میدان سے آئی
حیدرؑ کے نواسوں نے تو جان اپنی گنوائی
رو کر یہ خبر زینبؑ بیکس کو سنائی
اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی
باندھیں ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
معصوموں کے مردے بھی اٹھانے نہیں دیتے

۸۴ شبیرؑ بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں
ہمشکل نبیؐ لڑنے کو تیار کھڑے ہیں
بپھرے ہوئے عباسؑ علمدار کھڑے ہیں
قاسمؑ بھی سنبھالے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہیں جس طرح سے دو گے ابھی لیں گے
وہ کہتے ہیں سر دیں گے پہ لاشوں کو نہ دیں گے

۸۵ یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار
چلائی بہن صدقے ہو یا سید ابرار
در پر گئی تھراتی ہوئی زینبؑ ناچار
پھر آؤ مجھے بیٹوں کی لاشیں نہیں درکار
زخمی ہوئے گر آپ تو مر جاؤں گی بھائی
سر پیٹتی خیموں سے نکل آؤں گی بھائی

۸۶ تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں آؤ
صدقے کیے بیٹے مجھے تم شکل دکھاؤ
لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے نہ اٹھاؤ
میداں سے بھتیجوں کو مرے پھیر کے لاؤ
کس واسطے حضرت چلے آتے نہیں گھر میں
جو دیتے ہیں صدقہ اسے لاتے نہیں گھر میں

۸۷ معلوم ہوا مارے گئے برچھیاں کھا کر
میں ان کو نہ رکھ چھوڑتی چھاتی سے لگا کر
جیتے نہیں جو ماں سے لپٹ جائیں گے آ کر
آتے بھی مرے پاس تو سوتے وہیں جا کر
خوں میں انھیں سرشار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
گر آخری دیدار نہ دیکھا تو نہ دیکھا

۸۸ میں بیٹوں کے دیدار کی طالب نہیں زنہار
تم چار جواں اور اُدھر لاکھ ستمگار
صدقے کروں حضرت پہ جو سو ایسے ہوں دلدار
ہمشکل پیمبرؐ سے کہو کھینچیں نہ تلوار
منہ سے کہیں بانو کے خجالت نہ ہو مجکو
خاتونِ قیامت سے ندامت نہ ہو مجکو

۸۹ چلا کے یہ بانوؑ علی اکبرؑ کو پکاری
جی بھر کے جو کرنے کی نہیں گریہ وزاری
بے لاشے لیے رن سے نہ تم آئیو واری
مرجائیں گی صدمے سے پھوپی جان تمہاری
پامال ہوں لاشے یہ گوارا انھیں کب ہے
ماں بیٹوں کا دیدار نہ دیکھے تو غضب ہے

۹۰ تھا ماں کے جو رونے سے کلیجہ تہ و بالا
آنکھوں سے بہے اشک مگر دل کو سنبھالا
منہ پردے سے گھبرا کے سکینہؑ نے نکالا
بولی کہ لیے آتے ہیں لاشے شہ والا
اک لاش کو وہ آپ بصد یاس لیے ہیں
اک لاش کو آغوش میں عباسؑ لیے ہیں

۹۱
زینبؑ کو لیئے بی بیاں گھر میں گئیں باہم
سر کھولدیئے سب نے بچھا کر صفِ ماتم
داخل ہوئے لاشوں کو لیئے سرورِ عالمؑ
غل پڑ گیا حیدرؑ کے نواسے ہوئے بیدم
حیران تھی کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی زینبؑ
سب روتے تھے ایک ایک کا منھ تکتی تھی زینبؑ

۹۲
کہتی تھی کبھی ہنس کے یہ کیسی ہے یہ فریاد
تم سب کو ہے کس بات کا غم میں تو ہوئی شاد
اکبرؑ جیسے اصغرؑ جیسے جیتا رہے سجاد
گھر میں نہوئی تو نہ ہوئی اک مری اولاد
سب مل کے عبث ہوش مرے کھوتے ہو لوگو
بھائی تو پھرے خیر سے کیوں روتے ہو لوگو

۹۳
سر کھولے ہیں کیوں سب نے مجھے آتا ہے وسواس
ہے ہے نہ کرو بھائی کو آنے دو مرے پاس
اکبرؑ سا پسر جیتا ہے میں تو نہیں بے آس
قاسمؑ تو سلامت ہے جو بیٹوں سے ہوئی یاس
منھ ڈھانپتے ہو کیوں یہ کوئی رونیکی جا ہے
ماموں پہ وہ صدقے ہوئے خوش ہونیکی جا ہے

۹۴
کہنے کو کہا یہ کہ آنسو نکل آئے
سب بیبیوں نے پیٹ کے سر اشک بہائے
لاشے وہیں لا کر شہِ بیکس نے لٹائے
زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکائے
تعظیم کو اٹھتے ہوئے گرنے لگی زینبؑ
گردِ پسرِ فاطمہؑ پھرنے لگی زینبؑ

۹۵
رونے لگے زینبؑ سے لپٹ کر شہِ دلگیر
فرمایا کہ میں تجھ پہ فدا اے مری ہمشیر
لاشوں کو کرو پیار جو ہے خاطرِ شبیرؑ
اکدم میں چلے جائیں گے یہ کشتۂ شمشیر
اِن لاشوں کو لو گود میں اپنی کہ ہو ماں تم
پھر بیٹوں کا دیدار کہاں اور کہاں تم

۹۶
بس آگے نہ دے طول انیسؔ جگر افگار
بیتاب ہے دل سینے میں اور چشم ہے خونبار
اس مرثیہ کا دینگے صلہ احمدِ مختارؐ
محروم رہے کوئی وہ ایسی نہیں سرکار
غم کھا نہ ترے قدر شناس ابنِ علیؑ ہیں
فیاض دو عالم ہیں سخی ابنِ سخی ہیں

سلام

۱ مجرائی صدقے ہوں اس درگاہ پر / فوق ہے جس کے گدا کو شاہ پر
۲ خاصگانِ کبریا ہیں پنجتنؑ / ہے انھیں بندوں کا حق اللہ پر
۳ مدتوں حرِ جری بھٹکا پھرا / مل گئی جنت جب آیا راہ پر
۴ بخشش و ہمت عطاؤ عدل و داد / ختم ہے آلِ رسول اللہؐ پر
۵ چہرۂ اکبرؑ کی کیا تشبیہ دوں / جھائیاں ہیں صاف روئے ماہ پر
قطعہ لاشۂ بے سر پڑا تھا قبلہ رو / دھوپ تھی خیر النساءؑ کے ماہ پر

طائرانِ کربلا و نینوا ۷ سایۂ شہپر سے کیے تھے شاہ پر
جب بندھا سہرا تو قاسمؑ نے کہا ۸ موت ہنستی ہے ہمارے بیاہ پر

قطعہ

جب چلے شہ بہرِ استقبالِ حر ۹ غل تھا صدقے سیدِ ذی جاہ پر
حر نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین ۱۰ سر کو رکھ دے جھک کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک نہیں آتا کبھی ۱۱ دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر
دھوپ میں روکی جو حضرت نے سپر ۱۲ آگیا بدلی کا ٹکڑا ماہ پر

قطعہ

شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہاں ۱۳ لوگ کیوں مرتے ہیں حبِ جاہ پر
مال ہے کیا گر کوئی مانگے تو ہم ۱۴ جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر
پیاس فاقے بیکسی ایذائے قید ۱۵ ظلم تھے آلِ رسولؐ اللہ پر

قطعہ

جب سرِ بیرالعلم آئے علیؑ ۱۶ طعنہ زن تھا روئے روشن ماہ پر
کہتی تھیں پریاں سلیماںؑ کی قسم ۱۷ حضرتِ یوسفؑ کھڑے ہیں چاہ پر
اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیسؔ ۱۸ یاں توکل ہے سدا اللہ پر

رباعی

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہ سنجیٔ بلبل ہوں کھولے کبھی منھ جو زباں بند کروں

رباعی

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں مہکے گی یہ آپ اس کو جہاں بند کروں
ہیں نافہ کشائے سخن اس بزم کے لوگ دل ان کے کھلیں کب جو زباں بند کروں

رباعی

مضمونِ انیسؔ کا نہ چہرہ اترا اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشہ اترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اترا

مرثیہ ۱
غل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں
آفتابِ فلکِ فتح و ظفر آتے ہیں
شور ہے بحرِ شجاعت کے گہر آتے ہیں
لاکھ سے لڑنے کو دو تشنہ جگر آتے ہیں
آج خلعت ہمیں پہننا ہے سرافرازی کا
ہاں جوانو یہی ہنگام ہے جانبازی کا

۲ وقت غفلت نہیں اے غازیو ہشیار رہو
آمد آمد ہے دلیروں کی خبردار رہو
کھینچ لو تیغ کو خونریزی پہ تیار رہو
صف جمائے ہوئے آمادۂ پیکار رہو
کچھ کماندار تو کچھ برچھیوں والے جاویں
اور دریا پہ سواروں کے رسالے جاویں

۳ اے علمدار نشانوں کے پھریرے کھولو
برچھیاں ہاتھوں میں تم برچھیوں والو تولو
ہاں کماندار سواروں کے تم آگے ہو لو
سر کرو جنگ تو حاکم سے جو چاہو سو لو
غلغلہ روم تلک اس لشکرِ جرار کا ہے
امتحاں آج دلیرانِ نمودار کا ہے

۴ دیکھیں خوں پیاسوں کا کون آج بہا دیتا ہے
برچھیاں کون کلیجوں میں چبھا دیتا ہے
کون ہنگامِ وغا جان لڑا دیتا ہے
کون انھیں مار کے گھوڑوں سے گرا دیتا ہے
آج سر ہوتی ہے کس سے یہ لڑائی دیکھیں
لوٹتا کون ہے زینبؑ کی کمائی دیکھیں

۵ سنتے ہیں سن تو ہیں چھوٹے پہ نہایت ہیں جری
کس طرح ان سے بھلا ہوئیگا سر بر کوئی
کر چکے ہیں انھیں تعلیم دعا سبطِ نبیؐ
پوتے جعفرؑ کے ہیں یہ اور ہیں سبطینِ علیؑ
ان میں جوہر اسد اللہ کی شمشیر کا ہے
دونوں شیروں میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

۶ جرأت شیرِ خدا آج وہ دکھلا دیں گے
چاند سے سینوں پہ شمشیر و سناں کھاوینگے
برق دم تیغ ہر غول میں چمکا دیں گے
مار کے بہتوں کو میدان میں مر جاویں گے
اس پہ بھولو نہ کہ دو روز کے پیاسے ہیں وہ
خوف کی جا ہے کہ حیدرؑ کے نواسے ہیں وہ

۷ گو کہ کم سن ہیں مگر لاکھ پہ ور ہیں وہ دلیر
آگے جب فوج کو رکھ لیں گے بزور شمشیر
کیوں نہ ہوں صاحبِ شمشیر ہیں شیروں کے شیر
دم میں کر دیویں گے لشکر کے زبردستوں کو زیر
قوتِ دستِ علیؑ ہاتھوں سے گر لیونگے
ورقِ دفترِ عالم کو الٹ دیونگے

۸ ذکر یہ تھا کہ اٹھا اک تتق گرد و غبار
پڑ گیا غل کہ وہ آ پہونچے علیؑ کے دلدار
چاند سے عونؑ و محمدؑ نظر آئے اک بار
کبھی اس حسن کے انساں نہیں دیکھے زنہار
کیا اڑائے ہوئے رہوار چلے آتے ہیں
جعفرؑ و حیدرِ کرار چلے آتے ہیں

۹ واہ رے شوکت و اقبال زہے حشمت و جاہ
ایک ہے غیرتِ خورشید تو اک غیرتِ ماہ
کیا صفا چہرے پہ دونوں کے ہے سبحان اللہ
دیکھا جاتا نہیں چہروں کی طرف بھر کے نگاہ
غیرتِ یوسفؑ و رشکِ ملک و حور ہیں یہ
طور تو اسپِ فلک سیر ہیں اور نور ہیں یہ

۱۰ دیکھو پیشانیاں کس حسن سے ہیں جلوہ نما
روشنی میں ہیں کہیں ماہ دو ہفتہ سے سوا
صفحۂ مہر ہیں یا آئینۂ نور خدا
لوح محفوظ ہیں اور ان میں نہیں فرق ذرا
اہل ایماں کو تو ایماں کے برابر ہیں یہ
مصحف پاک بر لوح کے ہمسر ہیں یہ

۱۱ دیکھو دونوں کی پیشانی و ابرو پہ خیال
جن کے پرتو سے منور ہے یہ میدان قتال
صاف دو بدر نظر آتے ہیں اور چار ہلال
حیف ہے ایسے جو خورشید پہ آجائے زوال
پردۂ خاک میں جس وقت نہاں ہوئیں گے
کیا حسینؑ ابن علیؑ تڑپیں گے اور روئیں گے

۱۲ جلوہ گر قطرے عرق کے ہیں یہ پیشانیوں پر
قطرے شبنم کے ہیں گلبرگ پہ یا قوت تر
لوح الماس پہ یا نصب کیے ہیں یہ گوہر
ٹوٹ کر گرتے ہیں یا تھوں سے بیاں اختر
نہیں قطروں کا پسینے کے یہ جلوہ دیکھا
آج بالائے قمر عقد ثریا دیکھا

۱۳ زیر پیشانی جو ہیں ابرو خمدار عیاں
دل سے بسمل ہے جگر گوشۂ زہرا قرباں
ان کمانوں کی زہے قدر زہے شوکت و شاں
کیوں خمیدہ نہ ہو تیر قد شہ مثل کماں
اتنی سی عمر میں دنیا سے روانہ ہونگے
بخدا آج یہ تیروں کا نشانہ ہونگے

۱۴ ہے ہر اک موئے مژہ ناخن شہباز اجل
کہیں ہم نشتر سر تیز انھیں یا برچھی کے پھل
مرغ دل جن سے ہوئے جاتے ہیں زخمی ہر پل
کوئی تشبیہ نہیں ہے مگر ان سے افضل
بسکہ نور نظر زینبؑ دل گیر ہیں یہ
نگہ مردم بد بیں کے لیئے تیر ہیں یہ

۱۵ دونوں کے کانوں میں آتی ہے یہ زینبؑ کی صدا
تین دن سے نہیں پانی مرے بھائی کو ملا
اے مرے لاڈلو تم نے ہے مرا شیر پیا
اسلیئے تم سے کہے رکھتی ہوں بھیا بھیا
آب شمشیر سے پیاس اپنی بجھانا پیارو
طرف نہر نہ جانا پہ نہ جانا پیارو

۱٦ سحر عید جو عارض ہیں تو گیسو شب قدر
پوچھو شبیرؑ سے دونوں کے رخ پاک کی قدر
یا نمایاں ہوئے ہیں ابر کے ٹکڑے پس بدر
رہتے عارض یہ صدا بنت علیؑ کے سر صدر
آئینے سے کہیں شفاف یہ رخسارے ہیں
صفحۂ نور ہیں خورشید ہیں مہ پارے ہیں

۱۷ جلوہ گر صورت خورشید ہیں روئے روشن
اور صراحی سے گلو ہیں جو تہ سیب ذقن
غنچۂ گلشن فردوس ہیں یا دونوں کے دہن
ان گلوں میں بھی عجب طرح کی ہے صوت حسن
کبھی حوروں کے بھی ایسے نہ گلے ہونگے
پر کوئی دم میں یہ تیغوں کے تلے ہونگے

۱۸ صورت جعفر طیارؑ ہیں شانے تیار
دونوں کس شان سے شانوں پہ رکھے ہیں تلوار
نور کو جن کے نہ پہونچے ید بیضا زنہار
دیکھے جاتے ہیں رخ پھیر کے شانے ہر بار
تیر بیداد کے شانوں پہ نشانے ہوں گے
خنجر و تیغ سے صد چاک یہ شانے ہونگے

۱۹
تین دن گذرے کہ کھانا نہیں پہونچا ہے بہم
دیکھو زیرِ شکم ناف کا اُن کے عالم
سیر ہیں صبر و قناعت سے مگر اُن کے شکم
ہیں یہ گردابِ یمِ نصرت و اقبال و حشم
آئینے کو شکمِ صاف پہ صدقے کیجیے
نافۂ مشکِ ختن ناف پہ صدقے کیجیے

۲۰
قلمِ کاتبِ قدرت ہیں یہ دونوں کے قد
یا کہ ہیں سروِ گلستانِ رسولؐ امجد
راست ہیں جوں الفِ اولِ اللّٰہ احد
ان کو دیکھے تو ہو شمشاد کو قمری سے حسد
مرتبے کیوں نہ ہوں آفاق میں برتر اُن کے
رایتِ دینِ نبیؐ ہیں قدِ انور اُن کے

۲۱
دونوں کے حسن کی اک سمت کو تھی مدح و ثنا
واہ وا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اک طرف غل تھا کہ ہتھیاروں کو دیکھو تو ذرا
کس قدر ان کے سلاحِ عربی ہے زیبا
جیسے دونوں کے ہیں قد بوٹا سے چھوٹے چھوٹے
اسلحے بھی ہیں اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے

۲۲
نیمچے قبضوں میں وہ ہیں کہ نہیں جن کی پناہ
کاٹ ایسا ہے کہ ضرب اُن کی جو بیٹھے ناگاہ
سپرِ دشمن کے لئے ہیں ہمہ تن قہرِ الٰہ
کوہِ آہن ہو تو کٹ جائے مثالِ پرِ کاہ
فلکِ پیر انھیں تینوں کا تو ڈر رکھتا ہے
روز وہ رخ پہ مہ و خور کی سپر رکھتا ہے

۲۳
اتنے میں گھوڑے بڑھا کر یہ پکارے وہ دلیر
ہوئے دعویٰ جسے وہ میاں سے کھینچے شمشیر
ظالمو کرتے ہو کس واسطے اب جنگ میں دیر
گو ہزاروں ہوں پہ ٹلتے نہیں روباہوں سے شیر
اس سے سر کے لیے ہے نہ اماں تن کے لیے
نیمچے قہرِ خدا ہیں صفِ دشمن کے لیے

۲۴
خلق میں حرب ہے نانا کی ہمارے مشہور
ایک دم میں حرمِ کعبہ سے بت کر دیے دور
جس نے صفین میں کیے قتل ہزاروں مقہور
جنگِ خندق کو کیا فتح محمدؐ کے حضور
عمرو کو قتل کیا ٹکڑے کیا عنتر کو
جنگِ خیبر میں اکھاڑا تھا درِ خیبر کو

۲۵
دادا ہے جعفرؓ طیار سا ضرغامِ وغا
ماموں شبیرؑ سا مظلوم غریب الغربا
تھا جو دنیا میں محمدؐ کا رسولؐ دوسرا
حاملِ رنج و محن مالکِ تسلیم و رضا
ہم سے ہمسر کوئی عالی نسبی میں کب ہے
فاطمہؑ بنتِ نبیؐ نانی ہے ماں زینبؑ ہے

۲۶
کس کا رتبہ ہے یہ جو پوچھو ہے شرافت ہم میں
بخدا فاتحِ خیبر کی ہے جرأت ہم میں
شانِ جعفرؓ ہے تو حمزہؓ کی ہے شوکت ہم میں
شیرِ بنتِ شہِ مرداں کی ہے طاقت ہم میں
کوئی ہم شیروں کی تلوار پکڑ سکتا ہے
دو بدو ہم سے جہاں میں کوئی لڑ سکتا ہے

۲۷
جوں علیؑ دولۂ تیغ زنی رکھتے ہیں
دلِ بے کینہ ہیں خلقِ حسنیؑ رکھتے ہیں
ہاتھ میں قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں
طبع میں حلمِ حسینیؑ مدنی رکھتے ہیں
صاف باطن ہیں دغا کی نہیں باتیں ہم میں
جمع ہیں سارے بزرگوں کی صفاتیں ہم میں

۲۸ نقشہ اُسی دشمن کو مٹا دیتے ہیں
کوہ کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا دیتے ہیں
شررِ تیغ سے ناری کو جلا دیتے ہیں
ایک للکار میں ضیغم کو بھگا دیتے ہیں
غضبِ ربِ علیٰ ضرب ہے ہم شیروں کی
ضربتِ شیرِ خدا ضرب ہے ہم شیروں کی

۲۹ لاکھ خط بھیج کے ماموں کو بلایا تم نے
منھ نبی زادے سے بے وجہ پھرایا تم نے
فصلِ گرما میں وطن ان سے چھڑایا تم نے
بے گنہ دلبرِ زہرؑا کو ستایا تم نے
نہر سے پیاسے کو قطرہ نہ دیا پانی کا
طور ہوتا ہے جہاں میں یہی مہمانی کا

۳۰ خوفِ حق ہے نہ پیمبرؐ کا ادب کرتے ہو
کوششِ قتلِ شہنشاہِ عرب کرتے ہو
بیعت اس فخرِ دو عالم سے طلب کرتے ہو
پانی دیتے نہیں سید کو غضب کرتے ہو
اک نبی زادے پہ یہ ظلم کی طغیانی ہے
اور اس پر انھیں دعوائے مسلمانی ہے

۳۱ فوج سے عونؑ و محمدؑ نے سنی جب گفتار
گھوڑے چمکا کے ہلانے لگے نیزوں کو سوار
قتل پہ پیاسوں کے آمادہ ہوئے ظلم شعار
قدر اندازوں نے چلوں سے ملائے سوفار
تیغیں کمروں سے نکلنے لگیں قتالوں کی
دور تک چھا گئی میداں میں گھٹا ڈھالوں کی

۳۲ رعد کی طرح سے گرجا دہلِ جنگ و جدل
نکلے ہر صف سے جوانانِ قوی الہیکل
صورتِ برق چمکنے لگے تلواروں کے پھل
شام کی فوج کا دو پیاسوں پہ امڈا بادل
زینبؑ خستہ جگر خیمے میں گھبرانے لگی
گریۂ فاطمہ زہرؑا کی صدا آنے لگی

۳۳ دونوں پیاسوں پہ اُدھر تھی یورشِ اہلِ جفا
بیبیوں سے کہا زینبؑ نے بصد درد و بکا
اور ادھر تھا حرمِ شہ میں تلاطم برپا
میرے بیٹے مرے ماں جائے پہ ہوتے ہیں فدا
پیاس میں چھوٹوں سے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
چلو لوگو مرے بچوں کی لڑائی دیکھو

۳۴ بیبیوں سے کیا زینبؑ نے جو رو کر یہ مقال
زینبِ زار تو آگے ہوئی کھولے ہوئے بال
صفِ ماتم سے وہ گھبرا کے اٹھیں سب فی الحال
پیچھے روتی چلی ہر ایک بصد رنج و ملال
پھونچی ڈیوڑھی پہ تو میداں کا یہ نقشہ دیکھا
دونوں معصوموں پہ کفار کا زغا دیکھا

۳۵ حال یہ دیکھ کے زینبؑ کا ہوا حال تباہ
پھر دعا حق سے یہ کرنے لگی با نالہ و آہ
رنگ فق ہو گیا دل پر ہوا صدمہ جانکاہ
دیکھیو عزت مرے فرزندوں کی یا بارِ الٰہ
صدقے ماموں پہ یہ دو روز کے پیاسے ہو جائیں
فوج میں قید نہ حیدرؑ کے نواسے ہو جائیں

۳۶ تیرے محبوب کے پیارے کے مددگار ہیں یہ
تیرے بندے ہیں غلامِ شہِ ابرار ہیں یہ
بھوکے پیاسے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں یہ
اہلِ کیں لاکھوں ہیں اور دو جگر افگار ہیں یہ
ان کے ہاتھوں سے یہ لشکر تہ و بالا ہو جائے
خلق میں دونوں کی جانبازی کا شہرہ ہو جائے

۳۷ تو اگر چاہے تو دے پل میں پیمبرؐ کو ظفر
بخش دے دودھ میں لونڈی کے شجاعت کا اثر
ہو ترا فضل تو قطرہ ابھی ہو جائے گہر
نام آفاق میں کر جائیں مرے نورِ نظر
عونؑ بیجاں ہو جدا مجھ سے محمدؑ ہو جائے
پسرِ فاطمہؑ زہرا کی بلا رد ہو جائے

۳۸ اتنے میں جا پڑی سرورؑ پہ نظر زینبؑ کی
سامنے ہیں جو کھڑے اکبرؑ و عباسِؑ علیؑ
دیکھتی کیا ہے کہ روتے ہیں دل و جانِ نبیؐ
دم بدم رو رو کے فرماتے ہیں ان سے یہی
ٹال دو آگے سے لڑکوں کے صفِ ناری کو
جاؤ دو روز کے پیاسوں کی مددگاری کو

۳۹ یہ سخن سبطِ محمدؐ سے جو زینبؑ نے سنا
کیا یہ تدبیر ہے مجھ سے تو کہو بہرِ خدا
رو کے چلائی کہ اے بھائی یہ کیا تم نے کہا
بھیجتے ہو انھیں کیوں جانبِ میدانِ وغا
گئے گر اکبرؑ و عباسؑ تو غم کھاؤں گی
ننگے سر پیٹتی خیمے سے نکل آؤں گی

۴۰ دو میاں کچھ اُن کے لڑکپن پہ نہ جائیے اصلا
ہاں مگر پیاسے کئی دن کے ہیں وہ ماہ لقا
پشت پر اُن کی مدد کے لیے ہیں شیرِ خدا
کیجیے بہرِ خدا ابھا بچوں کے حق میں دعا
دم بہ دم تیرِ الم دل پہ مرے پڑتے ہیں
آج فرزند مرے پہلے پہل لڑتے ہیں

۴۱ یاں تو شبیرؑ سے کرتی تھی یہ زینبؑ گفتار
یا علیؑ کہہ کے جو لیں میاں سے تیغیں اک بار
اور ادھر عونؑ و محمدؑ نے اٹھائے رہوار
خوف کے مارے لگے کانپنے سب ظلم شعار
صف کی صف ہو گئی مسمار ستمگاروں کی
بجلیاں فوج پہ گرنے لگیں تلواروں کی

۴۲ جس طرف بھرے ہوئے رن میں جھپٹتے تھے وہ شیر
پیش آ جاتا تھا گر کوئی زبردست دلیر
مارے تلواروں کے کر دیتے تھے وہ لاشوں کے ڈھیر
دونوں تشنہ بہ شجاعت سے اسے کرتے تھے زیر
عزم بالجزم تھے کیا فاطمہؑ کے پیاروں کے
چھوٹی سی تیغوں سے دم بند تھے غداروں کے

۴۳ میمنے والوں پہ جا پڑتا تھا گر عونؑ جری
لب پہ ہر ایک کے تھا نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ
حملہ ور میسرے کی صف پہ محمدؑ تھا کبھی
دونوں کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے شقی
تیر سے گھوڑے جھپٹ کر یہ جدھر جاتے تھے
بے لڑے کتنے عدو سہم کے مر جاتے تھے

۴۴ حملہ ور عونؑ پہ ہوتا تھا اگر کوئی سوار
کرتا تھا کوئی محمدؑ پہ اگر نیزے کا وار
مار لیتا تھا محمدؑ اسے بڑھ کر اک بار
عونؑ تب اس کو لگاتا تھا جھپٹ کر تلوار
ایک سے ایک سوا جنگ میں کد کرتا تھا
یہ مدد اس کی تو وہ اس کی مدد کرتا تھا

۴۵ ایک نے پیچھے سے گر سرِ دشمن کاٹا
تیغ سے دونوں نے جس جس کا سر و تن کاٹا
دوسرے نے اسے بڑھ کر مع توسن کاٹا
مع خود و زرہ و بکتر و جوشن کاٹا
جا پڑے رن سے سردار کو جس جا دیکھا
مارا دو لاکھ میں اس کو جسے یکتا دیکھا

٤٦ آکے اِن شیروں سے ہوتے تھے جو سرگرمِ نبرد
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی تھی بیاباں میں گرد
برقِ شمشیر سے جل جل کے وہ ہو جاتے تھے سرد
ہر طرف خاک پہ بسمل تھے ہزاروں نامرد
قتل کر ڈالا سواروں کا رسالا دم میں
کر دیا پیاسوں نے لشکر تہ و بالا دم میں

٤٧ نیزہ بازی کا جو پھر آگیا دونوں کو خیال
دو لعیں نکلے ادھر سے بھی پئے جنگ و جدال
نیزہ بازوں پہ گرے چھوٹی سی تیغوں کو سنبھال
آ گئے غیظ میں تب زینبِ دلگیر کے لال
ایک پر عون دلاور نے اٹھایا گھوڑا
ایک شامی پہ محمدؑ نے بڑھایا گھوڑا

٤٨ جاتی تھی تا سرِ گردوں جو سنانوں کی جھلک
سامنے گھوڑوں کے شرمندہ تھی بجلی کی چمک
آنکھ خورشید کی ہر مرتبہ جاتی تھی جھپک
تھرتھراتی تھی زمیں رن کی لرزتے تھے فلک
جب یہ للکار کے نیزوں کو تکاں دیتے تھے
آہنی ڈھالوں میں سینے وہ چھپا لیتے تھے

٤٩ یہ جھکے اُن پہ تو اُن پر بھی جھکے وہ خونخوار
لڑتی تھیں نیزوں کی انیوں سے جو انیاں ہر بار
دو طرف دونوں سے بس چلنے لگے نیزوں سے [illegible]
خاک پر گرتی تھیں چنگاریاں بے حد و شمار
قتل پر اِن کے تو خونخوار کد کرتے تھے
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے

٥٠ دیر تک دونوں سے لڑتے رہے زینبؑ کے پسر
آکے تب غیظ میں کہنے لگے وہ نیک سیر
اُن کا وار ان پہ چلا اور نہ اِن کا اُن پر
دیکھو اے ظالمو ہم دونوں کے نیزوں کا اثر
یک بیک پھرتی سے اس طرح ہلائے نیزے
دونوں خوں خواروں کے سینوں میں در آئے نیزے

٥١ بسکہ تھے زور میں یکتا وہ علیؑ کے دلدار
نیزوں سے پھر انھیں پھینکا سوئے چرخِ دوّار
دونوں کو نیزوں کی نوکوں پہ اٹھایا اک بار
جب لگے گرنے تو دونوں نے لگائی تلوار
برچھیاں تیغ پہ حیران تھے ستمگر رن میں
چار ٹکڑے کیے دونوں کے برابر رن میں

٥٢ اس خرابی سے ہوئے قتل جو دونوں خونخوار
الاماں کی ہوئی فوجِ ستم آرا میں پکار
کیا معصوموں نے تکبیر کا نعرہ ایک بار
جھک گئے خاک پہ سجدے کو امامِ ابرار
کہیں شاباش کہیں واہ کا غل برپا تھا
عرش تک اجرکم اللہ کا غل برپا تھا

٥٣ پھر کمانداروں پہ شیروں نے اڑائے گھوڑے
سب نے رخ پھیر کے میداں سے بڑھائے گھوڑے
قدر اندازوں میں جوں تیر در آئے گھوڑے
پیچھے بدکیشوں کے دونوں نے اٹھائے گھوڑے
سہم کر چھپ گئے تھے گوشوں میں سرکش کتنے
گر گئے رن میں خطاکاروں کے ترکش کتنے

٥٤ تھی عجب طرح کی میدان میں اس دم ہلچل
گھوڑوں کی ٹاپوں سے تھراتا تھا سارا جنگل
بھاگتے پھرتے تھے ہر سمت سوار و پیدل
گرم تھا دشت بلاخیز بہ شکلِ منقل
بدحواسی سے جو بھاگے تھے جواں لشکر کے
ایک پر ایک گرا پڑتا تھا مارے ڈر کے

ہ گردش کرنے والے ۱۲

۵۵
دونوں لڑکوں سے جو برآ نہ سکے اہلِ خطا
غل یہ سن کر ہوئے بیتاب امامِ دوسرا
تب محمدؐ کی دوہائی لگے دینے اعدا
بھانجوں کو درِ خیمے سے یہ دی بڑھ کے صدا
سرعیتوں کے نہ اب تن سے اتارو پیارو
کلمہ گویوں کو محمدؐ کے نہ مارو پیارو

۵۶
روک لو ہاتھوں کو اب تم کو پیمبرؐ کی قسم
تم کو زہراؑ کی قسم ہے تمھیں حیدرؑ کی قسم
تیغے میاں میں کرلو تمھیں شبیرؑ کی قسم
اب نہ قتل ان کو کرو تم کو مرے سر کی قسم
میں سوا جاتا ہوں للہ نہ تاخیر کرو
بخشوانے کی گنہگاروں کے تدبیر کرو

۵۷
اے مرے پیارو کرو ماموں کے کہنے پہ عمل
استغاثے کی صدا سے ہے مرا دل بے کل
نہ لڑو اب نہ لڑو ظالموں سے میرے بدل
کہیں ایسا نہ ہو آوے مرے وعدے میں خلل
میرے نانا سے عدو کرتے ہیں شکوا میرا
اب ہے نزدیک کہ پھٹ جائے کلیجا میرا

۵۸
پہونچی میداں میں جو آوازِ شہنشاہِ امم
ماموں چلاتے ہیں رو رو کے بصد درد و الم
بھائی سے بھائی یہ کہنے لگا بادیدۂ نم
اماں غش ہو گئیں ہیں خیمے میں شاید اس دم
خنجرِ غم دلِ ناشاد پہ چلتا ہوگا
ماں کی الفت ہے کلیجہ نہ سنبھلتا ہوگا

۵۹
رو دیا چھوٹے نے سن کر یہ بڑے کی گفتار
گھر گئے لاکھ سواروں میں علیؑ کے دلدار
یک بیک ٹوٹ پڑے ان پہ ہزاروں خونخوار
برچھیاں چل گئیں ہونے لگے تلواروں کے وار
دل میں دونوں کے بھری تھی جو ولائے شبیرؑ
کھایا ہر زخم پہ نعرہ کہ فدائے شبیرؑ

۶۰
ایک تو پیاسے تھے دو روز کے وہ نیک خصال
چھاتیاں ہو گئیں تیروں سے سراپا غربال
زخم کھائے جو بدن پر تو ہوئے اور نڈھال
خوں میں لال ہوئے زینبِؑ دلگیر کے لال
منھ پھرا کر کبھی ماموں کو صدا دیتے تھے
ضعف سے سر کبھی ہرنوں پہ جھکا دیتے تھے

۶۱
زخم شمشیروں کے تھے پھول سے رخساروں پر
رخ پہ لٹکی تھیں کمانوں سی بھویں کٹ کٹ کر
خون میں ڈوبی تھیں سنبل سی وہ زلفیں یکسر
سیکڑوں جسم پہ تھے زخمِ سنان و خنجر
پاؤں ہر دم جو رکابوں سے نکل جاتے تھے
یا حسینؑ ابن علیؑ کہہ کے سنبھل جاتے تھے

۶۲
غش میں گھوڑوں پہ کبھی جھومتے تھے دونوں جری
ناگہاں عون کے اک شامی نے ماری برچھی
غیظ میں آن کے ہونٹوں کو چباتے تھے کبھی
ساتھ ہی سر پہ محمدؐ کے بھی اک تیغ لگی
اس طرف خاک پہ گھوڑے سے وہ معصوم گرے
ہاں کلیجے کو پکڑ کر شہِ مظلوم گرے

۶۳
خیمے کی ڈیوڑھی سے زینبؑ یہ پکاری ناگاہ
کیا غضب ہو گیا کیوں روئے امامِ ذیجاہ
خیر تو ہے علیؑ اکبر کہو مجھ سے للہ
روئے ہم شکلِ پیمبرؐ نے کہا کیا کہوں آہ
گر پڑے برجِ شرافت کے ستارے رن میں
اے پھوپھی قتل ہوئے آپ کے پیارے رن میں

۶۴ یہ خبر سنتے ہی تھرانے لگی زینبؑ زار
اوڑ گیا رنگ مگر روئی نہ وہ سینہ فگار
جھک کے سجدے میں کہا میں تری قدرت کے نثار
سرخرو مجکو کیا پیشِ رسولِ مختار
صدقے زہراؑ کی کمائی پہ کمائی میری
شکر کرتی ہوں کہ امید بر آئی میری

۶۵ یاں تو زینبؑ نے کیا شکرِ جنابِ احدی
اور چلے رن کی طرف روتے ہوئے سبطِ نبیؑ
ساتھ اکبرؑ بھی تھے اور قاسمؑ و عباسِ علیؑ
پہنچے میداں میں جو شبیرؑ تو آواز یہ دی
پسرِ فاطمہؑ زہراؑ کو سنبھالو پیارو
کوچ کرتے ہو تو دیدار دکھا لو پیارو

۶۶ کیا پردیس میں ماموں سے کنارا تم نے
برچھیاں کھایا کیے دم بھی نہ مارا تم نے
خاک پر گر کے نہ ہمکو بھی پکارا تم نے
ہائے تکلیف مری کی نہ گوارا تم نے
کس نے تیروں کو کلیجے سے نکالا ہوگا
کس نے گرتے ہوئے گودی میں سنبھالا ہوگا

۶۷ ڈھونڈتے پھرتے تھے میداں میں امامِ دوسرا
بھانجوں کے کہیں لاشوں کا نہ ملتا تھا پتا
ناگہاں آئی یہ خاتونِ قیامت کی صدا
ادھر آؤ ادھر آؤ ادھر آؤ بیٹا
ٹکڑے تیغوں سے ہیں دو روز کے پیاسے میرے
میری گودی میں تڑپتے ہیں نواسے میرے

۶۸ دیتے ہیں ساقیِ کوثر انھیں جامِ کوثر
پھیر لیتے ہیں منھ اس پانی سے یہ تشنہ جگر
واہ کیا اہلِ وفا ہیں مری زینبؑ کے پسر
کہتے ہیں ماموں تو پیاسے ہیں پئیں ہم کیوں کر
یاد ہے ان کی ابھی تشنہ دہانی ہم کو
شاہ بن زہر سے بدتر ہے یہ پانی ہم کو

۶۹ ماں کی آواز پہ دوڑے جو شہنشاہِ زمن
دیکھا دم توڑتے ہیں خاک پہ وہ تشنہ دہن
کثرتِ زخم سے گلزار ہیں دونوں کے بدن
ہچکیاں لیتے ہیں کھولے ہوئے غنچہ سے دہن
خوں میں تر باغِ ید اللہ کے گل بوٹے ہیں
تیغے چھوٹے سے ہاتھوں سے نہیں چھوٹے ہیں

۷۰ گر کے لاشوں پہ یہ چلائے امامِ دوسرا
کھول دو آنکھوں کو اے بھانجو ماموں آیا
غش میں دونوں نے سنی شہ کے جو آنے کی صدا
کھول کر آنکھوں کو دیکھا رخِ شاہِ شہدا
بولے شاہ اس نگہ یاس پہ قربان حسینؑ
اس محبت پہ اور اس پیاس پہ قربان حسینؑ

۷۱ جوڑ کر ہاتھوں کو کہنے لگے وہ گل اندام
فرطِ الفت سے نہ فرمائیے مولا یہ کلام
آپ آقائے دو عالم ہیں یہ فدوی ہیں غلام
ہم سے سو آپ پہ قرباں ہوں یا شاہِ انام
کر دیا آپ کے الطاف نے نامی ہم کو
فخر ہے اکبرؑ و اصغرؑ کی غلامی ہم کو

۷۲ شاہ سے عونؑ و محمدؑ نے یہ کی جب تقریر
خوب چھاتی سے لگا کر انھیں روئے شبیرؑ
پھر یہ کہنے لگے دونوں سے امامِ دلگیر
کچھ وصیت کرو مادر کو کہ ہے وقتِ اخیر
نام سن ماں کا یہ صدمہ ہوا ان پیاروں پر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر

۷۳
بھر کے دونوں نے دمِ سرد یہ سرور سے کہا
ہم سے اماں نے کہا تھا یہ بصد درد و بکا
جس گھڑی خیمے سے ہم چلنے لگے تھے شاہا
دودھ تو بخشو کہ ہم ہوتے ہیں اب تم سے جدا
رو کے بولیں یقیں یہ دولت نہ بخشوں گی تمہیں
پیاسے مر جاؤ گے تب دودھ میں بخشوں گی تمہیں

۷۴
کوئی ارشاد نہ مادر کا بجایا ہم نے
بہرِ امداد کسی کو نہ بلایا ہم نے
زخم ہنس ہنس کے ہر اک سینہ پہ کھایا ہم نے
آپ شاہد ہیں کہ پانی نہیں پایا ہم نے
خوں میں اور خاک میں ہم دونوں کے تن لوٹتے رہے
اب تلک پیاس ہے گرمی سے جگر جلتے رہے

۷۵
شکر صد شکر کہ اپنا تو ہوا خوب انجام
آپ جب جائیے گا خیمے میں یا شاہِ انام
مگر اماں کی غریبی پہ ہے رونے کا مقام
ان کو ہم دونوں کی جانب سے یہ دیجیے گا پیام
مر گئے ہم نہ رکھو آس ہماری اماں
دودھ بخشو تو بجھے پیاس ہماری اماں

۷۶
دے کے مادر کو یہ پیغام بصد درد و بکا
رو کے وہ بولے کہ کیا فکر ہے ہم تم پہ فدا
چشمِ حسرت سے سوئے قاسمؑ و اکبرؑ دیکھا
ان سے تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ دونوں نے کہا
مرتے دم ہم پہ یہ اے بھائیو احسان کرو
ماموں صاحب پہ اٹھا کر ہمیں قربان کرو

۷۷
کہکے یہ دونوں نے منھ شاہ کے قدموں پہ ملے
یک بیک آنکھیں بھی پتھرا گئیں سکتے بھی ڈھلے
جھک کے شبیرؑ نے چومے وہ نورانی سے گلے
شاہ چلائے کہ اے بھانجو دنیا سے چلے
کیا وفاداری میں کامل تھے وہ صفدر دونوں
مر گئے شاہ کے قدموں پہ تڑپ کر دونوں

۷۸
بھائیوں کے لیے سر پیٹ کے اکبرؑ روئے
گر کے ان لاشوں پہ عباسؑ دلاور روئے
قاسمِ غنچہ دہن خاک اڑا کر روئے
آسماں ہل گئے اس درد سے سرور روئے
منھ پہ منھ عونؑ کے رکھ کر کبھی چلاتے تھے
کبھی لاشے سے محمدؑ کے لپٹ جاتے تھے

۷۹
کبھی کہتے تھے کہ اس داغ سے مر جاؤں گا
جب تلک جیتا ہوں اے لاڈلو غم کھاؤں گا
شکل اب زینبؑ بیکس کو نہ دکھلاؤں گا
ہائے اب تم سا بہادر میں کہاں پاؤں گا
دم بدم نالہ و فریاد کروں گا پیارو
زیرِ خنجر بھی تمہیں یاد کروں گا پیارو

۸۰
واسطے ماموں کے جانوں کو گنوایا ہے ہے
گھر کو ویراں کیا جنگل کو بسایا ہے ہے
تین دن پیاس میں پانی بھی نہ پایا ہے ہے
میری تنہائی کا کچھ دھیان نہ آیا ہے ہے
خلد میں جا کے مجھے بھول نہ جانا پیارو
اپنے نانا کو مرا حال سنانا پیارو

۸۱
[illegible] گئے مددگار رہو جاؤ نانا
قبر سے زینبؑ بیکس کو بچاؤ نانا
اپنے فرزند کو آفت سے چھڑاؤ نانا
خلد کے رہنے سے اب ہاتھ اٹھاؤ نانا
نانی زہراؑ کی کمائی پہ زوال آتا ہے
آپ کا پھولا پھلا باغ لٹا جاتا ہے

۸۲ بین یہ کرتے تھے لاشوں پہ امامِ دو جہاں
ناگہاں آئی یہ آواز بصد آہ و فغاں
ہائے اے میرے خوزادو میں تمھارے قربان
مڑ کے حضرت نے جو دیکھا تو یہ دیکھا ساماں
فضہ گھبرائی ہوئی رن میں چلی آتی ہے
ادب ہاتھوں پہ زہراؑ کی ردا لاتی ہے

۸۳ پہونچی فضہ جو قریبِ خلفِ شیرِ خدا
دے کے زہراؑ کی ردا بولی بصد درد و بکا
آپ کی خواہرِ غمگیں نے کہا ہے شاہا
میرے بیٹوں نے ہے دنیا میں مجھے شاد کیا
خلد میں انکو حقارت سے نہ بھیجو بھائی
اس ردا کا مرے بچوں کو کفن دو بھائی

۸۴ سن کے یہ خونِ دل آنکھوں سے بہایا شہ نے
دونوں لاشوں کو پھر اک جا پہ لٹایا شہ نے
اُن پہ جب چادرِ زہراؑ کو اوڑھایا شہ نے
شانے مُردوں کے ہلا کر یہ سنایا شہ نے
سر فدا تم نے جو ماموں پہ کئے ہیں پیارو
لو یہ خلعت تمھیں مادر نے دیئے ہیں پیارو

۸۵ روک خامہ کو انیسؔ اب نہیں تابِ رقم
ہے مجلسوں میں بپا شورِ فغان و ماتم
ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگ بصد درد و الم
ہوئے یہ مرثیہ مقبولِ شہنشاہِ اُمم
دل مرا اور کسی شغل میں مصروف نہ ہو
جیتے جی مرثیہ کہنا مرا موقوف نہ ہو

رباعی

برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا
پر سب نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
سدرہ سے پکارتے ہیں جبرئیل امیں
ہم نے بھی جو پایا اسی در سے پایا

رباعی

ایماں پایا علیؑ کے در سے پایا
رتبہ پایا تو اس بشر سے پایا
طوبیٰ کوثر بہشت آرام لحد
جو کچھ پایا علیؑ کے گھر سے پایا

رباعی

کیا حرؑ نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
کیا رتبہ شاہِ بحر و بر سے پایا
تھی آرزو بہشت و آب کوثر
وہ باپ سے پایا یہ پسر سے پایا

رباعی

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں
جو حظ غمِ شاہِ بحر و بر میں پایا

رباعی

فیاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا
ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا
واں رہتا ہے بابِ خیر وا آٹھ پہر
حق سے مانگا علیؑ کے گھر سے پایا

مرثیہ ۱
دشتِ جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے
شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے
غل پڑا برجِ شرافت کے ستارے آئے
جنگ کو لاکھوں سے وہ پیاس کے مارے آئے
اِن کا نانا ہے علیؑ صاحبِ شمشیر ہیں یہ
ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں دو شیر ہیں یہ

۲ سن تو کم ہیں پہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں
سروِ بستانِ امامِ مدنی ہیں دونوں
بھوکے پیاسے ہیں پہ ہمت کے غنی ہیں دونوں
دیکھو آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھوں میں شمشیریں ہیں
جعفرؑ و حیدرِ کرار کی تصویریں ہیں

۳ ابھی کیا عمریں ہیں ان دونوں کی اور کیا سن و سال
اے خوشا حشمت و اقبال زہے جاہ و جلال
کھیل کے دن ہیں مگر جان پہ کھیلے ہیں یہ لال
پیاس کا کچھ نہیں صدمہ ہے نہ مرنے کا خیال
جوں علیؑ جنگ میں سبقت نہیں فرماتے ہیں
پیچھے توں کے ہر مرتبہ رہ جاتے ہیں

۴ کس میں ہے ایسی بزرگی جو نسب اِن کا ہے
فخرِ عالم ہیں یہ ثانی کوئی کب اِن کا ہے
دبدبہ روم سے لے تا بہ عرب اِن کا ہے
صف شکن صاحبِ شمشیر لقب ان کا ہے
طفل اس سن میں نہیں صاحبِ ہمت ہوتے
گر جواں ہوتے یہ لڑکے تو قیامت ہوتے

۵ حال پر زینبِؑ بیکس کے ہے رونے کا مقام
یوں لٹا دیوے یہ دولت ہے اسی بی بی کا کام
رنج سے بیٹوں کے ہو جاتی ہے ماں بے آرام
کوئی چھاتی سے جدا کرتا ہے ایسے گلفام
غم سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا ہو گا
کس طرح آپ کو زینبؑ نے سنبھالا ہو گا

۶ پر تعجب ہے ہمیں اور یہ حسرت کی ہے جا
مر گئی ہو گی تڑپ کر تو عجب کیا اس کا
اُس کے رونے کی بھی اس وقت نہیں سنتے صدا
ایک بولا کہ وہ بھائی کی ہے عاشق بخدا
اُس کا بس ہوتا تو اپنی بھی فدا جاں کرتی
لاکھ بیٹوں کو وہ شبیرؑ پہ قرباں کرتی

۷ ذکر رونے کا ہے کیا وہ ہے علیؑ کی بیٹی
اُس کو بھائی سے زیادہ نہیں پیارا کوئی
ماں سخی باپ سخی بھائی سخی آپ سخی
ہے یہ منظور کہ بچ جائے دل و جانِ نبیؐ
غم نہیں اس کا کہ گھر کی مرے بربادی ہے
ہے تو فرزندوں کا ماتم پہ اُسے شادی ہے

۸ اور دنیا میں کسی ماں نے یہ دل پایا ہے
خلعتِ فاخرہ خوش ہو ہو کے پہنایا ہے
آپ دولہا سا بنا کر انھیں بھجوایا ہے
ڈیوڑھی تک آ کے کئی بار یہ سمجھایا ہے
گر خدا فضل کرے جنگ کو سر کر آنا
اور خبردار جو آؤ گے تو مر کر آنا

۹ دیکھو سمجھاتی ہوں جو کچھ اسے سنتے جاؤ
جوہرِ تیغِ علیؑ دشمنوں کو دکھلاؤ
کہیں میدان سے نہ پھر خیمے میں جیتے آؤ
زخم اس بھوک میں ہنس ہنس کے بدن پر کھاؤ
آپ پر دیسے جو کچھ گذرے گا دیکھوں گی میں
گر قدم پیچھے ہٹا دودھ نہ بخشوں گی میں

۱۰
ماں نے جو کچھ کہا ہے وہ کریں گے دونوں
شیر ہیں مار کے لاکھوں کو مریں گے دونوں
دشتِ جنگاہ کو لاشوں سے بھریں گے دونوں
قدم آگے سے نہ پیچھے کو دھریں گے دونوں
دار ان پر کسی تدبیر سے چلنے کے نہیں
کوہ ٹل جائے یہ جاگہ سے یہ ٹلنے کے نہیں

۱۱
چھوٹے چھوٹے تو ہیں قد اور ارادے ہیں بڑے
سینے تانے ہوئے کس شان سے رن میں ہیں کھڑے
چاند سے چہروں پہ گوندھے ہوئے گیسو ہیں پڑے
جان کہتے ہیں کہ آوے جسے لڑنا ہو لڑے
دو شب و روز کے پیاسوں کی شجاعت دیکھے
شیر مرداں کے نواسوں کی شجاعت دیکھے

۱۲
کرتے تھے اہلِ سعادت تو یہ آپس میں کلام
جلد ان کام کرو بیٹوں کا زینبؑ کے تمام
عمر سعد کے یہ فوج کو پہونچے احکام
جیتے پھر جائیں نہ خیمے کی طرف یہ گلفام
بچے ہیں گھات سے باتوں میں لگاؤ ان کو
گھوڑوں سے نوکوں پہ نیزوں کی اٹھا لو ان کو

۱۳
مادرِ جنگ کی سوجھی ہے مجھے یہ تدبیر
ہاتھ آئیں تو پنہا کر انھیں طوق و زنجیر
گر لو شیروں کی طرح ان کو کمندوں میں اسیر
یاں سے لیجائیں گے یوسفؑ کی طرح بیچیں امیر
خلعت و زر انھیں سردار سے ہاتھ آئے گا
اور تڑپ کر پسرِ فاطمہؑ مر جائے گا

۱۴
ہنس کے یہ فوج نے تب سعد کے بیٹے سے کہا
کہیں روباہوں نے شیروں کو بھی ہے قید کیا
کس طرف دھیان ہے دونوں کو تو سمجھا ہے کیا
کسی لشکر میں علیؑ قید ہوئے ہیں تو بتا
یہ بنی فاطمہؑ ہیں لڑتے ہیں مر جاتے ہیں
پسرِ شیرِ الٰہی کہیں ہاتھ آتے ہیں

۱۵
کہہ کے یہ رن میں صف آرا ہوئیں فوجیں باہم
چہرے سیدھے ہوئے تیغیں ہوئیں ہر سمت علم
کھلے لشکر کے نشان چمکے سنہرے پرچم
فوج دشمن کی کمانوں سے چلے تیر ستم
سب زمیں ٹاپوں سے رہواروں کی تھرانے لگی
حربی باجوں کی گردوں پہ صدا آنے لگی

۱۶
پہونچی ناموس کے خیمے میں یہ جس وقت صدا
کہا زینبؑ نے کہ بیٹے مرے کرتے ہیں وغا
ہل گئے سینوں میں دل اور نہ رہے ہوش بجا
ارے لوگو کرو سر کھول کے خالق سے دعا
ابھی معصوم ہیں بچے ہیں نواسے ہیں وہ
بھوکے دو دن کے ہیں دو روز کے پیاسے ہیں وہ

۱۷
کبھی کاہے کو لڑے ہیں وہ مرے ماہِ منیر
کہاں دو طفل صغیر اور کہاں فوج کثیر
نہیں دیکھی ہے چمکتے کبھی برقِ شمشیر
یہی دھڑکا ہے کہ ہو جائیں نہ اعدا میں اسیر
یہ دعا مانگو کہ سر اُن کے اُتارے جائیں
مرے بھائی کی بلا لے کے وہ مارے جائیں

۱۸
کہہ کے یہ فاطمہؑ کی بیٹی نے عریاں کیا سر
بہرِ زہراؑ و علیؑ بہرِ حسینؑ و شبیر
خاک پر رکھ کے جبیں حق سے کہا رو رو کر
ہو مرے بچوں کا انجام بخیر اے داور
سرخرو عون ہو سر سبز محمدؑ ہووے
صدقہ دیتی ہوں کہ بھائی کی بلا رد ہووے

۱۹
یاں تو سر کھولے ہوئے کرتی تھی زینبؑ یہ دعا
سیکڑوں تیغیں کھنچیں تیروں کا مینھ پڑنے لگا
دونوں لڑکوں پہ وہاں شام کا بادل امڈا
تیغچے کھینچ کے بھائی نے یہ بھائی سے کہا
لاکھ آفت اگر افلاک سے ٹوٹے بھائی
روح و قالب کی طرح ساتھ نہ چھوٹے بھائی

۲۰
باگیں رہواروں کی لیں اور پڑھی نادِ علیؑ
اس کو بیجان کیا جس شامی کی تیغ ان پہ چلی
گھس گئے فوج میں وہ دونوں شجاعِ ازلی
وار جس پر کیا سر سے نہ اجل اس کے ٹلی
تیغ چمکا کے جدھر شیر سے پھر پڑتے تھے
تیغے کیا تھے کہ دو صاعقے گر پڑتے تھے

۲۱
گھیر لیتے تھے اگر ایک کو مل کر اعدا
اس پہ کرتے تھے سوار آن کے جس دم زغا
دوسرا دوڑ کے کر دیتا تھا اعدا کو پسپا
کہتا تھا وہ کہ نہ گھبرائیو میں آ پہونچا
مہلت اعدا کو نہ چھوٹا نہ بڑا دیتا تھا
بھائی بھائی کے لیے جان لڑا دیتا تھا

۲۲
خالی دیتا تھا کوئی جنگ میں گر عونؑ کا وار
زد پہ آجاتا تھا دونوں کے اگر کوئی سوار
مارتا تھا اسے تب بڑھ کے محمدؑ تلوار
ایک دو کرتا تھا تو دوسرا کر دیتا تھا چار
تن میں طاقت نہ تھی ہمت سے فقط لڑتے تھے
پیاسے ایسے تھے کہ گھوڑوں سے گرے پڑتے تھے

۲۳
چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے اس وقت کہا
ماموں کے واسطے لے چلتے جو پانی ملتا
بھائی دیکھو تو کہ لہراتا ہے کیسا دریا
نہر میں چل کے بس اب ڈال دو گھوڑے بھیا
تم ہو پیاسے شہِ عالم بھی بہت پیاسے ہیں
اماں بھی پیاسی ہیں اور ہم بھی بہت پیاسے ہیں

۲۴
آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجا بھائی
شانے بھی جھک گئے دم رکنے لگا پہونچا بھائی
اب تو لڑنے کی بھی طاقت نہیں اصلا بھائی
اہلِ کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی
پانی پینے کا تو ممکن نہیں دھیان آجاوے
ہاتھ منھ دھو لیں ذرا چل کے تو جان آجاوے

۲۵
عونؑ کہنے لگا بھائی کا یہ سن کے بیاں
بولا جاتا نہیں یہ خشک ہے میری بھی زباں
اے محمدؑ میں تری پیاس کے اوپر قرباں
جانا دریا پہ مناسب نہیں لیکن اس آں
عزتیں پیاسے ہی مرنے میں سوا ہوویں گی
اماں صاحب جو سنیں گی تو خفا ہوویں گی

۲۶
ہاتھ منھ دھو لیا اگر نہر پہ جا کر تو کیا
جائیں دریا پہ تو ہم چشموں میں ہوگا چرچا
ہاتھ اب جان سے دھونا ہے مناسب بھیا
رہ سکے پیاسے نہ سبطینِ علیِؑ اعلیٰ
گلِ زہرا تو ہوا خشک وہ شاداب ہوئے
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوئے

۲۷
علیِ اصغرؑ کی کرو تشنہ دہانی کا خیال
کھولے منھ پانی کا کرتا ہے اشارے سے سوال
پیاس کی گرمی سے گہوارے میں کیسا ہے نڈھال
دیکھا جاتا نہیں یہ بالی سکینہؑ کا ہے حال
حرف پانی کا زباں سے نہ نکالو بھائی
اپنا منھ نہر کی جانب سے پھرا لو بھائی

۲۸
کہا گھبرا کے محمدؐ نے کہ اے نیک صفات
ورنہ جب تک نہ پئیں شاہِ رفیع الدرجات
ماموں کے پانی پلانے کو کہی تھی یہ بات
خاک سمجھیں ہمیں ہاتھ آئے اگر آبِ حیات
آبرو دیں گے نہ گو بھوکے پیاسے ہیں ہم
حضرتِ ساقیِ کوثر کے نواسے ہیں ہم

۲۹
بھائی سے کر رہا تھا یہ ابھی باتیں بھائی
دونوں بچوں پہ گھٹا فوجِ ستم کی چھائی
چار جانب سے جو پھر فوج سمٹ کر آئی
گھر گئے سیدِ معصوم کے وہ شیدائی
پیچ کھائے کے کٹ کٹ گئے شمشیر و تیغ
چھوٹی سی چھاتیاں مجروح ہوئیں تیروں سے

۳۰
زخمی سینوں پہ لگے جب کہ ستم کے نیزے
ہوئی اعدا میں خوشی فتح کے نقارے بجے
گردنیں جھک گئیں غش کھا کے وہ معصوم گرے
شور تھا کاٹ لو معصوموں کے سر خنجر سے
کریں منت بھی تو سننا نہ سخن دونوں کے
شہ کو دکھلا دو تڑپتے ہوئے تن دونوں کے

۳۱
اک لعیں دوڑ گیا خیمۂ سرور کے قریں
بھانجے قتل ہوئے ان کو خبر ہے کہ نہیں
ہاتھ اٹھا کر یہ پکارا کہ کہاں ہیں شہِ دیں
کہو زینبؑ سے کہ سر کھول کے بیٹھے وہ حزیں
وہ تو مارے گئے بیٹوں کو کہاں پائے گی
رن میں اب بھائی کے بدلے کسے بھجوائے گی

۳۲
وہ تڑپتے ہیں پڑے خاک پہ دونوں گلرو
زخم پھٹ پھٹ گئے ہیں خاک پہ بہتا ہے لہو
کھینچتا ہے عمرِ سعد پکڑ کر گیسو
شمر اب کاٹتا ہے دونوں کے خنجر سے گلو
ستمِ نو کی یہ لشکر نے بنا ڈالی ہے
سر تو کٹوا چکے اب لاشوں کی پامالی ہے

۳۳
سن کے یہ غل شہِ مظلوم نے رو رو کے کہا
اڑ گیا سنتے ہی یہ رنگ رخِ زینبؑ کا
بھانجے قتل ہوئے ہائے غضب واویلا
نکلے خیمے سے شہِ تشنہ دہن ننگے پا
تھامے ہاتھوں سے جگر جانبِ جنگاہ چلے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ بھی ہمراہ چلے

۳۴
بھانجوں کے لئے بیتاب تھا دل روتے تھے شاہ
رو کے فرماتے تھے دے داد مری یا ربّاہ
تیغ تھی ہاتھوں میں اور آنکھوں میں عالم تھا سیاہ
بھانجوں کو مرے بیجاں کیا بے جرم و گناہ
ہائے بن بیٹوں کی اب زینبؑ ناشاد ہوئی
دخترِ فاطمہؑ پردیس میں برباد ہوئی

۳۵
پہونچے لاشوں پہ جو دونوں کے جنابِ شبیرؑ
چاند سے سینوں میں معصوموں کے پیوست ہیں تیر
دیکھا بیدم ہیں پڑے خاک پہ دو ماہِ منیر
کہیں نیزوں کے جراحت کہیں زخمِ شمشیر
پیاس میں نکلی جو ہیں جسم سے جانیں باہر
برگِ گل سی نکل آئی ہیں زبانیں باہر

۳۶
شاہ نے خاک سے رو رو کے اٹھائے لاشے
ڈال کر گھوڑوں پہ خیمے میں جو لائے لاشے
منہ پہ منہ رکھ دیا چھاتی سے لگائے لاشے
بولی زینبؑ مرے فرزندوں کے آئے لاشے
غم نہیں اس کا کہ یہ لاڈلے بیجان ہوئے
عید ہے آج کہ بھائی پہ یہ قربان ہوئے

۳۷ دیکھ کر لاشوں کو یہ بیبیوں سے کی گفتار
بھائی کے فدیے جو ہیں ان پہ مجھے آتا ہے پیار
واہ دونوں نے کیا کر گئے تھے جو اقرار
مرے فرزندوں کے لاشوں پہ کرو مجھ کو نثار
حق نے کیا مرتبہ ان دونوں کو امداد کیا
دودھ تو بخشوں کہ بیٹوں نے مجھے شاد کیا

۳۸ سن کے یہ غل ہوا رونے کا حرم میں برپا
چھاتیاں پیٹتی تھیں بیبیاں باندھے حلقا
کہتے تھے لپٹے ہوئے لاشوں سے شاہِ شہدا
اے مرے بھانجو زہرا کا پسر تم پہ فدا
تشنہ کامی کا بڑا رنج اٹھایا تم نے
ہائے پانی بھی دمِ مرگ نہ پایا تم نے

۳۹ بولی زینبؑ مجھے وسواس ہے اے بھائی جاں
ہاتھ مردوں کے لگاؤ نہ ہیں تم پر قرباں
ہوئے حضرت کی بلا لے کے یہ دونوں بیجاں
سو غلام ایسے فدا آپ پہ یا شاہِ زماں
جو وفادار ہیں آقا پہ فدا ہوتے ہیں
آپ صدقے گئی کیوں اُن کے لیے روتے ہیں

۴۰ رو کے حضرت نے یہ فرمایا کہ بھینا بہ خدا
ٹکڑے دو میرے کلیجے کے ہوئے آج جدا
دونوں معصوموں پہ واللہ ترحم کی ہے جا
پیار بھی کر لو انھیں دودھ بھی بخشو بھینا
اشک آنکھوں سے دمِ نزع پڑے بہتے تھے
ماں کو مرتے ہوئے دیکھا نہ یہی کہتے تھے

۴۱ یہ جو شہ نے کہا ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر
گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لے کر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر
کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقے تم پر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا
سرخرو آپ ہوئے اور مرا نام کیا

۴۲ جلد موت آگئی دولھا بھی نہ بننے پائے
چاند سے چہروں پہ سہرے نہ مجھے دکھلائے
گھر سے بھوکے گئے تھے زخم بدن پر کھائے
مجھ سے ملنے کے لئے خوں میں نہا کر آئے
ہائے زندہ تمھیں اے پیارو نہ دیکھا ماں نے
دودھ بخشانے کو کہتے تھے سو بخشا ماں نے

۴۳ کہہ کے یہ خاک پہ غش ہو گئی زینبؑ افگار
لے گئے بھانجوں کی لاشیں امامِ ابرار
کر انیسؔ اب تو خدا سے یہ دعا بادلِ زار
بخش دے جرم گذشتہ کو مرے یا غفار
اس گنہ گار پہ کر رحم علیؑ کا صدقہ
واسطہ حضرت زہراؑ کا نبیؐ کا صدقہ

سلام

۱ بین اسے مجرئی قاسم کی دولھن کیا جانے
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے

۲ دم جو گھٹتا تو یہی کہتی تھی کبریٰ رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابنِ حسنؑ کیا جانے

چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ	۳	ہم سا غربت زدہ آرامِ وطن کیا جانے
لاشۂ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں	۴	کب میسر ہمیں ہووے گا کفن کیا جانے
عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل	۵	وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے
باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجاد	۶	مرغ بے بال بھلا سیرِ چمن کیا جانے
کہتی تھی پیاس کی شدت سے سکینہ رو رو	۷	ہوگا کب پانی سے تر خشک دہن کیا جانے
داغِ اصغرؑ کا کوئی بانوؑ کے دل سے پوچھے	۸	چھد گیا کس کا جگر تیر فگن کیا جانے
کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ سا بھائی نہ رہا	۹	کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن کیا جانے
رات کو بیاہ ہوا صبح کو کٹوایا گلا	۱۰	لطفِ شادی کا بھلا ابنِ حسنؑ کیا جانے
تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغرؑ	۱۱	بے زباں ہووے جو بچہ وہ سخن کیا جانے
قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلمؑ	۱۲	کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن کیا جانے
ردِّ دعوت نہیں کرنے کا پسرِ زہراؑ کا	۱۳	اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن کیا جانے
زخمی شبیرؑ نے اکبرؑ کو جو دیکھا تو کہا	۱۴	ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن کیا جانے
قیدِ زنداں کی سکینہؑ متحمل نہ ہوئی	۱۵	نازپرور وہ غم و رنج و محن کیا جانے
شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینبؑ نے کہا	۱۶	زیبِ تن ہوتا ہے کیوں رختِ کہن کیا جانے
بولے شہ پانی تو ملتا نہیں مرنے کے بھی بعد	۱۷	کوئی دے گا کہ نہ دے گا کفن کیا جانے
دم خفہ ہوتا تو کہتی تھی سکینہؑ رو رو	۱۸	کب کھلے گی مری گردن سے رسن کیا جانے
اہلِ کیں کہتے تھے ہنس ہنس کے یہ مرتے جاتے	۱۹	کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے
ظلم جب ہوتے تو فرماتے تھے سجادِ حزیں	۲۰	ہم سے سرگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن کیا جانے
لاشۂ شبیرؑ پہ زہراؑ نے کہا رو رو کر	۲۱	قبلہ رو خاک پہ کس کا ہے یہ تن کیا جانے
کس طرح قدر بھی اپنے سخن کی ہو انیس	۲۲	مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

تمام شد

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر	مرثیہ ۱	راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے		ریحاں ہے یہی راح یہی روح یہی ہے
ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے	۲	وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے آبادی کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے		گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے وہ شمع ہے پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے	۳	یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے وہ دُر ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے		موتی بھی شاد دیتے ہیں اس لال کے بدلے
صولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے سرمایۂ نعمت یہی مال یہی ہے	۴	ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے گوہر یہی یاقوت یہی لال یہی ہے
دل بند جو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے		کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے
ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے	۵	تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوت دل راحت جاں ہے		پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے
وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے وہ نخل ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے	۶	وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے وہ دُر ہے یہ دُر جان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر جب دو توان ساتھ ہے ان کے		پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے ان کے
مالک کے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو	۷	گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا		بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا
اب رخصت اکبر ہے شہ تشنہ دہاں سے پیری میں چھڑاتا ہے فلک تازہ جواں سے	۸	فرزند بچھڑتا ہے امام دو جہاں سے کس فصل میں درپیش ہے فرقت تن و جاں سے
آئی ہے اجل گود کا پالا نہیں جاتا		صابر ہے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا
فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چرا کر کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر	۹	دیکھ آؤ ذرا مادر ناشاد کو جا کر اب جائیں گے تیغیں سناں سینے پہ کھا کر
منھ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا		صاحب چھوٹیں آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

۱۰
مولا یہ غلام اب متمنی ہے رضا کا
مشتاق ہے یہ خشک گلا آبِ بقا کا
شہرہ ہے علمدارِ دلاور کی وغا کا
کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہ خدا کا
اس خاک کا ذرہ ہو جو خورشید وہی ہے
جو آج مرے زندۂ جاوید وہی ہے

۱۱
جینے پہ مرے عشقِ خدا جس کو نہیں ہے
پتھر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے
خاک اس زر و گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہے
لٹتی ہے وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے
ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو
حقّا یہ اسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

۱۲
ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہے
نام اس کا شفاعت کے نگینے میں نہیں ہے
دل مردہ ہے گر درد بھی سینے میں نہیں ہے
مرنے میں جو لذت ہے وہ جینے میں نہیں ہے
سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزا شہ کے نمک خواروں سے پوچھے

۱۳
پھر موت ہے گر عمر ملی لاکھ برس کی
بلبل سے اب اٹھتی نہیں تکلیف قفس کی
واماندوں کو آتی ہے یہ آواز جرس کی
ایذا ہے مسافر کو فقط چند نفس کی
اُس دن کے سوا توشۂ عقبیٰ نہ ملے گا
ڈھونڈے گا تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

۱۴
دوری نہیں کچھ عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ
ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
سالک ہے وہی راہِ رضا سے جو ہو آگاہ
آسیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے

۱۵
کوتاہیِ قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے
محجوب محمدؐ سے خجل شاہِ عرب سے
سر دیں گے دمِ صبح ارادہ تھا یہ شب سے
تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہو جہاں میں
قاسمؑ تو ہو فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

۱۶
چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں
ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباسؑ علیؑ خوں میں لبِ نہر نہائیں
بعد اُن کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
فرزند خدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرِ کرار کے پوتے نہیں شاید

۱۷
بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی
مٹ جائیں گے جوہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی
حرمت ہیں شجاعت کی تو عزت ہیں وفا کی
قبضوں میں کمانیں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

۱۸
نے صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں
گھر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
یہ حوصلہ کس کا ہے کہ روئے نہ عزا میں
کیجے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
دیجے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا

اے سالک منہاجِ علی راہ دکھا دے	۱۹	مشتاق ہوں جس در کا وہ درگاہ دکھا دے
دروازۂ رحمت مجھے للہ دکھا دے		دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
واں پہونچیں جہاں عرش بھی پایہ نہیں رکھتا		ہم سائے میں اس تک ہوں جو سایہ نہیں رکھتا
یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہِ انور	۲۰	سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور
ہیں مانعِ تقبیل سعادت نہیں دلبر		جو تم سے بن آئے وہ کرو ہائے علی اکبرؑ
یہ سنتے ہی دنیا سے گذر جائے گی زینبؑ		رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینبؑ
عمر اُس نے گنوائی ہے محبت میں تمھاری	۲۱	سب ہیں پہ وہ عاشق ہے حقیقت میں تمھاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں الفت میں تمھاری		کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمھاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو		یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو
بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ	۲۲	ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
روکوں گا نہ میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ		آبِ دمِ شمشیر سے پیاس اپنی بجھاؤ
دیر اب کہیں دنیا سے گذرنے میں نہ ہووے		ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے
شہرت ہے جواب دیجیے سر راہِ خدا میں	۲۳	سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہِ خدا میں
آبادی ہے لٹ جائے جو گھر راہِ خدا میں		ہو عید جو قرباں ہو پسر راہِ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا		دولت تو اسی کی ہے سبائے رنام ہمارا
یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحبِ توقیر	۲۴	الفت سے پھری گردِ پسر بانوئے دلگیر
لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر		سنولا گئی ہے دھوپ میں یہ چاند سی تصویر
دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا		آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا
حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلبر	۲۵	اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر		نے آپ کے بیٹے نہ بھتیجا نہ برادر
عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں		مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں
اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے	۲۶	اظہارِ جوانمردیِ جد کر نہیں سکتے
فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے		بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی		سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی
رخصت نہیں ماں دیں نہ پھوپھی دیں نہ پدر دیں	۲۷	مجبور ہیں کیونکر قدمِ شاہ پہ سر دیں
دم بھر میں یہ میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیں		سرکش جو بڑھے آتے ہیں پسپا انھیں کر دیں
اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں		وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

۲۸ جائیں گے کدھر جب نہ رہے سید عالی
کیسی یہ مصیبت فلک پیر نے ڈالی
نے دوست نہ ہمدرد نہ مولیٰ نہ موالی
یہ آج کا جینا نہیں دو حال سے خالی
یا کوہ میں یا دشت کے میداں میں مریں گے
یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے

۲۹ الفت میں بگڑتا ہے بنا کام ہمارا
شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا
اب صفحۂ ہستی سے مٹا نام ہمارا
آغاز تو وہ اور یہ انجام ہمارا
یہ منزل اندوہ بلا کاٹ کے مرتے
گر منع نہ ہوتا تو گلا کاٹ کے مرتے

۳۰ سر دے کے شجاعانِ عرب خلد میں پہونچے
پھر راحت و آرام ہے جب خلد میں پہونچے
دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہونچے
اے واہ ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہونچے
الفت میں کوئی رونے والا ہی نہ ہوتا
اے کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا

۳۱ کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
رونے کی ہے جا مرتبہ دانی پہ ہماری
دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری
چرچا نہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا
مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

۳۲ ہتھیار کدھر پھینکیں کہاں چھپنے کو جائیں
تنہا ہیں سفارش کے لیے کس کو بلائیں
کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو بسائیں
امداد کریں شیر خدا فاطمہؑ آئیں
اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہو گا
یوں تو کوئی رخصت پہ رضامند نہ ہو گا

۳۳ زینبؑ نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری
کیا وجہ یہ کس بات پہ ہے گریہ و زاری
کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمہاری
سج لیجیے ہتھیار طلب کیجیے سواری
انصاف کرو صدقے گئی اہل وفا ہو
روکیں تو پدر پالنے والی سے خفا ہو

۳۴ کیوں کاٹو گلا غیظ سے کیوں ہونٹ چباؤ
مر جاؤں گی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ
لو رخ کی بلائیں تو میں لے لوں ادھر آؤ
تقصیر ہمیں سے ہوئی لو جانے دو بیٹا
الجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

۳۵ بانوؑ نے کہا لو انھیں یوں کون منائے
سمجھی ہیں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے
غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے
اس پردے میں پیغام جدائی بھی ہیں لائے
کچھ اُن کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

۳۶ بانوؑ کا یہ کہنا تھا کہ رخصت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل
رانڈوں میں ہیں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
اس شور میں اکبرؑ کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجادؑ حزیں چونک کے غش سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغرؑ کا عطش سے

۳۷
فضہ سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
شبیرؑ اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علیؑ اکبر کی سواری
ماں خاک اڑاتی ہیں پھوپھی غش میں پڑی ہیں
سب بیبیاں حلقہ کیے گرد اُن کے کھڑی ہیں

۳۸
فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
شبیرؑ کے پیارے علیؑ اکبر سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

۳۹
فضہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
خم ہو گیا تھا درد کمر سے قد بالا
بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤں والا
تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریباں قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

۴۰
آوازِ حزیں تھی کہ مری جان برادر
ہم آتے ہیں ٹھہرے رہو اک آن برادر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
ہم رو لیں تمھیں تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ

۴۱
عابد کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
آنکھوں کو ملا ہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
گردن میں مری ڈال دو باہوں کو برادر
شانے کے قریں زلفِ معنبر رہے بھائی
چہرہ مرے چہرے کے برابر رہے بھائی

۴۲
اے روشنیِ خانۂ زہرا ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے
اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے رہروِ فردوسِ معلیٰ ترے صدقے
گھر آج اُجڑتا ہے لٹے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلہ والوں سے چھٹے جاتے ہیں بھائی

۴۳
غربت میں مبارک تمھیں ہمراہیِ شبیرؑ
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہِ دلگیر
کیا دیکھیے واماندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
تب کیا تجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
لٹ جائے گا گھر بعد شہنشاہِ زمن کے
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے

۴۴
اے اکبرِ مہرو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے زینتِ پہلو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے صفدرِ خوش خو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے قوتِ بازو تجھے پاؤں گا کہاں میں
بے غسل و کفن آپ تو میداں میں رہیں گے
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے

۴۵
بھیّا یہ نقاہت مری اور بوجھ یہ گھر کا
عمو کا سہارا نہ تمھارا نہ پدر کا
کیا زور ہے جو حکم شہِ جن و بشر کا
غربت تو یہ اور سامنا اس لشکرِ شر کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
بچوں کو سنبھالوں گا کہ ناموسِ نبیؐ کو

۴۶ اے راحتِ جاں یاور و غمخوار ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے
دلدار مددگار پرستار ہمارے
افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

۴۷ اللہ ری ان بھائیوں کی گریہ و زاری
ماں کہتی تھی قرباں میں الفت کے تمھاری
جس طرح برستا ہے کبھی ابرِ بہاری
بس صبر کرو تپ میں غش آجائے گا واری
سہرا اسداللہ کی جانی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

۴۸ غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر
آہستہ کہا جاتے ہیں بھائی سوئے کوثر
کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبرؑ
پانی جو ملے یاد ہمیں کیجو برادر
مرکر بھی پسر قبلہ و کعبہ کے قریں ہو
تربت مری پائینِ مزارِ شہِ دیں ہو

۴۹ اس معرکے سے جب ہو وطن آپ کا جانا
کہنا کہ بہن پھر گیا ہائے زمانا
صغرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا
وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
شبیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغراؑ
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صغراؑ

۵۰ یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبرؑ دلگیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر
ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجیے تقصیر
دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس قطرہ سے تن میں مرے جاں آئیگی اماں
دوروز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی اماں

۵۱ زینبؑ نے کہا میں ہوں رضامند و ثناخواں
ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قرباں
تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبرؑ ذی شاں
لو دودھ بھی بخشا تمھیں ماں نے بدل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی ماں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی ماں

۵۲ یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینبؑ ناشاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرتِ شمشاد
ہے ہے علی اکبر کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
غل تھا کہ بہو فاطمہؑ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اس سروِ رواں کے
جس طرح کے ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

۵۳ قضا نے جو پردہ درِ دولت کا اٹھایا
ذروں پہ جو پڑنے لگا اس مہر کا سایا
خورشیدِ مبیں برجِ شرف سے نکل آیا
چلائی زمیں سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں رتبے میں ہوں چرخِ چہارم سے زیادہ
خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

۵۴ بستی مری اس نور سے ہے طورِ تجلیٰ
دامن ہے مرا حور و ملائک کا مصلیٰ
بھاری ہے ترازوئے فلک سے مرا پلّا
مجھ پر وہ مرے جس کو علیؑ سے ہے تولّا
تاحشر ہے یہ فیض شہنشاہِ ہدا کا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خدا کا

۵۵
پہونچے جو قریں شہ کے تو کی عرض کہ حضرت
فرمایا کہے دیتی ہے چہرے کی بشاشت
اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی رخصت
مسعود و مبارک سفر گلشن جنت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمہارا
بڑھ جائیں گے ہم تھامے ہوئے ہاتھ تمہارا

۵۶
اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا
کوثر کی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنا
دنیا کا شرف دولت دیں عزت عقبا
ہوں میں فقط آب دم شمشیر کا پیاسا
توقیر ملے خلق میں ماں باپ کے آگے
مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے

۵۷
نام آپ کے بابا کا ہے کونین میں شاہا
جو آپ نے طفلی میں کہا اس کو نباہا
یٰسین کہا حق نے کہا ہے کہیں طاہا
چاہا وہی مولا نے جو اللہ نے چاہا
قربان مجھے کیجئے یہ تمنائے دلی ہے
میراث خلیل آپ کو حصہ میں ملی ہے

۵۸
فرمایا الا اے پسر عاقل و دانا
جو آیا ہے اک دن اسے درپیش ہے جانا
ہے ذات خدا قادر و قیوم و توانا
آگے کوئی پیچھے کوئی ہوتا ہے روانا
وقفہ کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا
جب طے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا

۵۹
تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے
اب جاتے ہو تم بعد زوال اے مرے پیارے
دن دوپہر آیا تھا کہ عباس سدھارے
عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمہارے
تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے

۶۰
اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں سب کے
فاقے سے کئی روز کے جاگے ہوئے شب کے
لاشے ہیں لے آئے شجاعان عرب کے
ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آ جائے گا اب کے
اعدا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہونچے
میداں میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہونچے

۶۱
اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبر مہ رو
تلواروں سے مجروح ہو سر تیروں سے پہلو
جب تیروں سے غربال کریں جسم جفا جو
گھوڑے سے اتارے تو کوئی تھام کے بازو
پامال ہمیں لشکر نا اہل کرے گا
پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا

۶۲
ہر طرح گذر جائے گی اے اکبر ذی جاہ
کچھ جان چلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ
پر الفت اولاد سے عاجز ہے بشر آہ
غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں للہ
جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا
یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

۶۳
کس طرح سنبھالوں کہ دل زار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغ گرفتار نہ تڑپے
کچھ دل کی کہوں قلب جو اک بار نہ تڑپے
یوں مرتے ہوئے صاحب آزار نہ تڑپے
تازہ غم محبوب خدا ہو گیا مجھ کو
اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

۶۴
گذری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر
برچھی کبھی سینے پہ ہے نیزہ کبھی دل پر
اے لال یہ صدمہ نہیں پہونچا کبھی اوپر
گر دل ہے کلیجے پہ کلیجا کبھی دل پر
اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

۶۵
لو چھاتی سے لپٹو کہ قرار آئے جگر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسر کو
فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
برباد کیے جاتے ہو اکبرؑ مرے گھر کو
منظور یہ تھا ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

۶۶
رخصت ہوئے جب شہ سے علیؑ اکبرِ ذیشاں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخِ تاباں
گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآں
اک برق چمکتی ہوئی پہونچی سرِ میداں
زردی رخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتوے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

۶۷
سب دشت بسا پھولوں سے بو تن کی جو پھیلی
نور ایسا جہاں چادرِ مہتاب بھی میلی
فردوس میں مہمانِ خدا جن کے طفیلی
گیسو وہ کہ مجنوں ہو جنہیں دیکھ کے لیلی
اک عشق ہے ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
گر دیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی لبوں کو

۶۸
آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و خطائی
مردم کے لیے فخر ہے یاں ناصیہ سائی
دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
شیروں کو تپ آتی ہے دمِ چشم نمائی
ہاں کچھ گلِ بادام حقیقت نہیں رکھتا
نرگس وہ کہے گا جو بصارت نہیں رکھتا

۶۹
دیوانی ہوں پریاں نظر آئے جو یہ رفتار
تھم تھم کے اٹھاتے ہیں قدم مردمِ دیدار
گو شوقِ شہادت ہے پہ عجلت نہیں زنہار
پہونچا نہ سلیماں سے کبھی مور کو آزار
لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو
دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

۷۰
پیشانی پہ ٹھہرے یہ نظر کو نہیں یارا
دشمن کے لیے تیغ ہے ابرو کا اشارا
سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا
پلکیں بھی ہیں خونریزیِ اعدا پہ صف آرا
خال ایسے کہ اختر بھی شرماتے ہیں جن سے
آنکھیں وہ ہرن شیر دبک جاتے ہیں جن سے

۷۱
وہ شان وہ شوکت وہ تہور وہ جلالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت
چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیرِ اصالت
اقبالِ علیؑ شانِ شہنشاہِ رسالتؐ
دیکھا جو وہ رخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

۷۲
جو رخ میں صباحت وہ کہاں نورِ سحر میں
تابندہ زرہ حضرتِ داؤدؑ کی بر میں
چشم اسداللہ کا سب رعب نظر میں
کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں
شوکت اسداللہ کی تصویر بنی تھی
داؤدؑ کی آواز تھی تقریر نبیؐ کی

بھیگی ہیں مسیں سبزۂ خط بھی ہے نمودار وہ فصلِ شباب اور وہ رنگِ گلِ رخسار	۷۳	گویا کہ خضر آبِ بقا کے ہیں طلب گار دندان وہ سب الماس سے لب لعلِ گہر بار
یاں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے		تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے
کس حسن سے لب پر ہے ستائش اب وجد کی نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی	۷۴	اعدا کو دکھاتے ہیں وغا بدر و اُحد کی توڑا ہے درِ قلعہ کو شدت میں رمد کی
گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے		ہلکا تھا وہ در دستِ مبارک میں سپر سے
تھا فوج کو خندق سے اترنے میں تامل جب تک نہ گئی فوجِ نبی قلعہ میں بالکل	۷۵	خندق کا اسی در کو بہادر نے کیا پُل تھامے رہے اک ہاتھ سے در صاحبِ دُلدل
وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر		مولا کے قدم تھے پرِ جبریلِ امیں پر
تقسیمِ غنیمت سے ہوئی جب کہ فراغت فولاد ہوا موم زہے زورِ ولایت	۷۶	پھر توڑ کے اس در کو لگے بانٹنے حضرت کس میں تھی سوا بازوئے احمدؐ کے یہ طاقت
سب ٹکڑے برابر تھے عجب عدل و کرم تھا		تولا تو نہ جو بھر یہ زیادہ نہ وہ کم تھا
آغازِ رجز تھا کہ ہوئی تیروں کی بوچھار تلوار کا کھنچنا تھا کہ تھا فوج میں رہوار	۷۷	شہزادۂ عالم نے بھی لی میان سے تلوار رہوار کی چل پھر میں صفیں پس گئیں دو چار
اس شان سے لختِ دلِ شیرِ صمد آیا		گویا صفِ آہو پہ یکایک اسد آیا
ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے	۷۸	ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری نسلِ یداللہ لڑے گا		تر ہوگی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑے گا
تلوار تھی جرّار کی یا قہرِ خدا تھی بجلی جو ادھر تھی تو ادھر سیلِ فنا تھی	۷۹	سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی تو جدا تھی تلوار بھی یوں سر پہ جب آئی تو قضا تھی
بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اس کی		چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اس کی
جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اس کو جو آگے بڑھا غول سے بے جاں کیا اس کو	۸۰	مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اس کو بخشی جسے جاں بندۂ احساں کیا اس کو
بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی		مارا اُسے دیسند ارنہ تھا نسل میں جس کی
کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمتِ عالی جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی	۸۱	دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیرِ بلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا		تھا شور کہ مینھ آج برستا ہے سروں کا

۸۲ آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور
بیجاں کوئی سرکش کوئی بدکیش لبِ گور
ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
کر دیتی تھی تابندگیِ برقِ دو دم کور
سوفار کو چلّے سے ملانا کسے سوجھے
رُخ پھر گئے ہوں جب تو نشانہ کسے سوجھے

۸۳ کیا حرب تھی قربانِ جگر گوشۂ شبیرؑ
آیا جو کماں لے کے کمیں سے کوئی بے پیر
نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
گوشہ تھا نہ چلّہ تھا نہ حلقہ تھا نہ زہ گیر
جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
قبضے سے کماں ہاتھ کلائی سے جدا تھا

۸۴ یا شیرِ خدا کہہ کے جب اعدا میں در آئے
یوں غیظ و غضب میں ادھر آئے ادھر آئے
انبار تن و سر کے دو رستہ نظر آئے
جیسے صفِ آہو کی طرف شیرِ نر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے بھی نہ ہٹ کر
گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پہ اُلٹ کر

۸۵ کٹ کٹ کے ہر ایک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زین سے تھی جو مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

۸۶ نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ
نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز زہے ضرب کی زہ سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زرہ سے

۸۷ واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
قرنا کی وہ آواز وہ کڑکیتوں کا کڑکا
اک غل تھا کہ دولاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے
سر جسم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

۸۸ اللہ ری زباں آوری تیغِ بلا نوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لبِ دریا بھی تھے خاموش
زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
باڑھ ایسی کہ تھیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے تھے گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی تھے چکر میں روانی سے اسی کی

۸۹ ناہیں وہ کہ شہ رگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں
جوہر وہ کہ حلقہ کسی جوشن میں نہ چھوڑیں
دشمن کا گلا قلعۂ آہن میں نہ چھوڑیں
پٹے وہ قیامت کے لہو تن میں نہ چھوڑیں
منہ وہ ہے کہ دم سے شطِ خوں بہتی ہے جس کے
قبضہ وہ ہے قبضہ میں ظفر رہتی ہے جس کے

۹۰ بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی
دعویٰ تھا مگر بھول گئے ہرزہ درائی
پھر تیغ نے بجلی صفِ اعدا پہ گرائی
چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
یہ مرگِ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

۹۱
شمشیر کے اک جزو سے ہے شیر جو ہم نام
تھم جاتی ہے بجلی مگر اس کو نہیں آرام
رعب اس نے یہ پایا ہے کہ تھراتے ہیں اندام
گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہے وہ صمصام
مریخ لرزتا ہے تو جوہر سے اسی کے
شیروں کو چڑھی رہتی ہے تپ ڈر سے اسی کے

۹۲
چار آئینہ یوں کٹتے تھے اک ایک جواں کے
سہمے تھے کمانداروں کے دل خوف سے جاں کے
جس طرح کہ مہتاب میں ٹکڑے ہوں کتاں کے
چلہ نہ کھنچا تھا کہ یہ تھی سر پہ کماں کے
چلاتے تھے سب مثل اجل آتی ہے یہ تو
سیفی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہے یہ تو

۹۳
لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا
یہ شیر بھی شمشیر دودم تول کے آیا
اڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا
حق جس کی طرف وہ زبردست رہا ہے
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

۹۴
ہم چشم تھا ابروے حسینوں کے خم اس کا
ناگن بھی اترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اس کا
اللہ ری چمک برق بھی بھرتی تھی دم اس کا
ہر ہاتھ میں ہاتھ اس کا تو بازو قلم اس کا
جوہر کی چمک تھی نہ ہیروں کے نگوں میں
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

۹۵
اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر
ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کماں پر
گہ سر پہ کبھی ڈھال پہ اور گاہ سناں پر
کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

۹۶
لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر
پائے نہیں اب تک کسی حربے نے یہ جوہر
عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
ذکر اس کی برش کا جو مسافر کے ہو لب پر
قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
کیسی ہی کڑی راہ ہو اک آن میں کٹ جائے

۹۷
معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر
بھٹکی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر
ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
جب اٹھتا تھا سر حمد خدا کرتی تھی شمشیر
مریخ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

۹۸
ہل چل میں یہ صف گرتی تھی جب صف پہ ادھر کی
بھولا ہوا تھا باپ محبت کو پسر کی
نہ ہوش تھا تن کا نہ خبر تیغ و سپر کی
بھاگے تو یہ سمجھے کہ سم پاؤں نے سر کی
مرتے تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
کرتے نہ مدد پاؤں تو سر تن پہ نہ ہوتا

۹۹
سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
زہرہ کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا
یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ پلٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برچھیوں پہ تیرتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھتا ہے گھوڑا

۱۰۰ آفت میں زمانہ تھا تلاطم میں خدائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش سر پہ جب آئی
چلاتی تھیں پریاں کہ سلیماں کی دہائی
ہر صف کو دکھا دیتا ہے ہاتھ اپنی صفائی
وہ جور تھا نالوں سے جو توسن پہ چڑھا تھا
اسوار تو اسوار فرس رن پہ چڑھا تھا

۱۰۱ ہر نعل تھا غیرت دہ تیغ صفہانی
کف منھ سے گراتا یہ غضب کی تھی نشانی
جب ٹاپ پڑی خاک سے پیدا ہوا پانی
تیزی یہ ہوا میں تھی نہ دریا میں روانی
یوں رکھتا تھا آہستہ قدم دوش صبا پر
بوئے گل تر جاتی ہے جس طرح ہوا پر

۱۰۲ سرعت میں تگ و دو میں چھلاوے سے زیادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ
باگ اس کی تھی کیا جو دل راکب کا ارادہ
تیار کفل تنگ کمر سینہ کشادہ
شعلہ ہوا لپکا جو ذرا غیظ میں آ کے
بجلی کی رگیں آگ کا دم پاؤں ہوا کے

۱۰۳ جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا تن کے
رشک مہ نو گردن پر نور کے من کے
سر اپنا پٹک دیتے تھے طاؤس چمن کے
جم جم کے اڑا وہ تو اڑے ہوش ہرن کے
پامال ہوا جاتا تھا دل کبک دری کا
گھوڑے کی اچانک کہ جھگڑا تھا پری کا

۱۰۴ کر لاکھ مدد گردش ایام کو پہونچے
دال پہنچے پہ اور صبح نہ اتمام کو پہونچے
کب سرعت شبدیز سبک گام کو پہونچے
جس بن میں نسیم سحری شام کو پہونچے
وقفہ کہیں یہ اسپ سبک پے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کو یوں طے نہیں کرتا

۱۰۵ آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی
گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر حور کہوں حور یہ صورت نہیں رکھتی
یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پاک ہوا کی
بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے خدا کی

۱۰۶ پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی
اس زور سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی
ان پھرتیوں سے باد بہاری نہیں چلتی
چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

۱۰۷ جس وقت دغا کا نہ رہا ایک کو یارا
دو لاکھ سے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا
خیمے سے نکل کر پسر سعد پکارا
اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمھارا
جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

۱۰۸ یہ سنتے ہی غیظ اک یل غدار کو آیا
بس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا
میداں میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
دل بند ید اللہ سے پیکار کو آیا
کافر تھے پہ سر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے

۱۰۹
رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرا
بدکار جہاں حسن لیاقت سے معرا
خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرا
گردن کھٹی ازل سے تہ شمشیر تبرا
پرہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گذر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

۱۱۰
وہ خود تہمتن سے بھی جس کا نہ اٹھے بار
اژدر تو خود اور مار سیہ نیزہ خوں خوار
چار آئینہ اک قلعہ فولاد کی دیوار
وہ گرز گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منھ مڑتا تھا جس سے

۱۱۱
کافر نے رجز پڑھ کے تنگا در کو نکالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت وغا میں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

۱۱۲
ہر طعن میں یاں مڑ گئے واں اڑ گئے رہوار
پہلو میں جو کوئی کھا کے جھجکنے لگا غدار
نقطہ پہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے سے وہ جرار
کیا بند بند تختۂ دل عقدہ کشا پر
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی دانہ ہوا پر

۱۱۳
غصے میں کمان لے کے بڑھا سرکش بے پیر
پنجہ تھا کہ سرپنجہ ضرغام عدو گیر
سر پر تھا عقاب علی اکبر صفت تیر
غل تھا کہ زہے زور جگر گوشۂ شبیر
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہ نو کو

۱۱۴
پھر گرز گراں شیر کو غدار نے مارا
چمکا جو تبرزیں ملک الموت پکارا
اس ضرب کو رد کرکے بڑھا شاہ کا پیارا
لو قطع ہے اب نخل حیات ستم آرا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بر میں
دو ٹکڑے ہوا گرز گراں ایک تبر میں

۱۱۵
خفت ہوئی کہ جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے
روباہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
پھر گرد سے خاک اڑ کے اگر عرش پہ چھائے
ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

۱۱۶
اکبر نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے
دم لے کے بس اب میان سے شمشیر دو دم لے
بے تیرے بڑھے وار کریں ہم تو قسم لے
کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

۱۱۷
مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی جھنکار
دلچسپ نہیں ظرف طلا کار کی جھنکار
بھاتی ہے نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار
کانوں کو بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار
وارفتہ اسی کی ہے زرہ ڈھال اسی کی
کٹتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

۱۱۸ بے طول عمل نیزۂ خطی کا ہلانا
گرز فقط بار گراں دوش پہ لانا
کرتی ہے کماں تیر سفاہت کا نشانا
لوہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

۱۱۹ خوشتر ہے خم اس کا خم ابروئے صنم سے
پایا ہے رہِ راست کو تلوار کے خم سے
بت اس نے نکالے ہیں اشارے میں حرم سے
سیکھے کوئی آتش نفسی تیغ دو دم سے
دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
سیفی کی دعا ورد زباں رہتی ہے اس کو

۱۲۰ تلوار سے کانپا کیے کفارِ عرب سب
سرتا بقدم عمرو بھی تھا جسمِ مرکب
دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب
ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے ولی کی
اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علیؑ کی

۱۲۱ سرسبز کیا گلشن اسلام اسی نے
شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے
کعبہ سے جدا کر دیے اصنام اسی نے
قبضہ میں کیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کیے خاقان جہاں حرب سے اس کی
جاری ہوا سکے کا چلن ضرب سے اس کی

۱۲۲ آفاق میں اک دبدبہ شاہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے
آغاز ہے ملکوں کی تباہی کا اسی سے
میٹھا ہے عمل شیر الٰہی کا اسی سے
یاد اُن کو نہ بھولی کوئی دم تیغ علیؑ کی
جبریلؑ بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علیؑ کی

۱۲۳ چار آئینہ مردوں کے لیے دفع ضرر ہے
گر ہاتھ کی زینت ہے سگے زیب کمر ہے
جوہر ہیں زرہ قبضۂ شمشیر سپر ہے
رکھ لیجیے پہلو میں تو آرام جگر ہے
خوش قد ہے خوش اسلوب ہے خوشرو ہے حسیں ہے
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

۱۲۴ جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی
تلوار علم کرکے جو ڈھال اس نے اٹھائی
ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ بن کی
گھوڑے کی ٹپاپوں سے زمیں ہل گئی رن کی

۱۲۵ شبدیز کو اکبرؑ نے بھی کاوے پہ لگایا
منہ کھولے ہوئے شیر پہ حملے کو سگ آیا
واں سے بھی تڑپ کر فرسِ تیز تگ آیا
پردب کے الگ زد سے گیا اور الگ آیا
لاتی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منہ پر
آسکتا ہے روباہ کہیں شیر کے منہ پر

۱۲۶ اکبرؑ نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آ کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ دغا کر
کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
کچھ اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
تو اپنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے	۱۲۷	بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے بچتے سے نہ شیروں کے شکار آکے نکل جائے
یک جا صفت سایۂ آہو نہیں تھمتا		سیماب ٹھہر جاتا ہے پر تو نہیں تھمتا
تجھ سا تو جواں لشکر بد خو میں نہیں ہے گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے	۱۲۸	ہاں زور پہ شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے فوجیں ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں		کیا تجھکو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں
نیزے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا اک ضرب تبر تھی کہ ہوا گرز دو پارا	۱۲۹	کیوں میں نے کماں چھین لی اور تیر تمھارا لڑنے پہ تبرا ہے ترے او ستم آرا
آ تیغ جوانان خوش اقبال کے اوپر		چہرے کو چھپاتا ہے جلم ڈالکے منھ پر
یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں وہ پل آیا بارے شجر جرات و ہمت میں پھل آیا	۱۳۰	اکبر نے کہا آ کہ مقام اجل آیا بس روک لے بودے کہ فرس منھ کے بل آیا
یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے		گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اصل نہیں ہے
تلواریں کھنچیں برچھیاں جھکیں علم اٹھے نظارہ کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے	۱۳۱	گھوڑوں کے تگ و پو میں برابر قدم اٹھے گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ امم اٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل سے		شبیر قریب آ گئے بیتابی دل سے
چلائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں	۱۳۲	یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میدان اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمھیں اس آن
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارا نہیں جد کو		اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو
رونے لگے اکبر یہ صدا سن کے پدر کی کی عرض دعا بس ہے شہ جن و بشر کی	۱۳۳	جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رخ شہ پہ نظر کی اس وقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے		اس شکل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے
تشویش نہ فرمائیے میں نے اسے مارا مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دو پارا	۱۳۴	آیا ہے تو جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا اللہ کی تائید ہے مولا کا سہارا
دل آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا		اس دیو سے میں سورۂ جن پڑھ کے لڑوں گا
ہر چند سن اس کا ہے زیادہ مرے سن سے بیزار ہے جن و ملک انس کو اِن سے	۱۳۵	پانی بھی لبوں تک نہیں پہونچا کئی دن سے ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ ہوئے دیو بھی جن سے
اُس حملہ سے اژدر بھی چرائے ہیں دم اب تک		مشہور ہے افسانۂ خیبر کا علم اب تک

۱۳۶ خادم کی لڑائی نہیں کچھ قابل تعریف
غم یہ ہے کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف
آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں تخفیف
ہے دھوپ کڑی سایہ میں لے جایئے تشریف
گردن سے بڑھے تیغ اب اس عربدہ جو کی
چھینٹیں نہ پڑیں قبلۂ عالم پہ لہو کی

۱۳۷ حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر
یہ بیکس و بے پر ہے مدد کرنے کو حاضر
جرأت میں نہ تم کم ہو نہ میں صبر میں قاصر
دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہے یہ کافر
تیور کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علیؑ کے

۱۳۸ ہاں داہنی طرف آنے نہ دیجو اُسے زنہار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہے یہ غدّار
گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
خود منھ کے بھل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف سوا ہے
ہاں تھام لو باگ اب کہ لڑائی کا مزا ہے

۱۳۹ یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ
پہونچا تھا جسے زور علیؑ سینہ بہ سینہ
شبیر پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

۱۴۰ لڑ جانا وہ ڈھالوں کا وہ وہ تلواروں کی جھنکار
مرحب تھا اُدھر اور اِدھر حیدر کرار
آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار
تلوار پہ تلوار تھی رہوار پہ رہوار
بجلی سی فزوں تھی تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

۱۴۱ مہمیز پہ مہمیز تھی اور کوڑے پہ کوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا
ہر مرتبہ منھ ڈالتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
زخمی ہوئے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سریاں نہیں چلتیں
یوں جھوم کے چلتے تھے کہ پریاں نہیں چلتیں

۱۴۲ سن سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی
وہ تیغ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی
وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے پھر آئی
صدر سے خالی گئی توسن سے پھر آئی
ہاں بعد علیؑ کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں ردّ و بدل ایسی

۱۴۳ غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز
بس تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرسِ تیز
شہزادے کے گھوڑے کے قریب آگیا شبدیز
جھوکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
ہوش اڑ گئے اس بانیٔ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

۱۴۴ تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا
چاروں سُم رہوار گئے صاف قضا را
بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشاد پدر تھا
نے پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

۱۴۵ معروف تھے لڑنے میں ادھر اکبرؑ دل گیر
تھراتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر
بیتاب تھے تھامے ہوئے دل حضرتِ شبیرؑ
یہ سب تری تائید ہے اے مالکِ تقدیر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسر تیسرے فاقے میں لڑا ہے

۱۴۶ ہفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں
دے صبر کہ بے تاب نہ ہوں ہجرِ پسر میں
نہ بحر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے نہ بر میں
لوٹا ہے مجھے امتِ احمدؐ نے سفر میں
فرزند جواں باپ سے منہ موڑ رہا ہے
چھوٹا جو ہے گہوارے میں دم توڑ رہا ہے

۱۴۷ طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب ہے وہ پائے
مجروح تری راہ میں ہو برچھیاں کھائے
جرأت جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پر ارماں سفر کرنے پہ روئیں
سب پیر و جواں اس کے جواں مرنے پہ روئیں

۱۴۸ یہ کہہ کے علیؑ اکبر مہ رو کو پکارے
ٹھہرو کہ پدر چوم لے ہاتھوں کو تمہارے
احسنت مرے شیر مرے پیاس کے مارے
خالی ہے علمدار کی جا اے مرے پیارے
جعفرؑ اسی کس بل سے اسی ڈھب سے لڑے تھے
خیبر میں علیؑ بھی یونہیں مرحب سے لڑے تھے

۱۴۹ بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جرار
کی عرض شہادت کی دعا کا ہوں طلبگار
تھرا گیا رہوار سے جھک جھک کے کئی بار
اب پیاس نے مارا مجھے یا سیدِ ابرارؐ
گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

۱۵۰ قوت کا ہو اضعف گھٹا زورِ جوانی
ہے دھوپ کڑی اے اسد اللہ کے جانی
اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی
جاں آئے زرہ پر جو چھڑک دے کوئی پانی
سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکرِ شر کو
ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو

۱۵۱ حضرت نے کہا پانی کا ملنا تو ہے دشوار
جلتی ہے زرہ گر تو اتارو مرے دلدار
اب دور کرو خود سے کیا تم کو سروکار
کافی ہے لڑائی میں جوانمرد کو تلوار
گر سینے دو جو ہو دھوپ میں آرام سپر سے
جو سینہ سپر ہو اسے کیا کام سپر سے

۱۵۲ کہنے کو کہا یہ پہ ہوا دل تہ و بالا
بولا یہ اُسے سونگھ کے وہ گیسوؤں والا
اک سیب ترو تازہ گریباں سے نکالا
فرزند میں جاں آ گئی اے سیدِ والا
اعجاز اسے . . . بوئے خوش نے دکھایا
پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

۱۵۳ اس سیبِ ثمن بو کی ثنا کا کسے یارا
اٹھ جائے گر اس کی طرف انگشتِ اشارا
دیدار اس کی ہے یوسف نے نہ سکندر لب کا نظارا
اللہ ری لطافت کہ وہ ہو جائے دوپارا
بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلدِ بریں میں
تو آج تلک اس کی ہے خوشبو شہِ دیں میں

۱۵۴ تسلیم کی اور اسپِ صبا دم کو اڑا کر
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبطِ پیمبرؐ
پھر ڈوب گیا فوج میں وہ شیرِ دلاور
واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہِ انور
نیزوں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

۱۵۵ ٹکڑے ہوئے تیغوں سے پہ ہمت کو نہ ہارے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے
مجروح نے اتنے نفر اس فوج کے مارے
پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
رو کے نہ پدر قتل ہو لختِ جگر ایسا
باپ ایسا ہو صابر تو جری ہو پسر ایسا

۱۵۶ لڑتے تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر
لکھا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالمِ بے پیر
سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر
برچھی جو لگی سینہ میں حالت ہوئی تغییر
اللہ رے شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

۱۵۷ ٹکڑے جو بہے خوں کے وہ ٹکڑوں میں جگر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے
غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہونچوں سے جدا تھا

۱۵۸ جس وقت ہوا دینے لگا زخم جگر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پدر کا
سینے میں رکا آ کے دم اس رشکِ قمر کا
چلائے کہ اب کوچ ہے دنیا سے پسر کا
بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
اپنے علیؑ اکبر کی خبر لیجیے بابا

۱۵۹ بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمۂ جانکاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ
اک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمھارا تھا ہمیں دے گئے بیٹا

۱۶۰ چلائے بتاؤ علیؑ اکبر کدھر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں لشکر کے در آئیں
ڈھونڈیں تمھیں اس بحر میں یا سوئے بر آئیں
تم آ نہیں سکتے تو ہمیں لاش پر آئیں
رنگ اڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد جمی تھی
تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

۱۶۱ بیٹا ہمیں پھر یا ابتا کہہ کے پکارو
ناشاد گرفتارِ بلا کہہ کے پکارو
مظلوم غریب الغربا کہہ کے پکارو
لب تشنہ و مجروح جفا کہہ کے پکارو
جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ٹلے گا
خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا

۱۶۲ مہرو علیؑ اکبر علیؑ اکبر علیؑ اکبر
گلرو علیؑ اکبر علیؑ اکبر علیؑ اکبر
دل جو علیؑ اکبر علیؑ اکبر علیؑ اکبر
خوش خو علیؑ اکبر علیؑ اکبر علیؑ اکبر
اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہووے

۱۶۳
اٹھارہواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی
یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی
کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربیؐ سے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

۱۶۴
لے آئی جو بیتابیِ دل لاشِ پسر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر
جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

۱۶۵
ہونٹوں پہ زباں رخ پہ عرق خاک پہ گیسو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیرِ سہ پہلو
پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

۱۶۶
اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آئیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آئیں
اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آئیں
اے موت ٹھہر جا پدر آئیں پدر آئیں
ارمانِ دلِ زارِ پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

۱۶۷
چلائے شہِ دیں علیؑ اکبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدر آیا
اٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
ناشاد پدر بے کس و بے پر پدر آیا
کچھ دل کی کرو بات ذرا ہوش میں آؤ
صدقے پدر آؤ مری آغوش میں آؤ

۱۶۸
منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں
گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں
گر دم ہو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں
مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
بہہ بہہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمھارا
سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمھارا

۱۶۹
کچھ منہ سے تو بولو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
رخصت بھی تو ہو لو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
آنکھوں کو تو کھولو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
لو باپ کو رو لو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
دولھا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا
ہم روتے ہیں اور تم بھی روتے نہیں بیٹا

۱۷۰
ہم آئے ہیں تو پاس ہمارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارا کرو بیٹا
اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
بولا نہیں جاتا تو اشارا کرو بیٹا
حوریں تمھیں گھیرے ہیں کہ مہمان نئے ہو
باتیں ہیں یہ کس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

۱۷۱
غش میں جو سنی باپ کی آواز پسر نے
لپٹا لیا چھاتی سے شہِ جن و بشر نے
بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اُس رشکِ قمر نے
منہ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے
فرمایا کہ قطرہ مرے جانی نہیں ملتا
مجبور ہوں اکبرؑ مجھے پانی نہیں ملتا

۱۷۲
کی عرض علیؑ آئے ہیں یا شاہِ خوش انجام
ایک جام مجھے دے کے بصد شفقت و انعام
ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
فرماتے ہیں پی لے اسے اے اکبرؑ گلفام
میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں
دونوں مجھے دیجے کہ بہت تشنہ دہن ہوں

۱۷۳
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ فرماتے ہیں حیدرؑ
گھبراؤ کہ نزدیک ہے اب چشمۂ کوثر
شبیرؑ بھی پیاسا ہے بہت اے مرے دلبر
حصہ یہ ترے باپ کا ہے اے علیؑ اکبر
دو دن سے اٹھاتے ہیں تعب تشنہ لبی کے
یہ تیسرا فاقہ ہے نواسے پہ نبیؐ کے

۱۷۴
یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری
کی عرض حضور آتی ہے زہراؑ کی سواری
منہ پھیر کے دیکھا سوئے صحرا کئی باری
پھر درد اٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
کھولے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبرؑ
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبرؑ

۱۷۵
لکھا ہے کہ نکلا علیؑ اکبر کا اِدھر دم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم
نکلی درِ خیمہ سے اُدھر زینبؑ پُرغم
تھرّاتی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے

۱۷۶
خورشید چھپا گرد اُڑی زلزلہ آیا
پھیلی تھی جہاں دھوپ وہاں ہوگیا سایا
اک ابرِ سیہ دشت پُرآشوب میں چھایا
بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
ٹوٹتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

۱۷۷
محبوبِ الٰہی کے نواسی کا تھا یہ حال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
سر پہ نہ ردا تھی نہ قصابہ تھا نہ رومال
ہرگام تھی بسمل کی تڑپ زخمیوں کی چال
ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف ردا دوش پہ اور نصف زمیں پر

۱۷۸
چلاتی تھی جنگل کی سب مجھے راہ بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہے مرا ماہ بتا دو
سیدانی ہوں رستہ مجھے للہ بتا دو
لاشے پہ کدھر ہو شہِ ذی جاہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈھنے نکلی ہوں پسر کو

۱۷۹
زینبؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہِ والا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
دامانِ عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
اے بنت علیؑ مر گیا وہ گیسوؤں والا
ٹکڑے ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ
دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبرؑ

۱۸۰
خاموش انیسؔ آگے نہیں تاب رقم کی
کیونکر کوئی روداد لکھے اہلِ حرم کی
شق ہوتی ہے چھاتی دمِ تحریر قلم کی
حقّا کہ نہایت نہیں شبیرؑ کے غم کی
مصروف بکا اشک بہانے میں رہے گا
ماتم علیؑ اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ

اے مومنو مرنے کے لئے جاتے ہیں اکبرؑ
سوکھے ہوئے لب باپ کو دکھلاتے ہیں اکبرؑ
مادر سے جدا ہونے کا غم کھاتے ہیں اکبرؑ
شہ روتے ہیں سر پاؤں پہ نیوڑھاتے ہیں اکبرؑ
کچھ بن نہیں آتا ہے شہِ جن و بشر کو
گر دیکھتے ہیں بانوؑ کو اور گاہ پسر کو

2
دشوار ہے ہم شکلِ پیمبرؐ کی جدائی
بانوؑ کی یہ اٹھارہ برس کی ہے کمائی
فرماتے ہیں پہلے مجھے کیوں موت نہ آئی
حسرت بھی کوئی اس کی نکلنے نہیں پائی
پہلے علی اکبرؑ سے یہ ناشاد مرے گی
کس طرح جواں بیٹے کو ماں صبر کرے گی

3
ہے داغ عجب یہ فلکِ پیر دکھاتا
ہے شاہ کی پیری کا عصا ہاتھ سے جاتا
بابا سے برابر کے پسر کو ہے چھڑاتا
اک عمر کی دولت پہ زوال آج ہے آتا
گرتا ہے فلک غم کا شہِ جن و بشر پر
خاموش ہیں پر برچھیاں چلتی ہیں جگر پر

4
لب خشک ہیں تر اشکوں سے آنکھیں ہیں کمر خم
بانوؑ کا جدا رنج ہے بیٹے کا جدا غم
قاسمؑ کی جدائی کا قلق بھائی کا ماتم
ہیں سخت تردد میں شہنشاہِ دو عالم
بیٹے سے بچھڑنا ہے مصیبت یہ بڑی ہے
اک جان عجب طرح کی آفت میں پڑی ہے

5
اکبرؑ کی یہ ہے عرض کہ میداں کی رضا دو
بابا مری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
اماں سے بھی رخصت مجھے مرنے کی دلا دو
کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

6
اب لطف ہے کیا جینے کا سب کٹ چکا لشکر
عباسؑ علمدار سے گئے جانب کوثر
کام آئے پھوپی زاد ... چچا زاد ...... برادر
نام اپنا ہو روشن جو کٹے شمع صفت سر
ہے للہ نہ اب آہ و بکا کیجیے بابا
اکبرؑ کو بھی امت پہ فدا کیجیے بابا

7
ہے میرے سوا کون جو ہو آپ پہ قرباں
فرماتے ہیں حضرت یہ نہ ہوگا کسی عنواں
عابدؑ ہے سو بیمار ہے اصغرؑ ہے سو نادان
اے جانِ پدر پہلے ہمیں ہونے دو بیجان
جب لاش مری رن سے اٹھا لائیو بیٹا
پھر شوق سے مرنے کے لیے جائیو بیٹا

8
بیکس کی رفاقت کو نہ چھوڑو مرے جانی
گو پیاس بہت ہے مجھے اے یوسفِ ثانی
پیری میں اٹھے گا نہ ترا داغِ جوانی
ہم نے بھی تو دو روز سے پایا نہیں پانی
بابا سے جدا ہونا گوارا نہ کرو تم
کوثر کے لیے ہم سے کنارا نہ کرو تم

9
اس واسطے پالا تھا تجھے اے مرے دلدار
دم آنکھوں میں جب آئے تو دیکھیں ترا دیدار
مظلوم پدر کے دمِ آخر ہو مددگار
مرجائیں تو تم قبر کرو باپ کی تیار
مختار ہو گھر بار کے عاقل ہو جواں ہو
فرزند پیمبرؐ کے تمہیں فاتحہ خواں ہو

۱۰ ماں باپ کا مرنا تو ہے میراث مری جاں
ہونے گا نہ مجھکو یہ گوارا کسی عنواں
سو باپ تو جیتا رہے فرزند ہو بیجاں
مرنے کو تمھیں جانے دوں نہ کہ سوئے میداں
تم جیتے رہو روح مری شاد رہے گی
اور بانوئے مغموم بھی آباد رہے گی

۱۱ سن کر یہ سخن شاہ کا رونے لگے اکبر
میں زندہ رہوں آپ کے تن پر سے کٹے سر
کی عرض کہ فریاد ہے یا سبط پیمبر
اے قبلۂ دیں ہو یہ گوارا مجھے کیونکر
حضرت کی جدائی کا نہ میں داغ سہوں گا
صدقے نہ ہوا گر تو کہیں کا نہ رہوں گا

۱۲ کہنے لگے سن کر یہ سخن سیدِ ابرار
پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دلدار
بیٹا تری تقریر سے ہم ہو گئے لاچار
لپٹا کے گلے سے شہ والا نے کیا پیار
فرمایا کہ تڑپاؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو
اچھا یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو

۱۳ بانو بھی کھڑی دور سے سنتی تھی یہ تقریر
کیا ذکر مرا کرتے ہو کیا ہوتی ہے تدبیر
سرور سے لگی کہنے کہ اے حضرت شبیر
شہ نے کہا بے آس ہمیں کرتی ہے تقدیر
آتی ہے خزاں باغ اجڑتا ہے ہمارا
فرزند جواں ہم سے بچھڑتا ہے ہمارا

۱۴ میں چاہتا ہوں لال رہے تیرا سلامت
مجھ سے تو یہ رو کے نہیں جاتے کسی صورت
بانو تری دولت پہ مگر آتی ہے آفت
اب تم سے طلب کرتے ہیں یہ مرنے کی رخصت
کیونکر کہوں میں ایسی کمائی کو مٹا دو
تم چاہو رضا دو انھیں چاہو نہ رضا دو

۱۵ بانو نے کہا آپ کی کیا اس میں ہے مرضی
پیارے علی اکبر ہیں تو امت بھی ہے پیاری
حضرت نے کہا جس میں ہو امت کی بھلائی
صدقے کیا بھائی کو محبت ہے یہ اُن کی
منظور ہے سر اپنا تہِ تیغ دھروں میں
میداں میں پہلے علی اکبر سے مروں میں

۱۶ سنکر یہ سخن رونے لگی بانوئے ناشاد
دوڑو ارے لوگو مرا گھر ہوتا ہے برباد
چلائی کہ لٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد
مرجاؤں تو ہوں قید غم و رنج سے آزاد
تدبیر کرو کچھ مرا گھر لٹتا ہے لوگو
پردیس میں مادر سے پسر چھٹتا ہے لوگو

۱۷ سرور سے مرا راج ہے اکبر سے ہے اقبال
بیٹے کو جو رخصت دوں تو ہے دل کا عجب حال
وہ فاطمہ کا لال ہے یہ بانو کا ہے لال
اور روکوں تو زہرا کا چمن ہوتا ہے پامال
ہر طرح مگر غم سے اکھڑ جائے گی میری
پامال ہو یا کوکھ اجڑ جائے گی میری

۱۸ رو کر کہا اکبر نے کہ اے مادرِ غمخوار
اب دودھ ہمیں بخشو کہ ہیں مرنے پہ تیار
مانگو یہ دعا زندہ رہیں سید ابرار
اس پیاس میں ہیں جامِ شہادت کے طلبگار
کوکھ اپنی بچانے کا نہ ساماں کرو اماں
زہرا کے پسر پر ہمیں قرباں کرو اماں

۱۹
بانوؑ نے کہا صبر تو آتا نہیں واری
مرجاؤں گی اے لال میں فرقت میں تمہاری
تم نے تو چھری ماں کے کلیجے پہ ہے ماری
خیر اب یہی مطلب ہے تو منگواؤ سواری
پوری کوئی حسرت تو نکالوں علیؑ اکبر
آؤ تمہیں دولھا تو بنا لوں علیؑ اکبر

۲۰
اکبرؑ نے کہا اس سے ہے کیا فائدہ اس آن
اٹھ جائیں گے ہم خلق سے ناشاد پڑا ارمان
غم ہوگا زیادہ تمہیں یہ دیکھ کے اماں
بہتر تو یہ ہے چاک کرو میرا گریبان
نے جوڑا نہ سہرا نہ دلھن چاہیے مجھ کو
اب گوشۂ قبر اور کفن چاہیے مجھ کو

۲۱
لاشے کے اٹھانے کا جو ساماں ہو.... میسر
یاد آؤں گا جس وقت تو رونا یہی کہہ کر
سہرا مرے تابوت پہ تم باندھیو مادر
ہے ہے مرے ناشاد پڑا ارمان علیؑ اکبر
باندھی ہے کمر گلشنِ ہستی سے سفر پر
بس ہے یہی شادی کہ تصدق ہوں پدر پر

۲۲
کہہ کر یہ سخن ماں کو کیا آخری مجرا
روتا ہوا ہم شکل نبیؐ خیمے سے نکلا
ناموسِ محمدؐ میں قیامت ہوئی برپا
شہ نے کہا اے لعل خدا کو تمہیں سونپا
فرقت تری قسمت مجھے دکھلاتی ہے بیٹا
تم جاتے نہیں جان چلی جاتی ہے بیٹا

۲۳
اکبرؑ سوئے جنگاہ چلے چھیڑ کے رہوار
تھا مستعدِ جنگ زبس لشکرِ کفار
اور رہ گئے دل تھام کے در پر شہ ابرار
میداں میں پہونچنا تھا کہ چلنے لگی تلوار
تھے روکتے اُس فوج کے ریلے علیؑ اکبر
لڑتے تھے ہزاروں سے اکیلے علیؑ اکبر

۲۴
تھے غول زرہ پوشوں کے کھینچے ہوئے شمشیر
تانے ہوئے نیزوں کو پس پشت تھے بے پیر
پڑتے تھے کمیں گاہ سے باراں کی طرح تیر
اور بیچ میں تھے تیغ بکف اکبرؑ دلگیر
دکھلا دیا تھا جنگِ شہنشاہِ نجف کو
جب کرتے تھے حملہ تو الٹ دیتے تھے صف کو

۲۵
واں معرکہ آرا تھے جناب علی اکبرؑ
غل ہوتا جو میداں میں تو کہتے تھے تڑپ کر
روتے تھے کھڑے سبطِ نبیؐ خیمے کے در پر
اے بارِ خدا مشتی ہے تعصب پر پیمبر
تو صبر عطا کر کہ نہ فریاد کروں میں
بھولوں علیؑ اکبر کو تجھے یاد کروں میں

۲۶
یارب علیؑ اکبر پہ ہے بچپن سے مرا پیار
اٹھارہ برس پالا ہے الفت سے ہوں ناچار
سو آگے مرے برچھیاں کھاتا ہے یہ دلدار
ہے مرگ جواں بیٹے کی شبیرؑ پہ دشوار
تیغوں سے بچاتا نہیں میں اپنے جگر کو
کرتا ہوں فدا نانا کی امت پہ پسر کو

۲۷
تھی شہ کی وہ مشکل اور یہ تھا بانوؑ کا نقشا
کہتی تھی کہ اے بیبیو ہے ہے میں کروں کیا
روتی تھی کھڑی تھامے ہوئے خیمہ کا پردا
آنکھوں سے مجھے اب تو دکھائی نہیں دیتا
فرزند مرا گھر گیا ہے فوجِ ستم میں
اب نیزے سے کٹتا ہے کلیجا کوئی دم میں

۲۸
پردے کو اٹھا کر کبھی سوئے در کو سناتی
اب خیمے سے سر ننگے ہوں میں بھی چلی جاتی
ہے مامتا کی آنچ کلیجے کو جلاتی
کچھ ایسا قلق ہے کہ پھٹی جاتی ہے چھاتی
زندہ علیؑ اکبر کو میں پھر پاؤں گی صاحب
جیتا نہیں ملنے کا تو مر جاؤں گی صاحب

۲۹
فضہ سے یہ کہتی تھی کہ میداں کی طرف جا
احسان ترا ہوئے گا اکبرؑ کو بلا لا
کہیو کہ چلو خیمے میں واں حشر ہے برپا
مادر کو اٹھا لو گے تو پھر آن کے لڑنا
صدمہ نہ جدائی کا اٹھا مر گئی بانوؑ
جلدی چلو دنیا سے سفر کر گئی بانوؑ

۳۰
یہ حشر تھا جو رن سے صدا آئی یہ ناگاہ
گھوڑے سے پسر گر پڑا جلد آئیے یا شاہ
اکبرؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہ ذی جاہ
مقتل میں نظر آیا نہ وہ چودھویں کا ماہ
گھبرائے ہوئے چاروں طرف پھرتے تھے شبیرؑ
بسمل کی طرح اٹھتے تھے اور گرتے تھے شبیرؑ

۳۱
دل پکڑے ہوئے ہاتھوں سے گہہ نہر پہ جاتے
روتے ہوئے جوں ابر کبھی واں سے پھر آتے
اعدا کو کبھی ہاتھ اٹھا کر یہ سناتے
کیا بغض ہے لاشہ نہیں اکبرؑ کا بتاتے
دریا میں جو لاشے کو بہایا ہو تو کہہ دو
اس چاند کو مٹی میں چھپایا ہو تو کہہ دو

۳۲
جو لاش نظر آتی تھی کہتے تھے یہ جھک کر
قربان میں گر تم ہو تو بولو علی اکبرؑ
آتی نہ صدا کچھ تو یہ فرماتے تھے رو کر
آنکھوں سے بصارت بھی گئی وائے مقدر
صورت نظر آنے کی نہیں نورِ نظر کی
کاہے کو بتائے گا کوئی لاش پسر کی

۳۳
حضرت کے رلانے کو عدو کہتے تھے ہنس کر
یا شاہ کسے ڈھونڈھتے ہو مر گئے اکبرؑ
تن ٹکڑے ہوا تیغوں سے خنجر سے کٹا سر
مردے کا تفحص ہے عبث یا شہِ صفدر
جیتا تو نہ وہ ماہ لقا ہاتھ لگے گا
لاشے پہ جو پہنچو گے تو کیا ہاتھ لگے گا

۳۴
شہ کہتے تھے بیٹے کا پتہ مجھ کو بتا دو
سیدؑ ہوں دعا دوں گا بس لاشہ ہی دکھا دو
جلتا ہے کلیجہ اُسے چھاتی سے لگا دو
اب یوسفِ گم گشتہ کو باپ سے ملا دو
مادر کو بھی اک عشق ہے اس نورِ نظر سے
بیٹا نہ ملے گا تو نکل آئے گی گھر سے

۳۵
اکبرؑ کا پتا جبکہ کسی نے نہ بتایا
صحرا کو چلا حیدرؑ کرار کا جایا
فرزند کو جنگل میں تڑپتا ہوا پایا
چلائے کہ کیا حال ہے بیٹا پدر آیا
اٹھارہ برس بعد ہمیں چھوڑتے ہو آہ
بیٹا پڑے اس خاک پہ دم توڑتے ہو آہ

۳۶
بیٹا میں تو آ جاتا ہوں آواز سناؤ
ہم آنے لگے ملنے کو ہاتھوں کو اٹھاؤ
برچھی کا کہاں زخم لگا مجھکو دکھاؤ
گر اٹھ نہیں سکتے تو مری گود میں آؤ
بچپن میں پھرا ہوں تمہیں کاندھے پہ چڑھا کر
لیجاؤں گا اب لاش کو چھاتی سے لگا کر

۳۷ آغوش میں یہ کہہ کے جو اکبرؑ کو اٹھایا
تب کوٹ کے چھاتی پہ شہِ دیں نے سنایا
اور زخم کلیجے کا پسر کے نظر آیا
یہ حال ہے فرزند کا فریاد خدایا
لوٹا مجھے امت نے محمدؐ کی دغا سے
کاٹا ہے کلیجے کو مرے تیغ جفا سے

۳۸ اکبرؑ نے سنی غش میں جو یہ باپ کی زاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری
بیتابیِ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری
اصغرؑ کو سکینہؑ کو برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

۳۹ یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدرؑ
دادی مری پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر
کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبرؑ
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خدا کی

۴۰ یہ کہتے تھے جو درد ہوا چھاتی میں ناگاہ
اک آہ کی اور گلشنِ فردوس کی لی راہ
آغوش میں بابا کے تڑپنے لگا وہ ماہ
چلائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ذی جاہ
لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا

۴۱ اے لال کہاں سے تمہیں اب ڈھونڈ کے لاؤں
پوچھے تمہیں بانوؑ تو میں کیا اس کو بتاؤں
بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں
ماتم میں ہمیں اپنے رلایا علی اکبرؑ
تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا علی اکبرؑ

۴۲ خاموش انیسؔ اب کہ ہوئی شدتِ زاری
رو رو کے دعا مانگ کہ اے ایزدِ باری
خادم کے ابھی آنسو ہیں غم شاہ میں جاری
کر رحم کہ مجھ پر الم و رنج ہے طاری
میں واسطہ دیتا ہوں حسینؑ ابنِ علیؑ کا
محتاج نہ کیجو مجھے دنیا میں کسی کا

سلام

۱ غمِ حسینؑ میں رہ مجرئی ثواب یہ ہے
سمجھ نہ اشک کو اشک آبِ جوئے خوش آب یہ ہے

۲ لحد میں دیکھیو داغِ حسینؑ کی ضو کو
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے

۳ حسینؑ کہتے تھے کیونکر نہ روؤں اکبرؑ کو میں
خدا گواہ کہ لاکھوں میں انتخاب یہ ہے

۴ امام کہتے تھے مہماں تھا حرؑ مگر افسوس
ضیافت اس کی نہ کچھ ہو سکی حجاب یہ ہے

۵ رگڑ کے ایڑیاں قاسمؑ نے وقتِ نزع کہا
عدم کے ہیں سفری اپنا پا تراب یہ ہے

۶ سینہ کی لاش پہ روئے پکار کر نہ بنی
حیا و شرم اسے کہتے ہیں زہے حجاب یہ ہے

۷ زمیں کو جھاڑ کے بانوئے کہتی تھی زہراؑ
چھپے نہ کچھ مرے بچے کا فرشِ خواب یہ ہے

۸ سوال خط کیا قاصد نے جب تو شہ نے کہا
جواب زیست نے ہم کو دیا جواب یہ ہے

۹ ملا نہ مالکِ کوثر کو ایک قطرۂ آب
ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے

۱۰ دکھا کے حاکم کوفہ کو شمر کہنے لگا
بہن حسینؑ کی زینبؑ جگر کباب یہ ہے

۱۱ سوال آب جو کرتے تھے شہ تو دشمنِ دیں
لگا کے تیرِ ستم کہتے تھے جواب یہ ہے

۱۲ ملک یہ کہتے تھے گردوں پہ وقتِ قتلِ حسینؑ
جفا و جور یہ ہے ظلم بے حساب یہ ہے

۱۳ سوارِ دوشِ رسولِؐ خدا کی چھاتی پر
چڑھا ہے شمر زمانے کا انقلاب یہ ہے

۱۴ پدر کو کھو کے پھرا زندہ کہتے تھے سجادؑ
کہیں گے کیا مجھے اہلِ وطن حجاب یہ ہے

۱۵ چھپا کے بالوں سے چہروں کو کہتی تھیں رانڈیں
ردا بس اب یہ ہے پردہ یہ ہے نقاب یہ ہے

۱۶ صفائی حسن کی اکبرؑ کے دیکھ بولے عدو
نگہ ٹھہرتی نہیں رخ پہ آب و تاب یہ ہے

۱۷ نہ سمجھو نقطۂ خال سیاہ ابرو پر
کتابِ حسن کی ایک بیت انتخاب یہ ہے

قطعہ

۱۸ دمِ نبرد ندا شہ کو چرخ سے آئی
کدھر خیال ہے کس فوج پر عتاب یہ ہے

۱۹ حسینؑ ضرب ہے تیری ہماری ہاتھ کی ضرب
علیؑ کے لال سے سر بر ہو کس کی تاب یہ ہے

قطعہ

۲۰ رسولؐ کہتے تھے بازو پکڑ کے حیدرؑ کا
خزینہ علم کا تو میں ہوں اور باب یہ ہے

۲۱ جسے پہونچنا ہو مجھ تک وہ اس سے راہ کرے
خطا کے اور ہیں رستے رہِ صواب یہ ہے

۲۲ لگا کے خونِ جبیں ریش پر کہا شہ نے
جہاں سے جاتے ہیں ہم آخری خضاب یہ ہے

۲۳ یزید تخت کے اوپر ہوا اور تلے سرِ شاہ
انیسؔ دیکھ زمانے کا انقلاب یہ ہے

رباعی

کس : ن مضمونِ نو کا نقشہ اترا
پژمردہ معانی کا نہ چہرہ اترا
منبر سے ہم اترے نئے مضموں پڑھ کر
ان کے لیے گویا من و سلویٰ اترا

رباعی

کانپا نہ جگر نہ دل نہ چہرا اترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اترا
ساحل پہ نہ جسکے ٹھہرے یاروں کے قدم
دو ہاتھ لگا کے ہیں وہ دریا اترا

تمام شد

مرثیہ

ہو منو مرنے کو ہم شکلِ نبی جاتا ہے
دولتِ بانوئے بیکس پہ زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
ماں تڑپتی ہے شہِ جن و بشر روتے ہیں
کس جواں بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں

۲
بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
ہوتی ہے دولتِ فرزندِ پیمبرؐ برباد
کرتے ہیں اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد
داغِ اولاد ہے یاں صبر کا مقدور نہیں
پہلے فرزند سے مر جائیں تو کچھ دور نہیں

۳
ماں کے تن جسم کی جان باپ کا پیارا ہے پسر
سربسر زیورِ خوبی سے سنوارا ہے پسر
روشنی گھر کی ہے اور آنکھ کا تارا ہے پسر
قوتِ دل ہے ضعیفی کا سہارا ہے پسر
ماں سے چھٹتا ہے پسر بیٹے سے ماں چھوٹتی ہے
کوہِ غم گرتا ہے بابا کی کمر ٹوٹتی ہے

۴
کیا چمن فصلِ بہاری میں خزاں ہوتا ہے
باغِ عالم سے عجب سروِ رواں ہوتا ہے
نرگسِ چشم نگاہوں سے نہاں ہوتا ہے
خشک بے آبی سے کیا غنچۂ دہاں ہوتا ہے
فرط سے پھاڑتا ہے گریباں قبا گل کی طرح
ماں پریشاں کیے ہیں بالوں کو سنبل کی طرح

۵
ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اجیالا ہے
تفرقہ چرخِ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
کیا کریں صبر کلیجہ ہی تہ و بالا ہے
دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہی
روح ماں باپ کی قالب سے جدا ہوتی ہی

۶
داغِ اولاد نہیں آہ اٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا
درد وہ ہے کہ زباں پر نہیں لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا
داغِ فرزند حسینؑ ابنِ علیؑ سے پوچھو
نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

۷
داغِ یوسفؑ سے ہیں یعقوبؑ پیمبر آگاہ
کہ جھکائی تھی کنوئیں دشت میں فرزند کی چاہ
آنکھیں روشن ہوئیں جب مل گیا وہ نورِ نگاہ
یاں تو فرزند کے ملنے کی توقع نہیں آہ
دشت میں چار طرف ڈھونڈھتے جاویں گے حسینؑ
اپنے یوسفؑ کو بجز حشر نہ پاویں گے حسینؑ

۸
لے گئے ذبح کو جس وقت خلیلؑ اپنا پسر
باندھی الفت کے سبب آنکھوں پہ پٹی کس کر
تا گلا کٹتے ہوئے آئے نہ بیٹے کا نظر
ذبح یاں ہوگا پسر سامنے دیکھے گا پدر
بخدا ابنِ علیؑ صبر میں لاثانی ہے
داں تو دنبہ تھا یہاں بیٹے کی قربانی ہی

۹
سوچیں سب صاحبِ اولاد کہ کیا مشکل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
زخم اکبرؑ نے نہیں کھائے پہ ماں بسمل ہے
ہاں جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

۱۰ باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شان سے شانے پہ رکھتا ہے کماں وہ ضیغم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم میں نہیں دم
تیر غم لگتے ہیں مادر کے جگر پر پیہم
تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہاں ساماں ہے
پارہ پارہ ہے جگر ماں کا پدر گریاں ہے

۱۱ ہوگا آنکھوں سے نہاں جس گھڑی وہ رشکِ قمر
زلفیں سنبل سی ہیں جو رخ پہ ادھر اور ادھر
ٹکڑے مانند کتاں ہوئے گا بابا کا جگر
خوں میں تر ہوں گی تو کیا ہوگی پریشاں مادر
کچھ نہ ماں باپ کو آنکھوں سے نظر آئے گا
نورِ چشم ایسا سلامت جو نہ گھر آئے گا

۱۲ واقعی دولتِ اولاد عجب دولت ہے
نوجواں بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
اسکو راحت ہے تو ماں باپ کو بھی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے
اس کا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہم شکل نبی سا بیٹا

۱۳ ہیں مسیں بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج میں کاٹی ہیں دکھ درد کی راتیں گن گن
منتیں مانی ہیں اور نے مرادوں کے ہیں دن
پالنے والے کو چین آئے گا کیونکر اس بن
ماں کو حسرت ہے دولھن بیاہ کے گھر لانے کی
فکر بابا کو جوانی میں ہے مرجانے کی

۱۴ ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نورِ نظر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوئی جاتی ہے کمر
بھائی کے واسطے قاسم کی دولھن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چھوٹی بہن روتی ہے

۱۵ ماں کو جانے کے لئے بانو کے جاتے ہیں کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کے لیے آنکھ چرائے ہیں کھڑے
شاہ خاموش ہیں اور بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا منھ تکتے ہیں

۱۶ دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھیے اب ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا
جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرفِ رخصت کا نہ بانو سے سنا جائے گا

۱۷ بانو کہتی تھی کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ
دیکھتی ہوں کہ ہیں حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
ان کے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیے للہ
منھ سے کچھ کہتے نہیں پاسِ ادب کرتے ہیں
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

۱۸ شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ اے نیک نہاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ ان کی ہے مراد
رازداں ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراقِ اولاد
تھا مقدر میں کہ سب ہوویں جدا ہم دیکھیں
اب بھی اٹھ جائیں جہاں سے تو نہ یہ غم دیکھیں

۱۹
سن کے یہ بانوؑ نے فرزند سے پوچھا رو رو
ہاتھ کیوں جوڑے ہو اِن ہاتھوں کے ماں صدقے ہو
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی اماں ہمیں دو
صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہوں گے ہم
دودھ بخشو ہمیں بابا پہ فدا ہوں گے ہم

۲۰
یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہو گئی زرد
مردنی پھر گئی چہرے پہ اٹھا دل میں درد
دھیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہر نبرد
دیکھ منہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد
تم سے بچھڑوں گی تو واری میں اُدھر جاؤں گی
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤں گی

۲۱
کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بھائی بھتیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاویں گے نہ دیجے رخصت
مجھکو بھی دھیان ہے یہ آپ سے لیجے رخصت
ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہیں ہم زور ہمارا کیا ہے

۲۲
سب نے قرباں کیے زہراؑ کے پسر پر فرزند
میں نے چاہا تھا کہ ہو آپ کا بھی نام بلند
کٹ گئے تیغوں سے کس کس کے جگر کے پیوند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری بات پسند
آپ کہتی ہیں نہ جاؤ تو نہ جاویں گے ہم
اپنے ہمچشموں کو پھر منہ نہ دکھاویں گے ہم

۲۳
جانیے گا سوئے یثرب تو نہ جائے گا غلام
خیمے کو لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
قید ہم ہوں گے نہ لڑنے کا یہی ہے انجام
آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

۲۴
آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
پائنتی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
حشر تک ہمکو عزادار جہاں میں روتے
جو یہ منظور نہیں آپ کو منظور نہیں
اب بھی فرماؤ تو میدان وغا دور نہیں

۲۵
بولی ماں ہو گئے آزردہ میں واری بیٹا
باپ پیارا ہے تمھیں ماں نہیں پیاری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمھاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا
پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

۲۶
علی اکبرؑ مری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
ماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر فدا ہوجیو پہلے مجھے قربان کرو
میرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

۲۷
ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر
بانوؑ گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر
لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
نہیں روکوں گی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

۲۸ رو کے کہنے لگے بیٹے سے امامِ خوش خو
پھر کہا بانوؑ سے اب مرنے کی رخصت انھیں دو
ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہ ہو
تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو
یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجہ میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

۲۹ تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گو رنج و تعب
اس کا میں کون ہوں تم کون ہو جو مرضیِ رب
بانوؑ نے خواہشِ تقدیر سے ناچار ہیں سب
زور کیا جس کی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب
اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق میں داغ دکھانے کو ہمیں آئے تھے

۳۰ شہ نے سمجھایا تو بانوؑ نے کہا یہ رو کر
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نہ جاؤ اکبرؑ
کیوں کمر کھولتے ہو غصہ سے صدقے مادر
خیر جو مرضی ہو اچھا کرو دنیا سے سفر
اب تو راضی ہوئے مادر سے میں واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمھاری بیٹا

۳۱ سن کے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہے کیا
جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا
غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مر جائے گی
ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گزر جائے گی

۳۲ کہہ کے یہ روئی جو اس بیٹے کو چھاتی سے لگا
خاک پر سیّدِ سجادؑ نے سر دے پٹکا
غل ہوا بانوؑ نے دی مرنے کی اکبرؑ کو رضا
رونے چلانے لگیں بہنیں کہ ہے ہے بھیّا
کچھ زباں سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

۳۳ کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ مضطر ہے ہے
بانوؑ لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبرؑ ہے ہے
پاس کوئی نہیں تنہا شہِ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

۳۴ چھوڑ کر روتا انھیں خیمے سے اکبرؑ نکلے
پر عجب حال سے ہم شکل پیمبرؐ نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مڑتے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے
ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

۳۵ در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپِ عقاب
فدوی اسوار ہو لے چاہئیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہاتھ کہا شاہ سے باچشمِ پُرآب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھاموں گا رکاب
باپ کے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پہ چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

۳۶ تم ہو ہم صورتِ محبوبِ خدا اے اکرم
آج تک کرتے تھے نانا کی زیارت ہر دم
پاؤں اے لال تو آنکھوں سے لگاؤں یہ قدم
ہم سے تم چھٹتے ہو اور تم سے بچھڑتے ہیں ہم
گھر میں اٹھارہ برس تک مرے مہماں رہے
باپ کو آخری خدمت کا نہ ارماں رہے

۳۷
کہا اکبرؑ نے کہ ہیں آپ امام ابنِ امام
یہ نہ فرمائیے ہوتا ہے گنہگار غلام
گو کہ ہم شکل محمدؐ ہوں میں یا شاہِ انام
آپ ہیں جانِ نبیؐ آپ کا عالی ہے مقام
قدر حضرت کی جو ہے میری وہ توقیر نہیں
اصل کے سامنے کچھ رتبۂ تصویر نہیں

۳۸
چاہا اکبرؑ نے یہ کہکر کہ گریں قدموں پر
شہ نے لپٹا لیا چھاتی سے پسر کو رو کر
راوی کہتا ہے چڑھے گھوڑے پہ جس دم اکبرؑ
گرے غش کھا کے کئی بار اور اٹھے سرور
گر رکابِ پسرِ تشنہ جگر تھامتے تھے
کبھی دل تھامتے تھے گاہ کمر تھامتے تھے

۳۹
کبھی گردن سے لپٹ گھوڑے کی کرتے تھے بکا
کبھی کہتے تھے کہ بیٹا تری غربت پہ فدا
اے مرے قوتِ دل اے مری پیری کے عصا
اے مرے راحتِ جاں اے مری آنکھوں کی ضیا
ہائے جی بھر کے نہ تجکو مرے جانی دیکھا
اس ضعیفی میں ترا داغِ جوانی دیکھا

۴۰
ہائے جانباز مرے ہائے مرے شیر جواں
ہائے اے غنچہ دہن ہائے مرے سروِ رواں
تو نہیں جاتا ہے جاتی ہے مرے جسم سے جاں
پاؤں یاری نہیں دیتے تجھے ڈھونڈوں گا کہاں
کون لے جائے گا مجھ تک تجھے تنہائی میں
آ گیا فرق ابھی سے مری بینائی میں

۴۱
تیرے چہرے کے تصدق تری زلفوں کے نثار
جان بیتاب ہے بابا کی نہیں دل کو قرار
پھر مری چھاتی سے چھاتی کو لگاؤ اک بار
باپ مر جائے گا پھیرو نہ عنانِ رہوار
اپنی پیشانی پہ بوسے تو ذرا دینے دو
گردِ گھوڑے کے تو بیٹا مجھے پھر لینے دو

۴۲
علیؑ اکبرؑ نے کہا دے کے محمدؐ کی قسم
آپ صابر ہیں مناسب ہے تامل اس دم
ساتھ خادم کے اگر آپ بڑھا دیں گے قدم
خیمہ سے نکلیں گے سر پیٹتے سب اہلِ حرم
شہ نے فرمایا کہ قسمیں نہ دلاؤ بیٹا
خیر اللہ کو سونپا تمھیں جاؤ بیٹا

۴۳
کر کے تسلیم چلے جانبِ میدان اکبرؑ
خاک پر گر پڑے شہ تھام کے ہاتھوں سے جگر
پیک نے جا کے یہ دی لشکرِ اعدا کو خبر
آن پہونچا خلفِ شیرِ الٰہی کا پسر
ہاں جوانو دمِ پیکار ہے ہشیار رہو
شیر آتا ہے اسی رخ کو خبردار رہو

۴۴
مورچے دابو رہو تیغ زنی پر تیار
نیزہ بازو نہ کرو دیر بڑھاؤ رہوار
ہاں کماندارو نہ چلے سے جدا ہوں سوفار
برچھیاں تانے رہو پیدلو کیجو نہ فرار
شہ کو فرزند کے لاشے پہ رلانا ہے تمھیں
آج تصویرِ محمدؐ کو مٹانا ہے تمھیں

۴۵
کاٹنا ہے پسرِ فاطمہؑ کا نخلِ مراد
آج کر دینی ہے بانو کی کمائی برباد
کوئی شبیرؑ کو پیارا نہیں اکبرؑ سے زیاد
سن لو بیٹے کے لیے کرتے ہیں اب تک فریاد
ختم ہے جنگ جو اس رشکِ قمر کو مارا
بخدا باپ کو مارا جو پسر کو مارا

۴۶ ذکر یہ تھا کہ زمیں رن کی ہوئی مطلعِ نور
طور تھا اسپِ فلک سیر تو وہ شعلۂ طور
آگیا صاف نظر حسنِ محمدؐ کا ظہور
مہر تھا ذرے سے کم اس کی تجلی کے حضور
صبحِ صادق کی سی پُر نور جبیں روشن تھی
کوسوں تک حسن کے پرتو سے زمیں روشن تھی

۴۷ سرنگوں جس سے مہِ نو ہو وہ ابرو خمدار
نرگسی آنکھیں وہ جس پر دلِ مردم ہو نثار
تیرِ مژگاں وہ کہ اک پل میں کریں دل سے گذار
دیکھ کر دنگ ہو آئینہ، صفائے رخسار
نسبت اس لب سے نہیں ذہن کا یہ صرف نہیں
دہنِ تنگ میں گنجائشِ یک حرف نہیں

۴۸ آب و تابِ دُرِ دنداں سے خجل دُرِّ عدن
شعلۂ طور ہے پروانۂ شمعِ گردن
حق نے ہے آبِ لطافت سے بھرا چاہِ ذقن
سینہ ہے علمِ جنابِ احدی کا مخزن
قامتِ راست نشانِ اسد اللہی ہے
دست و بازو سے عیاں شانِ یداللہی ہے

۴۹ تیغ وہ ہے کہ کرے کوہ کو جوں کاہ قلم
صورتِ قوس ہے قبضے میں کماں مستحکم
نیزہ وہ دیکھ کے کانپے جسے مارِ ارقم
تیر ترکش کے نہیں مرغِ مناجات سے کم
ہے سپر کاندھے پہ یا شب ہے سحر کے پیچھے
یا کوئی ابر کا ٹکڑا ہے قمر کے پیچھے

۵۰ باگ ہلنے کی نہیں اسپِ فلک سیر کو تاب
ڈالے کاوے پہ جو دریا میں بشکلِ گرداب
ہو ذرا گرم تو اڑ جائے مثالِ سیماب
یہ سبک رَو ہے کہ ٹوٹے نہ کبھی سم سے حباب
نے زمیں زیرِ قدم غرب سے تا شرق رہے
رشک سے نعل در آتش بھی سدا برق رہے

۵۱ ایسا راکب کہیں دیکھا ہے نہ ایسا اسوار
کوئی اس حسن سے مرنے نہیں آیا زنہار
خوشنما جسم پہ زیور کی طرح ہیں ہتھیار
پر خزاں ہو گئی اب باغِ جوانی کی بہار
خاک پر کاٹ کے تیغوں سے گرا دیویں گے
آج اس چاند کو مٹی میں ملا دیویں گے

۵۲ اُسے کیا سوجھے گا یہ نورِ نظر ہے جس کا
دل پہ کیا گذرے گی اس کے یہ جگر ہے جس کا
ہو اندھیرا اسے دنیا یہ قمر ہے جس کا
پوچھو اس ماں کے کلیجے سے پسر ہے جس کا
در پہ خیمے کے کھڑی بیٹے کو تکتی ہوگی
آگ واں ماں کے کلیجے میں بھڑکتی ہوگی

۵۳ شمر اتنے میں پکارا کہ جوانو جاؤ
کہا اکبر نے کہ موجود ہیں ہم بھی آؤ
سرِ ہم شکلِ نبی کاٹ کے جلدی لاؤ
دخل کیا ہے جو اماں ہاتھ سے میرے پاؤ
کس طرح لڑتا ہے ہم شکلِ پیمبر دیکھو
آج شمشیرِ حسینیؑ کے بھی جوہر دیکھو

۵۴ کہہ کے یہ فوج میں ڈوبا وہ شجاعِ ازلی
تیر چلنے لگے نیزے چلے تلوار چلی
نعرہ زن تھا کہ انا ابنِ حسینؑ ابنِ علی
برقِ شمشیرِ دو دم سے صفِ کفار جلی
سر قلم ہونے لگے افواجِ ستم عاری تھی
صفحۂ خاک پہ اک جدولِ خوں جاری تھی

۵۵ خوں ریز ہستیِ اعدا کو جلاتی تھی وہ برق
فرق پر جس کے چمکتی ہوئی جاتی تھی وہ برق
نار دوزخ کی زبانہ کو دکھاتی تھی وہ برق
صاف دو کر کے زمیں میں اتر آتی تھی وہ برق
کٹ گیا ہے سپر تو شرم سے خم ایسا تھا
ڈر سے دم بند تھے کفار کے دم ایسا تھا

۵۶ خوں میں دنبالہ تک آلودہ تھی وہ ناخنِ شیر
نہ گئی پیش زبردستوں کی ایسے ہوئے زیر
غضب حق تھی حقیقت میں بظاہر شمشیر
دشمن جاں بھی یہ کہتے تھے کہ اللہ رے دلیر
شور تھا ضرب یہ ہے کاٹ اسے کہتے ہیں
باڑھ کہتے ہیں اسے گھاٹ اسے کہتے ہیں

۵۷ آبِ شمشیر سے میداں میں اٹھا تھا طوفاں
کشتیِ تن کو لعینوں کے نہ تھی جائے اماں
بحر خوں چار طرف دشت میں تھا موج زناں
تیغ کے گھاٹ جو اترا ہوا دوزخ کو رواں
کیا جگر ہیں جو ید اللہ کی اولاد کے ہیں
تیغ چلتی نہیں کیا ہاتھ بھی فولاد کے ہیں

۵۸ نابِ اس تیغ کی تھی جادۂ صحرائے فنا
خم سے دوزخ کا نظر آتا تھا سیدھا رستا
موج زن آب میں تھا قہر خدا کا دریا
پشت پر فتح دمِ جنگ تھی قبضے میں قضا
اگر پڑے کوہ پہ دو ٹکڑے برابر ہو دیں
کس سے وار اس کا رکے جس میں یہ جوہر ہوویں

۵۹ مثلِ سیماب نہ اک جا پہ تھا مرکب کو قرار
واں صفِ جنگ تھی یاں شاہ کھڑے تھے ناچار
گرتی تھی فوج پہ بجلی سی چمک کر تلوار
دل تڑپتا تھا جدائی تھی پسر کی دشوار
نہ بلایا مجھے کام ایسا کوئی کرتا ہے
جلد آواز دو بیٹا کہ پدر مرتا ہے

۶۰ کان میں آئی نہ جب نعرۂ اکبرؑ کی صدا
صوتِ تکبیر ہوئی بند یہ کیا قہر ہوا
رو کے شہ کہتے تھے مارے گئے ہے ہے بیٹا
نیزہ چھاتی پہ لگا حلق پہ تھا تیر لگا
جا کے جس غول پہ ہم شکل نبیؐ لڑتے تھے
شاہ بے زخم لگے خاک پہ گر پڑتے تھے

۶۱ تن میں رعشہ مرے آیا ہے بصارت میں خلل
باگ رو کو مری جاں باپ کا دل ہے بیکل
لڑتے بھڑتے ہوئے کیا رن سے گئے دور نکل
آؤ اب دم تو بہت لڑ چکے بابا کے بدل
کیا ہمیں بھول گئے دھیان کدھر ہے بیٹا
کچھ پدر کے بھی کلیجے کی خبر ہے بیٹا

۶۲ ماں سے یہ کہہ گئے تھے آؤں گا پھر آپ کے پاس
مر ہی جائے گی نہ توڑو مری جاں بانوؑ کی آس
نگراں ہے در خیمہ سے وہ با حسرت و یاس
بہنیں بیتاب ہیں پھوپھیوں کے بجا ہیں نہ حواس
غل ہوا شاہ کے دلدار کو مارا ہم نے
پسر سید ابرار کو مارا ہم نے

۶۳ شور یہ سنتے ہی روتے ہوئے دوڑے شبیرؑ
دل پہ اک ہاتھ تھا اور تھی یہ زباں پر تقریر
شیر کی طرح دھنسے فوج میں کھینچے شمشیر
نوجواں قتل ہوا میرا پسر بے تقصیر
عضو بیکار ہوئے گھٹ گئی طاقت میری
لوٹ لی نانا کی امت نے بضاعت میری

۶۴ ڈھونڈتے ڈھونڈتے لاشہ کو شہنشاہِ امم
ایڑیاں بیٹے کو دیکھا جو رگڑتے پیہم
آن پہونچے کہ پسر توڑتا تھا خاک پہ دم
مارے الفت کے لگانے لگے آنکھوں سے قدم
پیار سے گود میں تڑپتے کو کبھی لیتے تھے
خوں بھرے منہ پہ منہ اپنا کبھی رکھدیتے تھے

۶۵ باپ کو بیٹے کا لاشہ نہ دکھاوے اللہ
ہلتی تھی رن کی زمیں کرتے تھے اس درد سے آہ
گر کے فرزند کے پہلو میں تڑپنے لگے شاہ
متصل لب پہ تھا ہائے مرے غیرتِ ماہ
قدر کچھ امتِ احمدؐ نے نہ جانی تیری
ہائے یہ حسن ترا ہائے جوانی تیری

۶۶ ہوش میں آن کے اکبرؑ نے کہا باباجان
کھنچتی ہیں تن کی رگیں اینٹھتی ہے منہ میں زباں
اب نہیں جینے کے ہم ہیں کوئی دم کے مہماں
جان پانی میں ہے اس وقت پہ ملتا ہے کہاں
لوگ جیوں کو نہیں پانی سے ترساتے ہیں
حیف ہے خلق سے ہم تشنہ دہاں جاتے ہیں

۶۷ شہ نے فرزند کا سر زانو پہ رکھکر یہ کہا
کیا کہوں میں علیؑ اکبر نہیں پانی ملتا
اے مری جان تری پیاس کے صدقے بابا
خشک ہونٹوں سے زباں باپ کی چوسو بیٹا
دم تو ٹھہرے گا جو کم تشنہ دہانی ہوگی
کچھ تو تسکیں تجھے اے یوسفِ ثانی ہوگی

۶۸ کہہ کے یہ منہ میں زباں دینے جھکے تھے شبیرؑ
دم گلے میں جو رکا ہو گئی حالت تغییر
حلق اکبرؑ پہ کسی شامی نے مارا اک تیر
شہ کی گودی میں تڑپنے لگا وہ ماہِ منیر
شاہ چلائے نہ رحم اس کی جوانی پہ کیا
کیا ستم نزع میں ظالم مرے جانی پہ کیا

۶۹ باتیں کرتا تھا مرے زانو پہ رکھے ہوئے سر
بے گنہ قتل کیا تم نے جواں میرا پسر
باپ سے بیٹے کو کہنے نہ دیا دردِ جگر
حق سے فریاد کروں گا میں بروزِ محشر
خونِ ناحق کا غریبوں کے سزا پاؤ گے
آج بے بس ہوں میں آخر کہاں جاؤ گے

۷۰ باپ یہ کہتا تھا اور توڑتا تھا دم بیٹا
شاہ کہتے تھے پسر مرتا ہے ہے ہے کروں کیا
حلق پر تیر تھا بند آنکھیں تھیں اور منہ تھا کھلا
چاہا کتنا کہ کریں تیر کو گردن سے جدا
ایسا تڑپے علیؑ اکبر کہ سنبھالا نہ گیا
شہ سے الفت کے سبب تیر نکالا نہ گیا

۷۱ کچھ نہ بن آئی تھی حیراں تھے شہِ جن و بشر
بند تھی سانس زیادہ جو ہوا دردِ جگر
نکل سکتا تھا پیکاں نہ سنبھلتا تھا جگر
مر گئے باپ کی گودی میں تڑپ کر اکبرؑ
شاہ چلاتے تھے بے آس ہوئے ہم بیٹا
باپ جیتا رہا تم ہو گئے بے دم بیٹا

۷۲ دیکھئے کیا ہیں پھرانے میں شہِ نیک خصال
کب ردا گر گئی سر سے نہیں اس کا بھی خیال
ماں خیمے سے چلی آتی ہے کھولے ہوئے بال
کوکھ پکڑے ہوئے چلاتی ہے ہے ہے مرے لال
کبھی منہ پیٹتی ہے ہاتھوں کو ملتی ہے کبھی
کھا کے ٹھوکر کبھی گرتی ہے سنبھلتی ہے کبھی

۷۳
کبھی چلاتی ہے اے فاطمہؑ کے راحت جاں
بھڑکی ہے آگ جگر میں مرے یا شاہ زماں
تم کہاں روتے ہو صاحب مرا بچہ ہے کہاں
میری چھاتی سے لگا دو اسے تم پر قرباں
ہاتھ پھیلا کے کلیجے سے لگا لوں گی میں
مجھ سے روٹھے گا جو اکبرؑ تو منا لوں گی میں

۷۴
دخترِ فاطمہؑ پیچھے ہے کھلے سر آتی
پیچھے رو رو کے سکینہؑ ہے یہی چلاتی
بانو بیتاب ہے زینبؑ ہے پچھاڑیں کھاتی
ٹھہرو اماں کہ ردا ہوں میں تمھاری لاتی
ننھے بچوں سے بھی منھ موڑے چلی جاتی ہو
علی اصغرؑ کو کہاں چھوڑے چلی جاتی ہو

۷۵
چھوڑ کر لاش کو بیٹے کی اٹھے سرورِ دیں
کہا اکبرؑ گئے دنیا سے سوئے خلدِ بریں
آئے گھبرائے ہوئے زینبؑ بیکس کے قریں
ڈھونڈھنے نکلی ہو جس کو اسے پاؤ گی نہیں
کیا مناسب ہے کہ پردے سے نکل کر روؤ
پیٹنے والے ہیں یہاں خیمے میں جا کر روؤ

۷۶
روکے بانو نے کہا مر گئے اکبرؑ ہے ہے
تشنہ لب جانبِ کوثر گئے اکبرؑ ہے ہے
ہائے بے آس مجھے کر گئے اکبرؑ ہے ہے
داغ سینے پہ مرے دھر گئے اکبرؑ ہے ہے
دن جو شادی کے قریب آئے تو ناشاد ہوئی
محنت اٹھارہ برس کی مری برباد ہوئی

۷۷
کیا تمنا تھی مجھے اور ستم کیا دیکھا
نہ دولھن دیکھی نہ بنتے ہوئے دولھا دیکھا
وائے قسمت کہ نہ فرزند کا سہرا دیکھا
بولے شہ شکر ہے جو دیکھا سو اچھا دیکھا
جب تلک جیتے ہیں کیا کیا نہ ستم دیکھیں گے
علی اصغرؑ کا بھی لاشہ ابھی ہم دیکھیں گے

۷۸
کہا بانو نے سنبھلتا نہیں سینے میں جگر
بولے حضرت کسے دیکھو گی کہاں ہیں اکبرؑ
لاشِ اکبرؑ تو مجھے دیکھنے دو ایک نظر
لاش پر بیٹے کی ماں کا نہیں جانا بہتر
بال کھولے ہوئے بلوے میں کدھر جاؤ گی
لاش فرزند کی دیکھو گی تو مر جاؤ گی

۷۹
بانو غش ہونے لگی سن کے یہ پُردرد سخن
ڈال کر دونوں پہ جلدی سے عبا کا دامن
ایسا پیٹی کہ گری خاک پہ حضرت کی بہن
گود میں لے کے سکینہؑ کو چلے شاہِ زمن
پہونچے جس وقت بصد آہ و بکا خیمے میں
شور ہے ہے علی اکبرؑ کا ہوا خیمے میں

۸۰
کوئی کہتی تھی کہ مارا گیا ہم شکلِ رسولؐ
کوئی کہتی تھی گرا گلشنِ شبیرؑ کا پھول
کوئی کہتی تھی کہ بیکس ہوا فرزندِ بتولؑ
بس انیسؔ جگر افگار مناسب نہیں طول
کر دعا حق سے کہ عاجز ہوں گنہگار ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ سرور کا عزادار ہوں میں

سلام

۱ حسینؑ یوں ہوئے اے بجرئی وطن سے جدا
کہ جیسے بلبلِ ناشاد ہو چمن سے جدا

۲ جہاں میں پائیں گے گھر اہلِ بیت کے مزاج
صلہ خدا سے جدائیں گے پنجتنؑ سے جدا

۳ بچھڑے ہوئے تھے بلاؤں میں سیدِ سجادؑ
چھٹی تھی طوق سے گردن کمر رسن سے جدا

۴ گلے میں دیکھ کے طوقِ حدید کہتے تھے
یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

۵ وطن میں پھر کے سفر سے نہ جیتے جی آئے
عجب گھڑی تھی کہ اکبرؑ ہوئے بہن سے جدا

۶ جہاں سے اٹھ گئے حسرت بھرے بنے قاسمؑ
جہاں میں کوئی بھی دولھا ہو دولھن سے جدا

۷ بھرے رہے شہِ والا ستم کے نیزوں میں
نہ آفتاب ہوا دوپہر کرن سے جدا

۸ گھر تک کے شمرِ لعین گر نہ کھینچتا بازو
سکینہؑ ہوتی نہ لاشِ شہِ زمن سے جدا

۹ حرم میں شور ہوا شمر نے کہا جس دم
کہ باندھو بازوے زینبؑ کو اک رسن سے جدا

۱۰ شہیدِ ظلم ہیں دونوں نبی کے لختِ جگر
غمِ حسینؑ نہیں ماتمِ حسنؑ سے جدا

۱۱ نکلا گلوئے اصغرؑ سے تیر جب شہ نے
گلے سے بہنے لگا خوں جدا دہن سے جدا

۱۲ سحر سے ظہر تلک کربلا میں جنگ ہوئی
سرِ حسینؑ ہوا وقتِ عصر تن سے جدا

۱۳ سپاہِ شام سے نکلا جو حُر تو بولے ملک
وہ آفتاب درخشاں ہوا گہن سے جدا

۱۴ سکینہؑ مر گئی قیدِ ستم میں گھٹ گھٹ کے
مگر نہ چاند سی گردن ہوئی رسن سے جدا

۱۵ رسولِ حق کو نواسے سے یہ محبت تھی
کہ منھ نہ کرتے تھے شبیرؑ کے دہن سے جدا

۱۶ زمین پہ گر کے پکارے شہِ امم ہیہات
نظر جو آ گئے بھائی کے ہاتھ تن سے جدا

۱۷ کڑی ہے مرگ کی منزل مسافرو ہشیار
کھلے گا حال یہ جب ہو گی روح تن سے جدا

۱۸ فشارِ قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیسؔ
رہے نہ ذرۂ خاکِ شفا کفن سے جدا

رباعی

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا
ہر درد کے واسطے سریع التاثیر
بے سود انیسؔ ہر دوا کو دیکھا
دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

[illegible]

[illegible]

مرثیہ

غل آمدِ عباسؑ کا ہے فوجِ ستم میں
سردار جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں غم میں
روباہوں کو دھڑکا ہے کہ شیر آتا ہے ہم میں
سب کہتے ہیں آفت ہوئی نازل کوئی دم میں
کون اس سے لڑے گا وہ شجاعِ ازلی ہے
شوکت میں ہے جعفرؑ تو شجاعت میں علیؑ ہے

۲
جانباز ہے جرار ہے صفدر ہے وہ غازی
بے شبہ و شک ثانیِ جعفرؑ ہے وہ غازی
جرأت میں ہزاروں کے برابر ہے وہ غازی
اے لشکرِ پُر ستم لشکر ہے وہ غازی
لاکھوں میں یہ اس سن کا جواں ہم میں نہیں ہے
ہم کیا ہیں کہ ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے

۳
وہ شیرِ خدا دلبرِ ضرغامِ خدا ہے
دیندار ہے وابستۂ احکامِ خدا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ ہم نامِ خدا ہے
ضرب اس کی ہر ایک ضربتِ صمصامِ خدا ہے
تھرّاتے ہیں ساتوں طبق اس تیغ کے ڈر سے
لے کوہ سے رکتی ہے نہ جبریلؑ کے پر سے

۴
اس تیغ سے وقفہ ہمیں دم بھر نہ ملے گا
سر ہاتھ جو آوے گا تو پیکر نہ ملے گا
لاشے نظر آویں گے یہ لشکر نہ ملے گا
پیکر جو ملا سر تہِ افسر نہ ملے گا
آیا وہ پئے جنگ تو کب ہوش رہیں گے
چار آئینے والے نہ زرہ پوش رہیں گے

۵
اس شیر کی شمشیر ہے مفتاحِ درِ فتح
ہر گام پہ دیتی ہے شجاعت خبرِ فتح
بندوں کی طرح رہتا ہے قدموں پہ سرِ فتح
آمد سے بہادر کی عیاں ہے اثرِ فتح
آئینۂ اجلال و حشم سینہ ہے اُس کا
اقبال بھی اک خادمِ دیرینہ ہے اُس کا

۶
ہاتھ آتی کسے خلق میں اس طرح کی توقیر
کیا قدرتِ اللہ ہے اللہ ری تقدیر
ہم پنجۂ دستِ احدی بازوئے شبیرؑ
گر شیرِ خدا مصحفِ ناطق تو یہ تفسیر
بابا کی طرح صاحبِ شمشیر و علم ہیں
حرمت یہ علاوہ ہے کہ سقائے حرم ہیں

۷
الفت میں ہیں عباسؑ امامؑ دو جہاں ایک
دل ایک جگر ایک زباں ایک بیاں ایک
ان دونوں کے قالب تو ہیں دو اور ہے جاں ایک
مر جائے جو ہو ایک کی آنکھوں سے نہاں ایک
سردار ہو ایسا جو ملازم ہو تو ایسا
آقا ہو تو ایسا ہو جو خادم ہو تو ایسا

۸
ہوشیار رہو نہر سے اے مورچے والو
آمد ہے علمدار کی نیزوں کو سنبھالو
ہاں چلّوں سے تیر اے قدر انداز ملا لو
کھولو سپریں تیغ نیاموں سے نکالو
تیغ ان کے پدر کی سرِ مرحب پہ چلی ہے
عباسؑ علیؑ وارثِ شمشیرِ علیؑ ہے

۹
جس طرح کہ خیبر میں لڑے فاتحِ خیبر
سر کر دی لڑائی جو اسے کر دیا بے سر
لاکھوں سے اسی طرح لڑے گا یہ دلاور
گھٹ جائے گا زورِ بدنِ سبطِ پیمبرؐ
ٹوٹے گی کمر ماتمِ سقائے حرم میں
مر جائے گا سردار علمدار کے غم میں

۱۰
زینت وہ علم کی تو علم اُس کا حشم ہے
وہ آیۂ رحمت ہے تو یہ ابرِ کرم ہے
شوکت میں وہ افضل نہ بزرگی میں یہ کم ہے
بے مثل علمدار ہے نایاب علم ہے
دونوں کا شرف سارے زمانے پہ عیاں ہے
احمدؐ کا نشاں وہ ہے یہ حیدرؑ کا نشاں ہے

۱۱
ہو ایک طرف جمع اگر ساری خدائی
جائیں نہ بچیں گی کہ غضب کی ہے لڑائی
عباسؑ سے ہونے کی نہیں عہدہ برآئی
اور شیر کی آمد کو یہ سمجھو اجل آئی
یہ لشکرِ رومی و عراقی نہ رہے گا
دو لاکھ جواں میں کوئی باقی نہ رہے گا

۱۲
دیکھا جو عمرؔ نے کہ تزلزل میں ہے لشکر
عباسؑ جو آتا ہے تو کس بات کا ہے ڈر
یوں کہنے لگا جا کے ہر اک صف کے برابر
اے غازیو کیوں کانپتے ہو خوف سے تھر تھر
فاقے سے کئی دن کے ہے اور تشنہ دہاں ہے
یاں لاکھ نمودار ہیں واں ایک جواں ہے

۱۳
کس کس سے لڑے گا اسد اللہ کا پیارا
یہ ننگ سپاہی نہیں کرنے کا گوارا
ہے لاکھ جوانوں کو کبھی ایک نے مارا
تلواروں سے ہاں روک لو دریا کا کنارا
اولادِ علیؑ سے جو اسی طرح ڈرو گے
کیونکر پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کرو گے

۱۴
عباس تو ہے حیدرِ صفدر کی نشانی
میداں میں وہ دکھلائے گا کیا زورِ جوانی
تصویرِ پیمبرؐ ہے ابھی تم کو مٹانی
کھانا تو کہاں جس کو میسر نہیں پانی
تلواروں سے کاٹو سرِ عباسؑ علیؑ کو
بیکس کرو فرزندِ رسولِؐ عربی کو

۱۵
طالب ہو اگر زر کے تو لو درہم و دینار
باقی نہیں اب کوئی اگر ہے تو علمدار
قیمت سرِ عباسؑ کی ہوں دینے کو تیار
ہاں غازیو توڑو کمرِ سیدِؑ ابرار
خالی ہو جو دنیا پسرِ شیرِ خدا سے
بھر دوں گا سواروں کی رکابوں کو طلا سے

۱۶
منظور نہیں راحتِ فرزندِ پیمبرؐ
دیکھوں تو تڑپتا ہے علمدارِ دلاور
اک عید ہو بچھڑے جو برادر سے برادر
ہاتھوں سے کمر پکڑے چلے آتے ہیں سرور
تم لوگ انھیں لاش پہ آنے نہیں دیتے
عباسؑ کا مردہ بھی اٹھانے نہیں دیتے

۱۷
راضی ہوئے خونریزی پہ وہ زر کے طلبگار
تھے تیس ہزار اک صفِ اول میں کماندار
دریا کے کنارے پہ جمیں جا کے صفیں چار
اور اُن کے عقب برچھیاں تانے ہوئے خونخوار
دو اُن میں سوارانِ عراقی کے پرے تھے
تلواروں کو کھینچے ہوئے کاندھوں پہ دھرے تھے

۱۸
داہنی طرف اک فوج تھی بائیں طرف اک فوج
گھوڑے جو پھریرے تو نشانوں کو ملا اوج
نقارے تھے گھوڑوں پہ کہیں اک تو کہیں زوج
دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا تھا موج
تھا خوف نجوم انکدرتؔ[1] چرخِ بریں کو
رہواروں کی ٹاپوں سے تزلزل تھا زمیں کو

---

[1] اشارہ ہے اس آیۂ کریمہ کی طرف یعنی ستارے دھندلا گئے ۱۲

۱۹ ہر سمت سے ڈھالوں کی گھٹا دشت میں چھائی
جب دیکھا تو تلوار چمکتی نظر آئی
پوشیدہ تھی رہواروں کی ٹاپوں سے ترائی
دریا نے بھی تھی پیاسوں سے شکل اپنی چھپائی
نیزوں سے وہ سب دشت نیستاں ہوا تھا
اک پیاسے سے لڑنے کا یہ سامان ہوا تھا

۲۰ یہ کہہ کے سروہی کو پٹکتا تھا کوئی سنگ
یہ چلے گی جب سر پہ تو ٹھہرے گی تہ تنگ
چار آئنہ و خود و زرہ ہے مرا چورنگ
عباسؑ کے ہاتھوں کو میں کاٹوں گا دم جنگ
شادی ہے کہ گھر ہوئے گا تاراج علیؑ کا
دنیا سے مٹادوں گا نشاں آج علیؑ کا

۲۱ تھا نعرہ زناں فوج میں یوں شمر ستم گار
ہاں غازیو ہاں نہر سے ہوشیار خبردار
کھینچے ہوئے تلواریں رہو جنگ پہ تیار
آتا ہے وغا کو خلفِ حیدرؑ کرار
بڑھ بڑھ کے نہ عباسؑ خوش اوقات سے لڑنا
اُس شیر سے لڑنا تو ذرا گھات سے لڑنا

۲۲ وہ داہنی طرف برچھیوں والوں پہ اگر آئے
بائیں سے کمانداروں کی صف تیروں کو برسائے
رخ کرکے سواروں پہ اگر تیغ کو چمکائے
پہلوئے پیادوں کا پرا جاکے پلٹ جائے
اس شیر کو دریا کی ہوا کھانے نہ دینا
اس قلعۂ آہن سے نکل جانے نہ دینا

۲۳ تھی فوج اُدھر مستعدِ قتلِ علمدار
عباسؑ ادھر بچ رہے تھے جنگ سے ہتھیار
بیتاب تھے بسمل کی طرح سیدِ ابرار
بھائی کو سنبھالے ہوئے تھی زینبؑ ناچار
اٹھتے تھے کبھی اور کبھی غش ہوتے تھے شبیرؑ
زینبؑ بھی تڑپ جاتی تھی جب روتے تھے شبیرؑ

۲۴ سمجھاتی تھی صدقے ہو بہن جی کو سنبھالو
شہ کہتے تھے بیتاب ہوں بھائی کو بلالو
روٹھے ہوں جو عباسِؑ دلاور تو منالو
کہدو کہ ذرا بھائی کو چھاتی سے لگا لو
یہ کشتۂ اندوہ جدائی نہ جیئے گا
جس کے لیے مرتے ہو وہ بھائی نہ جیئے گا

۲۵ کیا مجھکو سنبھالے ہو بہن بھائی تلک جاؤ
تم کو سرِ اکبرؑ کی قسم ہے اسے سمجھاؤ
منت کرو عباسؑ کا سر چھاتی سے لپٹاؤ
بن پانی کہاں غش ہے سکینہؑ کو بلاؤ
کچھ فکر نہیں جی سے گذر جائے گا شبیرؑ
یہ داغ ہے وہ داغ کہ مر جائے گا شبیرؑ

۲۶ زینبؑ وہ جواں ہے مری پیری کا سہارا
بچپن سے میں پیارا ہوں اسے وہ مجھے پیارا
کوچ اس کا نہیں خلق سے ہے کوچ ہمارا
کس طرح کریں صبر نہیں صبر کا یارا
یہ دولتِ بیدار ڈبوئی نہیں جاتی
تصویرِ علیؑ ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی

۲۷ اس بھائی کا مرنا مجھے خالق نہ دکھائے
میں اس کو نہ روؤں وہ مری قبر بنائے
عباسؑ جنازہ مرا کاندھے پہ اٹھائے
ہاتھوں سے علمدار مجھے گاڑنے جائے
ہم پیر ہیں جینے کی ہمیں آس کہاں ہے
قابل نہیں مرنے کے ابھی وہ تو جواں ہے

۲۸
یہ کہہ کے تڑپتے تھے شہِ بے کس و بے پر
تھے مضطر و بیتاب حرم کھولے ہوئے سر
پروانہ سی گردِ شہِ دیں پھرتی تھی خواہر
دیکھا کہ چلے آتے ہیں عباسؑ دلاور
رومال تو ہے آنکھوں پہ منہ اشکوں سے تر ہے
زوجہ تو پس پشت ہے پہلو میں پسر ہے

۲۹
گودی میں ہیں مظلوم سکینہؑ کو سنبھالے
فرماتے ہیں بیٹے سے کہ اے نازوں کے پالے
اور ننھے سے ہاتھوں کو وہ گردن میں ہے ڈالے
کرتا ہے پدر تم کو سکینہؑ کے حوالے
دروازے پہ جا جا کے خبر لائیو بیٹا
شہزادی کو تم کھیل میں بہلائیو بیٹا

۳۰
سایے کی طرح تم نہ کبھی پاس سے جانا
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو سدا سامنے آنا
ان ننھے سے قدموں کے تلے آنکھیں بچھانا
یہ بیٹھے تو رومال کھڑے ہو کے ہلانا
گر قید ہو یہ بعد شہنشاہِ زمن کے
رکھ دیجیو گلا دوڑ کے حلقے میں رسن کے

۳۱
ان باتوں کو سن سن کے پسر کرتا تھا زاری
کہتے تھے سکینہؑ سے میں صدقے مری پیاری
عباسؑ کے بھی اشک تھے رخساروں پہ جاری
شفقت رہے اس پر یہ نشانی ہے ہماری
اک عبد وفادار خدام اپنا سمجھنا
تم بعد مرے اس کو غلام اپنا سمجھنا

۳۲
اشک آنکھوں میں بھر بھر کے یہ کہتی تھی وہ ناداں
بھائی کو غلامی میں دیا واہ چچا جاں
میں آپ پہ اور آپ کے فرزند پہ قرباں
کیا کہتے ہو کچھ یہ تو جدائی کا ہے ساماں
بابا کے بھی رونے کا نہ کچھ پاس کروگے
کیا ان کو یتیم اور ہمیں بے آس کروگے

۳۳
بہلاتے تھے عباسؑ بصد اشک فشانی
عاشق کہیں جاتے ہیں تو دیتے ہیں نشانی
کیوں روتی ہو تم یہ مرا مطلب نہیں جانی
ہم نہر سے بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
وہ کہتی تھی آتا ہے تو جلد آئیو عمو
کوثر پہ نہ پانی کو چلے جائیو عمو

۳۴
زینبؑ کی طرف دیکھ کے فرمانے لگے شاہ
لو بھائی کو تنہا سو کر کر ٹوٹتی ہے آہ
در پیش تھا جس بات کا دھڑکا مجھے واللہ
عباسؑ چلے مرنے تو ہم بھی ہیں سرِ راہ
خنجر کوئی رہ رہ کے لگاتا ہے جگر کو
تم دل کو سنبھالو میں پکڑتا ہوں کمر کو

۳۵
آ پہنچا قریں شہ کے علمدار قضا را
قدموں پہ جھکا بھائی کے وہ بھائی کا پیارا
آغوشِ مبارک سے سکینہؑ کو اتارا
حضرت نے کہا چھوڑتے ہو ساتھ ہمارا
سر قدموں سے سرکاؤ میں قربان برادر
لو روؤ نہ اللہ نگہبان برادر

۳۶
آداب بجا لا کے تصدق ہوئے عباس
روتے ہوئے عباسؑ چلے گھر سے بصد یاس
غش ہو گئے صدمے سے شہِ بے کس و بے آس
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چپ و راس
ٹوٹا تھا فلک زوجۂ عباسؑ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

۳۷ چلاتی تھی بے بے مرے وارث مرے والی
دم لو کہ ذرا ہوش میں آئیں شہِ عالی
لونڈی کے بھرے گھر کو کیے جاتے ہو خالی
مر جائے گی بعد آپ کے یہ پیٹنے والی
اک لحظہ مرے پاس ٹھہرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بسمل مجھے کرتے ہوئے جاؤ

۳۸ مڑ کر کہا عباسؑ نے با خاطرِ ناشاد
دنیا میں کیا حق نے تمھیں صاحبِ اولاد
صاحب ابھی لازم نہیں یہ نالہ و فریاد
کبریٰ تو ہوئی صبحِ شبِ عقد کو برباد
دیکھو گی جو اس کو تو کلیجہ نہ پھٹے گا
شہزادی کی خدمت میں رنڈاپا بھی کٹے گا

۳۹ فرما کے یہ دروازے پہ روتے ہوئے آئے
موزے قدمِ پاک میں خادم نے چڑھائے
اور بیٹھ گئے کرسی پہ ہتھیار لگائے
کرسی سے جو اٹھے تو سخن لب پہ یہ لائے
بے قصد سوئے لشکرِ کفار ہمارا
اصطبل سے لائے کوئی رہوار ہمارا

۴۰ حاضر ہوا شبدیز علمدارِ دلاور
وہ ساز کا عالم وہ گندھی چوٹیاں یکسر
جس طرح دلہن آتی ہے پہنے ہوئے زیور
پٹھولے پہ بجلی لگتی تھی کیا آہنی پاکھر
پانی جو نہ پہونچا تھا بہم تشنہ دہاں کو
غصے سے چباتا تھا دہانے میں زباں کو

۴۱ القصہ چڑھے گھوڑے پہ عباسؑ علمدار
وہ چاند سی صورت وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
بجلی کی طرح کوند گیا دشت میں رہوار
سرتا بہ قدم دبدبۂ حیدرِ کرار
تکتے تھے عدو بازوئے شاہِ مدنی کو
غل تھا کہ علیؑ آئے ہیں خیبر شکنی کو

۴۲ یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شانِ چمنِ قدرتِ باری نظر آئی
پنہاں ہوئی گرد اور کئی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
آتا تھا جری ڈالے ہوئے گھوڑے کو رن میں
تھیں پھولوں کی پٹیں کہ چلی آتی تھیں بن میں

۴۳ نورِ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا معمور
سایہ کی جگہ دھوپ تھی اور دھوپ کی جا نور
خورشیدِ فلک شرم سے تھا ابر میں مستور
اشجار بیاباں ستم تھے شجرِ طور
ذرے کا بھی تھا اخترِ اقبال چمک پر
کرتے تھے حقارت سے نظر شمسِ فلک پر

۴۴ بیت ابروؤں کی مطلعِ دیوانِ علیؑ ہے
نرگس ہے کہ نرگسِ بستانِ علیؑ ہے
اس دیدۂ حق بیں پہ فدا جانِ علی ہے
ان دو پہ تصدق ہے جو قربانِ علیؑ ہے
زیبا ہے اگر کعبۂ ایماں انھیں کہیے
گر کہیے تو سرچشمۂ عرفاں انھیں کہیے

۴۵ رنگِ گلِ خورشید ہیں رخسارۂ تاباں
ہے مہر تو ابرو کہ ہے رحل پہ قرآن
تفسیر ہے خط اور یہ رخ مصحفِ ایماں
یا صفحۂ سیمیں پہ رقم ہے خطِ ریحاں
خالق نے دلِ شب میں جگہ دی ہے سحر کو
اس حسن سے دیکھا نہیں ہالے میں قمر کو

۴۶ دُرجِ گہرِ بحرِ فصاحت یہ دہاں ہے
اس لب میں ہے جو لعل میں وہ آب کہاں ہے
با غنچۂ سربستۂ گلزارِ جناں ہے
ہیرے کی چمک گوہرِ دنداں سے عیاں ہے
تابندہ نہ کیونکر ہوں گہر ایسی صدف کے
نایاب نگینے ہیں یہ سب درِ نجف کے

۴۷ گردن بخدا نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
نور اس کا ضیا بخش شبستانِ علیؑ ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
یاں شمعِ سرِ طور بھی غیرت سے جلی ہے
حوروں کی زبانوں پہ بھی افسانہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے مہر وہ پروانہ ہے اس کا

۴۸ کس حسن سے تیار ہیں اس شیر کے شانے
بخشا ہے عجب بازوؤں کو زور خدا نے
مہتاب کو شرمندہ کیا جس کی ضیا نے
قدر اس کی بجز سبطِ نبیؐ کیا کوئی جانے
مارے جو طمانچہ تو جگر شیر کا پھٹ جائے
دو انگلیوں سے کوہ کو ریلے تو الٹ جائے

۴۹ غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
زرریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا یہ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

۵۰ بولا کوئی پوشاک کی زیبائی کو دیکھو
خادم بھی جلو میں نہیں تنہائی کو دیکھو
اس قامتِ پُرنور کی رعنائی کو دیکھو
فاقہ ہے مگر دل کی توانائی کو دیکھو
کس حسن سے لڑنے کے طلبگار کھڑے ہیں
کس شان سے تولے ہوئے تلوار کھڑے ہیں

۵۱ عالم میں ہوئے چار اولوالعزم علمدار
بعد ان کے ہوئے زیبِ علم حیدرِ کرار
اک حضرتِ حمزہؑ تھے تو اک جعفرؑ طیار
عباسؑ اب اس منصبِ والا کا ہے مختار
کرسی کے بھی پانے سے سوا پایا ہے رتبہ
کیا دست بدست اسکو یہ ہاتھ آیا ہے رتبہ

۵۲ اللہ رے اللہ عجب شانِ علم ہے
رحمت کا یہ دریا ہے کہ دامانِ علم ہے
سب عالمِ بالا بھی ثنا خوانِ علم ہے
خورشید ہے یا پنجۂ تابانِ علم ہے
ہے نور کا عالم علمِ فوجِ خدا پر
موسیٰ نے دھرا ہے یدِ بیضا کو عصا پر

۵۳ انوارِ الٰہی کا خزینہ ہے یہ سینہ
ہم رتبۂ تابوتِ سکینہؑ ہے یہ سینہ
دریائے شجاعت کا سفینہ ہے یہ سینہ
گھر جس میں وفا کا ہے وہ سینہ ہے یہ سینہ
مہتاب خجل نور میں خورشید ضیا میں
آئینہ کا پردا ہے گریبانِ قبا میں

۵۴ کیا کھینچے ثباتِ قدم و بازوئے شمشیر
ملتا نہیں نقش ان کا مثالِ خطِ تقدیر
کاغذ پہ سیاہی نہیں چلتی دمِ تحریر
اقلیمِ شجاعت ہے انھیں قدموں کی جاگیر
تلواروں کے سو وار اگر سر پہ چلیں گے
یہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے ہیں نہ ہٹیں گے

۵۵
خاک اس کے جو نقشِ قدمِ پاک کی پائیں
حورانِ جناں کحلِ بصر اس کو بنائیں
افلاک سے آ کر ملک آنکھوں سے لگائیں
زہّاد تیمم کے لیے فخر سے لائیں
اس خاک پہ طائر کوئی لوٹے تو ہما ہو
انگلی اسے آنکھوں سے لگائے تو ضیا ہو

۵۶
یہ شانِ علم اور پھریرے کا وہ عالم
پنجے کو ہے پردے سے نکالے ہوئے ضیغم
یہ ابرِ کرم ہے تو ہے وہ نیّرِ اعظم
انگشتِ شہادت سے اشارہ ہے یہ ہر دم
یہ عرش کا رتبہ ہے نہ افلاک کا رتبہ
ہے سب سے فزوں پنجتنِ پاک کا رتبہ

۵۷
سروِ چمن آرائے ہدایت ہے یہ رایت
مہرِ فلکِ لطف و عنایت ہے یہ رایت
یا سورۂ والشمس کی آیت ہے یہ رایت
دستِ کرمِ شاہِ ولایت ہے یہ رایت
جو سایہ میں اس کے ہے وہ ہے ظلِّ ہما میں
اعجاز ہے عیسیٰ کا پھریرے کی ہوا میں

۵۸
ذکرِ علم و عہد ہے قرآن میں آیا
معروف جو امت کی طرف شاہ کو پایا
شیعوں کے سروں کا ہے یہی حشر میں سایا
ہے بہرِ دعا ہاتھ علم نے بھی اٹھایا
شکلِ کفِ سائل جو ہے پنجہ یہ سبب ہے
اللہ سے امت کی شفاعت کی طلب ہے

۵۹
یہ وہ ہے علم جس کو پیمبر نے اٹھایا
ہاتھ آیا شرف جب اسے جعفر نے اٹھایا
کس فخر سے حمزہ سے دلاور نے اٹھایا
وہ اٹھ گئے دنیا سے تو حیدر نے اٹھایا
ہوگا یہ ہما سایہ فگن اب نہ کسی پر
بس خاتمہ ہے حضرتِ عباس علی پر

۶۰
ناگاہ علمدار نے جولاں کیا رہوار
آواز سے قرنا کی لرزنے لگے کفار
ڈنکے پہ لگی چوب میانِ صفِ اشرار
تھی صاف صدا ہائے علمدار علمدار
شکلِ کفِ افسوس جلاجل سے عیاں تھی
مچھلی بھی نشانوں کی پھریرے میں طپاں تھی

۶۱
کڑکا ہوا میدانِ شہادت میں قضا را
تلواریں چمکنے میں یہ کرتی تھیں اشارا
صحرائے پُر آشوب لگا گونجنے سارا
قبضے میں ہیں غیروں کے نہیں زور ہمارا
چلّوں سے ملاتے تھے عدو تیر جو رن میں
انگشتِ تاسف تھی کمانوں کی دہن میں

۶۲
تانے تھا جو سینہ اسد اللہ کا فرزند
انگلی سے بتاتے تھے نہ گویائی تھی ہر چند
تھرّاتا تھا نیزوں کا بھی دہشت سے ہر اک بند
یہ حیدرِ صفدر کے کلیجے کا ہے پیوند
شانِ اسد اللہ ہے اس تشنہ گلو میں
آلودہ نہ کرنا کہیں پیاسے کے لہو میں

۶۳
ناگاہ کہا شمرِ سیہ رو نے یہ بڑھ کر
ہے لشکرِ قہار کہ امڈا ہے سمندر
کیا قصد ہے اے وارثِ ذریتِ حیدر
گر صلح کریں آپ تو ہے جنگ سے بہتر
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تیغوں کے گھاٹوں میں نہیں گھاٹ ملے گا

عہ اژدھا ۱۲

سہ جھنڈا ۱۲

۶۴ عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
جاتا ہے کہاں ظالم غدار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اس پار ہم آئے
لے مڑے اور گھاٹ سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے وارث تہ افلاک ہمیں ہیں
آب دم شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

۶۵ ہے زور ید علی ہر رگ و ریشے میں ہمارے
کٹتا ہے پہاڑ ایک ہی تیشے میں ہمارے
تیر آ نہیں سکتا کبھی بیشے میں ہمارے
ثابت قدمی آئی ہے پیشے میں ہمارے
دیکھیں تو ہم اس تیغ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو

۶۶ فرما کے یہ شمشیر شرر دم کو نکالا
بالا ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
ڈھالوں کا اٹھا ابر ہر ایک سمت سے کالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
غل ہوتا تھا کرتے تھے دو پارہ جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

۶۷ چمکی جو علمدار کی شمشیر شرر بار
معلوم ہوا عنصر خاکی کرۂ نار
نعرہ کیا غازی نے کہ یا حیدر کرار
چھیڑا جو ذرا ریخ میں تھا فوج کے رہوار
بجلی سی یکایک جو گری لشکر کیں پر
رہوار تھے اسواروں پہ اسوار زمیں پر

۶۸ گھوڑے کو جو ڈپٹا کے کوئی سامنے آیا
رہوار سے رہوار کو غازی نے ملایا
بازوئے ید اللہ کا زور اس کو دکھایا
تلوار کا قبضہ سر دشمن پہ لگایا
اللہ ری ضرب اس کی گیا خود تو سر میں
سر سینے میں پنہاں ہوا اور سینہ کمر میں

۶۹ شمشیر تھی اک صاعقۂ قہر الٰہی
دم میں ہوئے نابود نمودار سپاہی
ہر غول پہ ادبار تھا ہر صف پہ تباہی
تیغوں کی سپیدی تھی نہ ڈھالوں کی سیاہی
بھاگے چلے جاتے تھے عدو جان کے ڈر سے
گرتی تھی جو سر پر تو اترتی تھی کمر سے

۷۰ للکارے یہ دریا کی طرف باگ اٹھا کر
لو نہر پہ ہم جاتے ہیں روکے کوئی آ کر
اسوار بہم ہو گئے نیزوں کو ہلا کر
چلائے عدو تیر کمانوں میں ملا کر
بڑھنا نہ خبردار جو اندیشۂ جاں ہے
واں گھاٹ ہے تیغوں کا تو یاں تیر و کماں ہے

۷۱ دریا کے کنارے پہ ہے وہ قلزم پُر قہر
ہے خنجر و شمشیر و سناں جس کی ہر اک لہر
اس بحر سے ہو پار تو پہنچو کہیں تا نہر
چشمہ تو وہ شیریں ہے مگر ہے اثر زہر
بے خوں میں ہوئے غرق نکل جاؤ تو دیکھیں
اس نہر سے اس مشک کو بھر لاؤ تو دیکھیں

۷۲ عباسؑ نے نعرہ کیا رکتے ہیں کہیں شیر
ہیں شیر الٰہی کے پسر صاحب شمشیر
یہ کہہ کے جو جھپٹے تو زبردست ہوئے زیر
تلوار کے گھاٹ ان کو اتارا نہ لگی دیر
تیغیں نہ صفیں اور نہ وہ قلزم نظر آیا
دریا پہ سمندر کا تلاطم نظر آیا

۷۳ عباسؑ جب اس خون کے دریا کو گئے پیر
گھوڑے سے کہا حال بہت پیاس سے ہے غیر
چل نہر پہ اب جلد کہ ہے خاتمہ بالخیر
اعدا کے سروں پر سے اُڑا اسپِ فلک سیر
بس چار مہِ نو تو ہوا پر نظر آئے
عباسِ علیؑ نہر کے اندر نظر آئے

۷۴ دریا میں جو پہونچا اسد اللہ کا پیارا
للکار کے یوں فوج کو غازی نے پکارا
تم سب یہی کہتے تھے کہ ہے گھاٹ ہمارا
بتلاؤ کہ دریا ہے ہمارا کہ تمھارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب، ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

۷۵ پیشانی پہ سجدے کا نشاں تھا کہ ستارا
پانی رخِ پُر نور سے روشن ہوا سارا
ہر مردمِ آبی یہ خوشی ہو کے پکارا
عباسؑ کے چہرے کا کرو چل کے نظارا
منہ ملنے لگیں مچھلیاں دامانِ علم پر
اٹھ اٹھ کے حباب آنکھوں کو ملتے تھے قدم پر

۷۶ آئی یہ ندا حضرتِ الیاسؑ کی یکبار
صدقے ترے اے فوجِ حسینیؑ کے علمدار
ہوں غرقِ خجالت کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
ناحق یہ جفا کرتے ہیں سید پہ ستمگار
یہ فخر ہے جس کا اسے کیا آج قلق ہے
شاہد ہوں میں اس کا کہ یہ شبیرؑ کا حق ہے

۷۷ بھر لی جو تو اسے حیدرِ کرار کے جانی
اک جام میں میں لا کے پلا دوں تجھے پانی
کہنے لگے عباسؑ بصد اشک فشانی
بھولی نہیں آقا کی مجھے تشنہ دہانی
چوبیس پہر پیاس کی تکلیف سہی ہے
جس لڑکی کا سقا ہوں وہ دم توڑ رہی ہے

۷۸ بیتاب کیا دل کو سکینہؑ کے جو غم نے
جلدی سے بھرا مشک کو سقائے حرم نے
خیمے کی طرف رخ کیا اس ابرِ کرم نے
کی جست یکایک فرسِ تیز قدم نے
لڑتے ہوئے افضالِ خدا سے نکل آئے
پیاسے گئے اور نہر سے پیاسے نکل آئے

۷۹ دریا سے نکلنا تھا کہ پھر فوج نے گھیرا
وہ چاند تھا اور شام کے بادل کا اندھیرا
تو گر پڑے گھوڑے کی جدھر باگ کو پھیرا
نعرہ تھا کہ اللہ مددگار ہے میرا
لاکھوں ہیں تو کیا ہے رکوں گا نہ رکا ہوں
روباہ ہیں یہ، میں پسرِ شیرِ خدا ہوں

۸۰ لہراتا تھا سر پر علمِ دیں کا پھریرا
تلوار سے پانی تھا ستمگاروں کا زہرا
تھا زخم بدن پر کہیں اوچھا کہیں گہرا
رہوار ہرن سا کہیں چمکا کہیں ٹھہرا
طاؤس کے ہوش اڑتے تھے اس تیز پری سے
گھوڑا تھا سبک سیر نسیمِ سحری سے

۸۱ جرأت میں تو بے مثل تھا اور جنگ میں یکتا
تھی شمر کو حیرت عمرِ سعد کو سکتا
خورشید سا خودِ سرِ انور تھا چمکتا
غصے میں جو تھے خون تھا آنکھوں سے ٹپکتا
جس صف کی طرف دیکھتے تھے شیر سے پھر کر
دو چار جواں خوف سے مرجاتے تھے گر کر

۸۲
جب خیمے کا رخ کرتے تھے اک صف کو بھگاکر
تب دوسری صف سامنے جم جاتی تھی آکر
بڑھتے تھے وہ جب تیروں کو چلّوں سے ملاکر
خم ہوتے تھے یہ مشک کو چھاتی سے لگاکر
تھا سامنا دو لاکھ کا اک تشنہ جگر سے
ششدر تھا فرس میں بھی نکل جاؤں کدھر سے

۸۳
غل فوج میں تھا مشک کو لے جانے نہ دینا
پیاسوں تلک اس پانی کو پہونچانے نہ دینا
مشکیزے کے نزدیک سپر لانے نہ دینا
شبیرؑ بھی آ دیں تو انھیں آنے نہ دینا
تلواریں علم کرکے جو لشکر پہ جھکیں گے
بپھرے ہوئے دو شیر کسی سے نہ رکیں گے

۸۴
ہے یکہ و تنہا ابھی آئے نہیں شبیرؑ
ہاں اے قدر اندازو کمانوں سے چلیں تیر
نیزے پہ چلیں نیزے تو شمشیر پہ شمشیر
سب ٹوٹ پڑو جلد مناسب نہیں تاخیر
آویں بھی تو عباسؑ دلاور کو نہ پاویں
بھیا شہِ مظلوم برادر کو نہ پاویں

۸۵
ہوتا تھا ادھر قتل علمدار کا ساماں
گھبرائے ہوئے پھرتے تھے واں سرورِ ذیشاں
جاتے تھے کبھی خیمے میں با دیدۂ گریاں
زینبؑ سے کبھی کہتے تھے اب تن سے چلی جاں
مشکیزہ لیے نہر سے عباسؑ پھرے ہیں
پر آئیں گے کیونکر کہ ہزاروں میں گھرے ہیں

۸۶
چلتے ہیں مرے بھائی پہ رن میں تبر و تیر
لڑتا ہے ستمگاروں سے وہ صاحبِ شمشیر
مٹتی ہے جہاں سے اسد اللہ کی تصویر
جاتا ہوں مدد کرنے کو عباسؑ کی شبیرؑ
سب مل کے دعا مانگو کہ میں پاؤں سلامت
تیغوں سے بچا کر اُسے لے آؤں سلامت

۸۷
زینبؑ نے کہا سوئے نجف ہاتھ اُٹھا کر
تم قبر میں کیا سوتے ہو اے حیدرِ صفدر
عباسؑ کو گھیرے ہوئے ہے شام کا لشکر
یہ تیسرا دن ہے کہ نہیں پانی میسر
تا نہر کسی پیاسے کو جانا نہیں ملتا
پانی کوئی لاتا ہے تو لانا نہیں ملتا

۸۸
بن پانی تڑپتی ہے مرے بھائی کی اولاد
میں زینبؑ دل خستہ ہوں سن لو مری فریاد
عباسؑ کو آنے نہیں دیتے ستم ایجاد
لے کل کے مددگار یہی ہے دمِ امداد
ہاں صبح سے ہے پیاس کا غل بے وطنوں میں
اور واں وہ بہشتی ہے گھرا تیغ زنوں میں

۸۹
یہ سنتی تھی زینبؑ کہ چلے رن کی طرف شاہ
تلوار پکڑ کر علی اکبرؑ ہوئے ہمراہ
گھبرا کے کہا زوجۂ عباسؑ نے ناگاہ
بھائی کے بچانے کو چلے ہیں شہِ ذی جاہ
ہے غیظ سا اس دم شہِ والا کے پسر کو
اے بیبیو روکو کوئی زہراؑ کے پسر کو

۹۰
جس طرح ہو روکو انھیں گر گر کے قدم پر
عباسؑ سے سو بھائی فدا شاہِ امم پر
عاشق کی طرح دیتے ہیں دم بھائی کے دم پر
آئے تو یقیں ہے کہ خفا ہوویں گے ہم پر
بھائی کو اسی جا سے پکاریں شہِ والا
میں یہ نہ کہوں گی کہ سدھاریں شہِ والا

91 وہ رات تلک مجھ سے یہ کہتے تھے بہ تکرار
جب غل ہو کہ لشکر میں گھرا شہ کا علمدار
صاحب یہ مری بات نہ تم بھولیو زنہار
رونا نہ کبھی تم کہ کڑھیں گے شہِ ابرار
بھجوائیں جو اکبرؑ کو تو بھجوانے نہ دینا
میدان میں آقا کو مرے جانے نہ دینا

92 چلائی سکینہؑ سنو اچھے مرے بابا
عمو کے لیے آہ مرا دل ہے تڑپتا
لیتے چلو مجھکو بھی جہاں ہے مرا سقا
بے دینوں نے پانی کے لیے ہے انھیں روکا
کہیو نہ مری پیاس کا غم کھاؤ چچا جان
میں پانی سے باز آئی چلے آؤ چچا جان

93 اب پیاس نہیں مجھکو میں قربان تمھارے
میں جیتی ہوں مرنے کی نہیں پیاس کے مارے
چھوڑ آؤ مری مشک کو دریا کے کنارے
پانی کی نہیں چاہ تمھیں ہو مجھے پیارے
اچھے مرے عمو مجھے شکل اپنی دکھا دو
مشکیزے کا منھ کھول کے پانی کو بہا دو

94 جو کہتے ہیں دشمن ہیں وہ تم پانی نہ لاؤ
میں اب نہ کہوں گی کہ مری پیاس بجھاؤ
ہے ہے نہ مرے واسطے تم خوں میں نہاؤ
مجھکو یہ گوارا نہیں تم برچھیاں کھاؤ
جب سے گئے ہو غم ہے اسی آن سے مجھکو
شرمندہ نہ کیجے گا چچی جان سے مجھکو

95 منھ اپنا چچی کو نہیں دکھلانے کی گھر میں
میدان سے تدبیر کرو آنے کی گھر میں
ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوں میں نہیں جانے کی گھر میں
حاجت نہیں کچھ پانی کے پہونچانے کی گھر میں
مشکیزے کے باعث تمھیں ٹوکیں گے ستمگر
پانی جو نہو گا تو نہ روکیں گے ستمگر

96 کہتی تھی سکینہؑ تو یہ باصد غم و حسرت
عباسؑ علمدار پہ واں آ گئی آفت
اور نہر پہ گھبرائے ہوئے جاتے تھے حضرت
شانوں پہ لگی دونوں طرف تیغ کی ضربت
جس وقت قلم ہو کے گرے ہاتھ زمیں پر
دو خون کے پرنالے بہے دامنِ زیں پر

97 مشکیزے کے تسموں کو پکڑ دانتوں میں اکبار
شوکت سے یہ پیدا تھا کہ ہیں جعفرؑ طیار
ٹھکرانے لگا گھوڑے کو زخمی وہ علمدار
فرزند پہ ہوتے تھے فدا حیدرؑ کرار
ہلتا تھا نہ مشکیزہ نہ جنبش تھی دہن کو
اک شیر تھا منھ میں لیے جاتا تھا ہرن کو

98 ناگاہ ہوا مشک سے اک تیرِ ستم پار
بہنے لگا سینے سے لہو ہو کے دلِ زار
اس وقت تو رونے لگے عباسؑ علمدار
دے پٹکا سرِ پاک کو ہرنے پہ کئی بار
گھبرایا نہ جب ہاتھ ہر اک کٹ گیا اس کا
مشکیزے کے چھدنے سے جگر پھٹ گیا اس کا

99 خوں شانوں سے مثلِ دہنِ مشک رواں تھا
خیمہ شہِ مظلوم کا آنکھوں سے نہاں تھا
طاقت جو نہ تھی حالتِ غش میں وہ جواں تھا
اک شخص پسِ پشت لیے گرزِ گراں تھا
اک بار اشارہ جو کیا لشکرِ کیں سے
مارا سرِ عباسؑ پہ اک گرز لعیں نے

۱۰۰
اس ضرب سے سر ہو گیا غازی کا دوپارا
تیورا کے گرے گھوڑے سے اور شہ کو پکارا
یا سبطِ نبی اہل ستم نے مجھے مارا
اس دم شہِ دیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
اعدا کو ہٹاتے ہوئے شمشیر سے آئے
بھائی کی جو آواز سنی تیر سے آئے

۱۰۱
عباسؑ کو ریتی پہ تڑپتا ہوا پایا
دل میں یہ اٹھا درد کہ منھ کو جگر آیا
چلائے یہ کیا مجکو مقدر نے دکھایا
مارا گیا ہے ہے اسد اللہ کا جایا
اعدا نے مٹایا ہے نشانی کو علیؑ کی
بس آج کمر ٹوٹ گئی سبطِ نبیؐ کی

۱۰۲
لاشے سے لپٹ کر یہ بصد درد پکارے
صدقے ترے اے یار وفادار ہمارے
دنیا میں یہ مظلوم جیئے کس کے سہارے
ہے ہے مرے عاشق مرے سید مرے پیارے
کمزور اسی داغ سے ہم ہو گئے بھائی
یہ ہاتھ مرے تھے جو قلم ہو گئے بھائی

۱۰۳
عباسؑ نے کی شہ پہ نظر ہوش میں آ کر
بولا نہ گیا رو دیئے زباں خشک دکھا کر
سر بھائی کے قدموں پہ ملا اشک بہا کر
دنیا سے گئے نرگسی آنکھوں کو پھرا کر
حیدرؑ کی صدا آئی کہ لو مر گئے عباسؑ
تنہا ہوئے شبیرؑ سفر کر گئے عباسؑ

۱۰۴
زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
بیکس ہوئے شبیرؑ کے غمخوار سدھارے
حضرت نے کہا صفدرؑ و جرار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرؑ طیار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی

۱۰۵
سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکارے شہِ عالم
ہے ہے مرے جعفرؑ مرے حمزہؑ مرے رستم
ہے ہے مرے یاور مرے بازو مرے ہمدم
ہے ہے مرے صفدر مرے حیدرؑ مرے ضیغم
مرنے سے ترے زور گھٹا سبطِ نبیؐ کا
تو قوتِ بازو تھا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۰۶
خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا گھائل
اس نظم کا دیویں گے صلہ سرورِ عادل
ہر چند یہ کہنا نہیں تعریف کے قابل
ہاں نام ہے شبیرؑ کے مداحوں میں داخل
اس کا نہیں دعویٰ کہ میں کون ہوں کیا ہوں
کیا میری حقیقت ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

رباعی

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں ہر شام و سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ نبیؐ نے دختر
رتبہ یہ ادھر سے وہ ادھر سے پایا

رباعی

اعلیٰ رتبہ میں ہر بشر سے پایا
افضل انھیں خضرؑ ابھر سے پایا
یہ در نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے
جنت کا پتہ علیؑ کے گھر سے پایا

مرثیہ ۱
جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
نور نظر امام مبیں سے جدا ہوا
روشن قمر سپہر بریں سے جدا ہوا
لخت جگر حسینؑ حزیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جان بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسول کا

۲
برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لخت جگر کا دل
ہوتا ہے آبگینہ سے نازک بشر کا دل
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوب بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو منھ سے کلیجہ نکل پڑے

۳
پیری میں آفت غم اولاد الاماں
وہ اضطرابِ خاطر ناشاد الاماں
دل اور زخم خنجر بیداد الاماں
وہ اشک اور وہ شور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

۴
بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

۵
بچھڑا وہ یار جس کا گوارا نہیں فراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق
فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو

۶
بچھڑے پدر سے اکبرؑ مہرو ہزار حیف
کیا خوش نما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف
اب رو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں اور وہ راتیں کدھر گئیں

۷
سب چاہیں جس کی زیست وہ شیر ژیاں مرے
پیدا ہو کس جگہ ہوئے آکر کہاں مرے
افسوس نیم جاں جیئے جانِ جہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

۸
پھولے پھلے نہ وہ چمن روزگار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں
جھونکا چلا ہوا ہے خزاں کا بہار میں
کیا زور ہے امانتِ پروردگار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

۹
روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام
تر تھی لہو سے لختِ جگر کی قبا تمام
طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

۱۰ پیارے یہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے
لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ اب تک نہ مر گئے

۱۱ پرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
بیٹھے ہیں خاک اڑتی ہیں آنسو بہائے ہیں
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

۱۲ سربارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن
مرتے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن
اب عن قریب خیمۂ عصمت ہیں تیغ زن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن
محجوب ہم ہیں قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

۱۳ یہ سن کے بیبیوں کے جگر پر چھری چلی
سر خمی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی
زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

۱۴ صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
دریا کو چھین لو حقِ زہراؑ سند کرو
فرزندِ فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
یا شیرِ حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دوپہر میں
حصہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں

۱۵ یا مصطفیٰؐ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہؑ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال
یا شیرِ ذوالجلال دکھاؤ انہیں جلال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

۱۶ فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہیں
لب پر رضائے حق کا سخن چاہیے تمہیں
خالق کی یاد سر و علن چاہیے تمہیں
جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

۱۷ دردِ شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکرِ ذوالجلال
ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی نہ تھا خیال
بازو کے نیل کا تو کھلا وقتِ غسل حال
روتے ہیں دن تڑپتے ہیں راتیں گذر گئیں
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

۱۸ ظاہر ہیں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثلِ ابر
اس غم سے تھا نہ چین نبیؐ کو میانِ قبر
منہ سے سنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
جب ریسماں سے گردنِ مشکل کشا بندھے

۱۹ عزلت گزیں تھے بعدِ علیؑ قبلۂ دوم
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے جو اس گم
اس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ اُم
ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم
بعد از فنا بھی درپئے ایذا شریر تھے
فرزند فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے

۲۰ ہیں موردِ بلا و مصیبت ازل سے ہم
غم سب ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
اس غمکدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
بعد ان بزرگواروں کے باری ہماری ہے

۲۱ یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

۲۲ کیا کرتیں تم بہن اجل آتی وطن میں گر
درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر
یکساں ہے مرنے والے کو جنگل ہو یا کہ گھر
اب آرزو یہ ہے کہ کٹے جلد تن سے سر
ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنھیں الفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

۲۳ دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہؑ کو یاس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہِ گردوں اساس سے
بولی وہ تشنہ کام شہِ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

۲۴ فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے
آؤ گلے ملو کہ یہ صحبت اخیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

۲۵ سن کر مصیبتیں پدرِ بیکس و حزیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دیں
بولی بلائیں باپ کی لے کے وہ مہ جبیں
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

۲۶ شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نے سوار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
اس دشتِ کیں میں قید ہے احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

۲۷ عمو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بہ لب
تلواریں چل گئیں بنے قاسمؑ پہ بے سبب
بی بی قدم پہ گر کے ہیں کون رو کے اب
مرنا شباب میں علی اکبرؑ کا ہے غضب
تھے جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ گئے

۲۸
ہرچند صبح و شام ہے جاری یہ شاہراہ
پایا تھا عمر کھو کے جنہیں ہم نے آہ آہ
پر کوئی قافلہ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
ڈھونڈھا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشک ماہ
کیا ہوگیا لاکھ روئیں گے یا خاک اڑائیں گے
سنے عمر اب پھرے گی نہ وہ دوست آئیں گے

۲۹
بی بی یہاں سے اہل وطن ہیں قریب تر
بھیجے ہیں شیعیان یمن نے بھی نامہ بر
پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گذر
قریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پھر گیا

۳۰
گھیرا ہے اس لئے مجھے اس جا میں بے گناہ
نے دوست ہے عزیز نہ غم خوار نے سپاہ
تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پدر نہ ہو
مرکر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

۳۱
جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہوا دھر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر
ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گذر گئے اب فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

۳۲
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

۳۳
بندے اتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار
چلائیو نہ آئیں ابی کہہ کے بار بار
چھینا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار
لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
سونپا تمہیں خدا و نبی کی پناہ میں

۳۴
یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر ادھر
فضہ نے عرض کی کہ ادھر پیٹتی ہیں سر
پوچھا کدھر ہیں بانوئے ناشاد نوحہ گر
رخصت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلئے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہے

۳۵
رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہاں
کرتی ہیں اٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں
منہ اس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں
نعرہ یہ ہے کہ ہائے علی اکبر جواں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اجاڑ کے

۳۶
روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوش خصال
شبیر جھک کے یہ پکارے بصد ملال
دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
اے شہربانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
صاحب اٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

[illegible]

۳۷
سُن کر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
صاحب کہاں ہے منتوں والا مرا پسر
ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے

۳۸
اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا
اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا
سیدانیوں کی آنکھ کا تارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہِ محمدؐ کو دیکھ لوں

۳۹
وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر
لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
مجھکو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر
خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

۴۰
بیخودی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا جو دل ذرا تو پھٹنے لگا جگر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نے کچھ کہے ہوئے

۴۱
گر ہیں خفا تو آئیں میں اٹھ کر نثار ہوں
اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیروار ہوں
دائی ہوں اُن کی آپ کی خدمت گزار ہوں
اب رحم کیجیے کہ بہت شرمسار ہوں
تکلیف گرچہ ہو گی شہِ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نورِ عین کو

۴۲
باتیں یہ سن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانوؑ کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیمبر
ہم شکلِ مصطفیٰؐ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اُس کے پاس ہیں

۴۳
جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں
ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انھیں
مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی انھیں
صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھیں
زندہ نہ ہوگا دل مرا گر مر بھی جاؤگی
اب تم کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤگی

۴۴
جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام
دیدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سنکر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

۴۵
دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار
اے ابنِ فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار
بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین سوگوار
کچھ حق ہیں اس کنیز کے فرمائے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

۴۶ میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
مشہور ہوں کنیز امام فلک مقام
گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
لونڈی چلی ہے شام کو آلِ رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

۴۷ فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونو لال
زہراؑ کی بیٹیوں کی رہو تم شریکِ حال
صاحب تمھارے ساتھ ہے عابدؑ سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی اللہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

۴۸ والوداع لاش پہ اب آ کے رو لیو
زانو پہ سر کو شرم سے منہ موڑ کے رو لیو
لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلّا کے رو لیو
قبرِ رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے رو لیو
لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

۴۹ یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہراؑ کے ماہ سے
نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشید شمعِ حسن کا پروانہ بن گیا

۵۰ نکلے حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے
اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
اعمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
پھرتا تھا سر پہ چترِ سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

۵۱ نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
شوکت کی یہ دعا ہے کہ اے فاطمہؑ کے لال
تاباں رہے یہ نیّرِ اقبال بے زوال
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
یارب فسادِ خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

۵۲ بیٹا نہ تھا نہ کوئی برادر ادھر ادھر
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر ادھر
پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر ادھر
گرتی تھی برق گویا چمک کر ادھر ادھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

۵۳ غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو
ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن زمین میں
نجم ہے آفتاب تو تارے سینہ میں

۵۴ آمد فرس کی تھی وہ دلہن آتی ہے جس طرح
تصویرِ آہوئے ختن آتی ہے جس طرح
تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبکِ دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

۵۵
آیا عجب شکوہ سے اسپ قمر رکاب
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب
جلوہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
زین پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر

۵۶
اختر خجل ہیں زینِ جواہر نگار سے
اندروں نے چن لیے ہیں ستارے غبار سے
تھمتا ہے کب سوار فراست شعار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر
بل کھا رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھ کر

۵۷
قربان اُس نگاور ضیغم شکار کے
پامال کر دے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
شائستگی کو پوچھیو دل سے سوار کے
چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اُتار کے
رکھدے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسول کا

۵۸
چاروں سموں سے بدر خجل نعل سے ہلال
کھیلیں شکار شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال
کیسے نہ بال حور نے کترا دیے ہیں بال
پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
رستے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
دلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے

۵۹
سینہ کشادہ تنگ کمر بہ جست جوڑ بند
گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سر بلند
جاندار برد بار عدو کُش ظفر پسند
بجلی کبھی جگہ کبھی آہو کبھی پرند
سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے

۶۰
دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بہ شکل لا
سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہے اس کا کیا
ہاں بے زباں ہے گو پہ یہ کہتا ہے برملا
آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف و لافتا
افسوس اہل شام کو کچھ پیش و پس نہیں
آقا حسینؑ سا نہیں مجھ سا فرس نہیں

۶۱
لو اب سوار ہوتا ہے زہراؑ کا یادگار
تھامے رکاب کون نہ یاور نہ غمگسار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرؑ نامدار
اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگ روزگار
سب دوپہر میں ابن علیؑ سے جدا ہوئے
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

۶۲
سب دوست بے مثال تھے روؤں کسے کسے
خوش رو تھے باکمال تھے روؤں کسے کسے
حیدرؑ کے پانچ لال تھے روؤں کسے کسے
سات آٹھ خورد سال تھے روؤں کسے کسے
جب تک ذکر خیر پیاس میں مرنے کے ہوئیں گے
سب میرے دوست میرے عوض ان کو روئیں گے

۶۳
مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر
وہ شخص اس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
ایک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر
کیا دور ہے جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کمر
اس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں
میرے تو ایک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

نہ خبر اُن کے پیاسے مرنے کے جب ذکر ہوئیں گے ۱۲

۶۴
پیاسے ہیں میرے ساتھ جو میرے یہ تشنہ کام
جاری سبیلیں رکھیں گے رستہ پہ خاص و عام
گھر گھر میں اُن کی نذر کے ہوویں گے اہتمام
چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سرد جام
بھولو نہ تشنگی کو شہِ تشنہ کام کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذر امام کی

۶۵
ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ باوفا
ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبرؐ خدا
پیش خدا جلیل ہے ان سب کا مرتبا
کرتے ہر ایک شہید کا ماتم جدا جدا
شانہ بتولؑ بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

۶۶
یہ سُن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
صاحب اٹھو ترائی سے ہیں آپ پر نثار
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسؑ نامدار
آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار
یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

۶۷
بانو پکارتی تھی کہ اکبرؑ کدھر ہو تم
تھامو رکاب باپ کی پیارے پسر ہو تم
بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
اماں کا گھر اُجڑتا ہے دادی کے گھر ہو تم
بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے اتر دو
بیٹا ضعیفی وقت میں حضرت کا ساتھ دو

۶۸
لکھا ہے یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ
فریاد واحسینؑ سے ہلتی تھی قتل گاہ
رخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
حسن رسولؐ شانِ علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

۶۹
پردہ تھا پر جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے جب ابنِ بوتراب
تھاما لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبیؐ کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

۷۰
رن کو سواریٔ شہِ جن و بشر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہؑ تھامے جگر چلی
پیچھے تمام فوجِ ملک ننگے سر چلی
شبدیز کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی
طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا

۷۱
ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی
عالم میں ایک سماں تھا خزاں میں بہار تھی
سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
غل تھا نہ دور دور رہوگے بہم چلو
ہاں خادمو ادب سے قدم با قدم چلو

۷۲
وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی
تصویر ہے جنابِ رسالت مآب کی
اللہ ری ضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی
پیری دکھا رہا ہے لطافت شباب کی
بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

غل تھا فرس پہ سیّدِ والا کو دیکھ لو بڑھ کر درود صورتِ مولا کو دیکھ لو	۷۳	یاں برق و شرقِ طورِ تجلّی کو دیکھ لو بالائے رحل مصحفِ زہرا کو دیکھ لو
پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں		قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں
حوریں ہیں گرد ساغرِ کوثر لیے ہوئے جبریلؑ ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے	۷۴	پریاں جلوس میں طبقِ زر لیے ہوئے جھولی میں ہے نسیمِ گلِ تر لیے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیِ عنبر سرشت میں		دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں
وہ روئے دل فروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب	۷۵	گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس بے حجاب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں		بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں
پہونچا جو اس شکوہ سے حیدرا کا لال لوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال	۷۶	کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال بھاگو کہ آیا شیرِ الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو		ظالموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو
بڑھ کر صدا نقیب نے دی روبروئے شاہ آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ	۷۷	دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ تاباں رہے ستارۂ اقبال عز و جاہ
زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے		ہر معرکہ میں تیغِ علیؑ سرخرو رہے
نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک	۷۸	ماہی نے دب کے گاؤ زمیں سے کہا سرک بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسینؑ آستین کو		یا بو تراب آ کے بچا لو زمین کو
دب دب کے مورچوں سے ادھر پہلواں ہٹے سرکی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے	۷۹	لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشاں ہٹے سچ ہے کہ قطبِ دائرۂ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں		کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ امم ہٹیں
لو گونجتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہِ دیں روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہِ دیں	۸۰	نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہِ دیں دنیا میں ہم ہیں تاجِ سرِ عز و جاہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے		ہم نے تمہیں بتا دیے رستے بہشت کے
خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر غل تھا علیؑ ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر	۸۱	عزّیٰ کہاں ہیں لات و ہبل آج ہیں کدھر مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
سب سے علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے دیکھ لو		شیرِ خدا کی شان وہ بالا ہے دیکھ لو

صفحہ نمبر ۱۲

۸۲ زنار گردنوں پہ تمھارے سوار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
شرک جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا

۸۳ کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بہ شد و مد
ہم پر ازل سے ہیں کرم متفضل احد
دریائے رحمت صمدی ہیں ہمارے جد
سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہوگا تا ابد
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
ہم یوں پلک جھپکتے میں جاتے ہیں عرش پر

۸۴ گھر میں ہمارے وحی خدا لائے جبرئیل
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیل
جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیلؑ
اس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیلؑ
شاگردی علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبرئیلؑ تب مقرب درگاہ رب ہوئے

۸۵ آٹھوں بہشت باغ ولایت کے پھول ہیں
اعمال دشمنان علیؑ نا قبول ہیں
ہم سے ولا کرو کہ ہم آل رسولؐ ہیں
روزے ہوں یا نمازیں ہوں سب کے فضول ہیں
پھر کیا ادا زکوٰۃ بھی گر حج بیت کی
شرط قبولیت ہے ولا اہل بیت کی

۸۶ عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی
بیٹی نبی نے تیغ دو سر کبریا نے دی
کفار کو شکست شہ لافتا نے دی
کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اس لیے کہ وہ مولد علیؑ کا ہے

۸۷ کیوں ظالمو رسولؐ کا پیارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحق لطف و مدارا نہیں ہوں میں
کیوں عرش کبریا کا ستارہ نہیں ہوں میں
کیوں جا ہو امام تمھارا نہیں ہوں میں
سیدؑ پہ ظلم کون سی یہ رسم و راہ ہے
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

۸۸ وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے الٰہ
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض آہ
ردّ کی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ
یہ جس ولی کا گھر تھا اُسے کر دیا تباہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسب و خر پئیں
اولاد فاطمہؑ نہ پئے جانور پئیں

۸۹ کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آب نہر
اس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہؑ کا مہر
محروم ابن ساقی کوثر یہ کیا ہے قہر
شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
اُمت نبیؐ کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروئے عرب خاک ہو گئی

۹۰ کرتا ہے پاسداری مہماں ہر اک بشر
حاجت نہ بھی لا کے سامنے رکھتا ہے ماحضر
ملتے ہیں اس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر
فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر
بستان کربلا میں ہوا یہ بُری چلی
پانی طلب کیا تو گلے پر چھری چلی

۹۱
سنکر بیانِ شاہ عدوؤں نے سر جھکائے
کتنوں نے پھیر پھیر کے منھ اشک بھی بہائے
اکثر صفوں میں شور یہ اٹھا کہ ہائے ہائے
کیوں ہم رسولِ حق کے نواسے سے لڑنے آئے
خم کرکے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
فولاد نرم ہو گیا پتھر پگھل گئے

۹۲
نوفل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا
ہاں جلد حکم دے کہ بجیں طبل جا بجا
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا
تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
مظلومیِ حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی روتے ہیں

۹۳
ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دف
خاموش ہو گئے شہِ مظلوم اس طرف
چلوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف
اُٹھی اُدھر نیام سے تیغِ شہِ نجف
بھاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
پانی سے منھ نکالا ہے مارِ سیاہ نے

۹۴
تیغِ دو سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
بیکس سے کس طرح تمھیں منظور ہے وغا
آؤ عرب کی طرح جو ہے قصدِ جنگ کا
سب مل کے گر لڑو گے تو پھر اس میں دیر کیا
دنیا سے وقتِ عصر گذرنا ہے ہر طرح
حاضر ہوں ہر طرح میں کہ مرنا ہے ہر طرح

۹۵
سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں
ہاں حکمِ کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں
مشکل ہزار ہو اسے آساں سمجھتے ہیں
ہم ایک ایک لاکھ کو یک جاں سمجھتے ہیں
اس معرکے میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

۹۶
لڑنا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار
برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
اس پر بھی الاماں کا غل اٹھتا تھا بار بار
بیدیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
تم نے تو آج نامِ عرب کا ڈبو دیا

۹۷
یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اس سپاہ سے
گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
چمکی علیؑ کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

۹۸
کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دو سر جدا
جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا
نصرت کا آئنہ تھا جدا اور گہر جدا
محمل جدا اٹھا لیلیِ فتح و ظفر جدا
تیغِ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے

۹۹
ناگاہ رن میں تیغِ شہِ لافتیٰ چلی
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منھ بلا چلی
بن میں سموم قہر و عتابِ خدا چلی
جھونکوں سے جس کے اڑتے ہیں سر وہ ہوا چلی
آواز الاماں کی سپہر بریں پہ تھی
بڑھ کر جو یوں پھرے صفِ اول زمیں پہ تھی

ن جب دشتِ کیں میں تیغِ شہِ لافتیٰ چلی ۱۲

۱۰۰
پہونچے جو شل پہ شیر جھپٹ کر ادھر اُدھر
سر گر پڑے حسام سے کٹ کر ادھر اُدھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر
ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر اُدھر
جاروب تھی کہ سیف بیابانِ مصاف تھی
دریا کی راہ حملۂ اول میں صاف تھی

۱۰۱
ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
غل تھا کہ مل نہ جائیں سما و سمک کہیں
جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں
سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

۱۰۲
غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس سے دو چار ہو
بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
کون اس کے منھ پہ جائے اجل کا شکار ہو
جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
بھاگیں کہ اِن صفوں کو ہم آراستہ کریں
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں

۱۰۳
جب سن سے فوجِ شام پہ وہ شعلہ خو چلی
بس سر کے جل سقر میں سپاہِ عدو چلی
تیزی بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی
آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
تیزی یوں ہی زبانِ سخنور کو چاہیے
پاس آبرو کا صاحب جوہر کو چاہیے

۱۰۴
اب دم نہ لیجیو یہ اجل اس سے کہہ گئی
تر ی لہو کی دشتِ پر آفت میں بہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
قبضے میں مثل برق قرار اس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

۱۰۵
پھل تیغ کا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خود سری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

۱۰۶
یکتا بُرش میں جوہرِ ذاتی میں قدر میں
چمکی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی وہی تھی منھ کی اس آشوبِ غدر میں
بھڑکی سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھنچتے ہوئے سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نے فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

۱۰۷
مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا
بیٹے پہ باپ باپ پہ مر کر پسر گرا
یہ ہاتھ اس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا
پرکالے اڑ گئے وہ سپر کے سر گرا
قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
کیوں دیدیا ہے ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

۱۰۸
سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے
سرخی رخوں سے اڑ گئی منھ زرد ہو گئے
دعوئ مردمی تھا پہ نامرد ہو گئے
ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نہ جائے گی
اب ناریوں کو آتشِ دوزخ جلائے گی

۱۰۹
ماری تھی تیغ شاہ حجازی نے نیزہ باز
روکے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز
سہم اللہ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
باز آئے تھے نہ شعبدہ بازی سے نیزہ باز
یوں چھٹ سے غول دیتے تھے نیزے سے بند کو
آتش پہ ڈالدے کوئی جیسے سپند کو

۱۱۰
غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
ترکش کٹا کماں پہ کیانی سے زہ گری
برچھی سی اڑ گئی وہ سناں پہ گرہ گری
سر اڑ گیا وہ خود اڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

۱۱۱
وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر
ہر صف میں سہم سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر
سہواً نہ چوکتا تھا نشانوں سے جن کا تیر
چلاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
پیچھے ستم کہ گر کبھی لشکر کشی کریں
سر کاٹ ڈالے گا جو اب سرکشی کریں

۱۱۲
مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیز دست
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست
چلہ نہ سوجھتا تھا انھیں آنکھ سے نہ شست
غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلہ نہ ہو کمانوں پہ تو تیر کیا کرے

۱۱۳
وہ شہسوار دوش محمدؐ کی ران باگ
توڑا کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
اس پیلتن کی تاب طمانچہ ہے دیو کا

۱۱۴
پھرتا ہے کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردش ایام میں نہیں

۱۱۵
چار آئینہ سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا نثار
عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
ہردم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
اٹھے جہاں رن ایسا اگر ایک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے

۱۱۶
خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر
شمشیر جاں ستان و کمند و سنان و تیر
تیر و کمان سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
بے آب و سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
بے برگ و بار دشمن آل رسولؐ ہیں
اب برچھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

۱۱۷
اس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک
یہ آگ اور وہ ناریوں کے دست و پا خنک
ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
چلنے میں بس یہی دم دعویٰ کہ اب نہ رُک
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیلؑ کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے

۱۱۸ جب اٹھ کے تیغ صفدرِ قدسی شرف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری
گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیفِ صفِ کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

۱۱۹ اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے
دکھلا دیے دغا میں چلن بوتراب کے
ناک اڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
فتراک تھی کہ پر فرس لاجواب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا
اترا براق بن کے پری ہو کے اڑ گیا

۱۲۰ جم کر صفوں سے یوں فرس تند خو اڑا
تلوار جب چلی سر نجس عدو اڑا
گویا ہمائے اوجِ شرف چار سو اڑا
نکلا دم نہ زخم سے مطلق لہو اڑا
ہر دم برش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے
اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے

۱۲۱ باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغِ دو سر سے جدا کیا
ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
ٹکڑے اڑا دیے دم میں سپاہِ شریر کے
قربان ذوالفقار جنابِ امیر کے

۱۲۲ بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار
باآبرو کا جوہرِ ذاتی ہے انکسار
تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
واں مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

۱۲۳ خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے
زرگر کی مدح و قدح کا کیسا اعتبار ہے
چمکے گا آپ وہ جو درِ شاہوار ہے
کہہ دیگی خود چمک کہ طلا خوش عیار ہے
بد مغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

۱۲۴ اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
دستِ حسینؑ و پنجۂ مشکل کشا علیؑ
دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم میں ہے جلی
فخر بجا ہے جو پسر فاطمہؑ ہوا
حیدر سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

۱۲۵ ظلمت سے نور نور سے ظلمت جدا ہوئی
دینِ مبیں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی
وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی
ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی
اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکم جہاد پھر نہ ہوا گو امام کو

۱۲۶ خود سر عدو تھے مثلِ حباب اس کے سامنے
کیا منہ چھپاتے جو تیغ جواب اس کے سامنے
موجِ زرہ تھی نقش بر آب اس کے سامنے
بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانے ہوئے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب

۱۲۷ اللہ رے تلاطمِ افواجِ روسیاہ
غل تھا پناہ دے ہمیں اے آسماں پناہ
ٹکراتے تھے پلٹتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
امت رسولِ پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمدؐ عربی کی جناب کا

۱۲۸ اس شور میں سنا جو رسولِؐ خدا کا نام
فرمایا جبر کرے گا خدا تم سے انتقام
پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز سر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں جبر کرتے ہیں

۱۲۹ بحر و ماہ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در
اشجار و شاخ و برگِ گل و غنچہ و ثمر
سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلمان و حور ہیں
کہہ دیں گے سب کہ ابن علیؑ بے قصور ہیں

۱۳۰ میں کیا لڑوں گا غم سے لہو ہے مرا جگر
بیٹے کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر
آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبرؑ میں لاش ہو

۱۳۱ بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام
دنیا سے اب غرض ہے نہ کچھ زندگی سے کام
مشتاقِ قربِ حق ہے یہ مظلوم و تشنہ کام
حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
موت آئی اٹھ کھڑے ہوئے دامن جھاڑ کے

۱۳۲ پلٹے یہ سن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ
ابرِ ستم میں گھر گیا زہراؑ کا ماہ آہ
دو لاکھ حربے ایک تنِ زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیرؑ سر سے تا بقدم چور ہو گئے

۱۳۳ باندھے تھے چار غول جفا کار رہبرِ جنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے اک صف سے بیدرنگ
اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہراؑ تڑپ رہی تھی نبیؐ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبیؐ کے کلیجے پہ چلتے تھے

۱۳۴ وہ لو وہ آفتاب کی تابندگی وہ دن
رونے کی چار سو تھی صدا اور سونا تھا رن
جنگلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اڑتی تھی گھوڑوں کی گشت سے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

۱۳۵ بی بی کوئی پکارتی ہے ہائے میرے لال
زہراؑ کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال
حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہِ ذیشاں زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر	۱۳۶	آ پہونچا اک مسافر غربت زدہ ادھر چھوڑے ہوئے وطن اُسے گزرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا		مشتاق وہ زیارت قبر علیؑ کا تھا
رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پہ غبار طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار	۱۳۷	ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غمگسار
یہ آرزو کہ گوہر بحر شرف ملے		چھانوں جہان کی خاک پہ در نجف ملے
سر کو قدم کیے وہ سعید خجستہ پے پیاری نہ تھی جو قطع مسافت سے کوئی شے	۱۳۸	دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے آساں تھی اس کو دوری شام و عراق و رے
ان جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا		گز بن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا
دیتی تھی اس کو طاقت رفتار یہ جواب لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہ ثواب	۱۳۹	جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب احسان میرے سر پہ تمہارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمھاری بدولت ملے نہیں		کچھ گھر ہیں زیر قدم آبلے نہیں
کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ سمجھاتے تھے اُسے جو مسافر میان راہ	۱۴۰	پہونچا دے مجکو منزل مقصد پہ یا الٰہ اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں جو قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے		کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے
پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال	۱۴۱	تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہے جب سوال
از بسکہ اہل درد تھا بیتاب ہو گیا		پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا
تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر بچہ پڑا ہے ایک ستارہ سا خاک پر	۱۴۲	دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرت قمر کرتا بھی ہنسلیاں بھی سلوکا بھی خوں میں تر
سرخی لہو سے حلق کے سیب زقن میں ہے		باچھوں میں سب ہے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے
برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار	۱۴۳	آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار صدقے میں تیرے اے مرے بابا کی یادگار
کانپا کلیجہ تھم کے سنا جب دہائی کو		سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو
بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا	۱۴۴	لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے		آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

۱۴۵ کتنے نگار رکے وہ ذی قدر و نیکنام
دریا خدا نے خلق کئے بہرِ فیضِ عام
اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام
مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مستہام
اُن سے بشر ڈرے جنھیں خوفِ خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

۱۴۶ دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
واللہ برگزیدۂ حق ہے یہ خوش سیر
مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
کر لیجیے التماسِ دعا ہاتھ باندھ کر
تیغوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے
آسان ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

۱۴۷ باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیرِ غم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اٹھا قدم
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بہ دم
رتبہ میں یہ زمیں ابھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارضِ پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحفِ ناطق کے خاک پر

۱۴۸ آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہِ دیں کے پاس
مولا جواب دے کے یہ بولے بدرد و یاس
کی عرض: السلام علیک اے فلک اساس
آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اس نے کی غلام شہِ ذوالفقار ہوں
بیکس ہوں بینوا ہوں غریب الدیار ہوں

۱۴۹ طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ
ابتک ہے مجھ سے دور درِ منبعِ الٰہ
بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

۱۵۰ میں دو مہینے فوجِ ستم میں رہا اسیر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر
مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
سر پہ یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے

۱۵۱ دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

۱۵۲ فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام
اس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام
عرض اس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
صدقے میں اس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں

۱۵۳ کیا دن سعید ہوگا میں اس روز کے نثار
جو ہونگے دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
جس روز اُن کے گرد پھروں گا میں سات بار
آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دنیا ہو اور فاطمہؑ کا نورِ عین ہو
دیکھوں اُسے صحیح و سلامت تو چین ہو

۱۵۴ دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
اب پنجتنؑ میں ہے تو اسی کا ہے ایک دم
امت دغا کرے نہ کہیں مجکو ہے یہ غم
عزلت گزیں ہے قبر نبیؐ پہ وہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

۱۵۵ اک میرا شاہزادہ ہے ہم شکل مصطفےٰ
ماں کا مرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا
شہرہ ہے جس کی خلق و شمائل کا جا بجا
سایے میں شہ کے اس کو سلامت رکھے خدا
اس رشک گل سے دور خزاں کی بلا رہے
یارب چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

۱۵۶ یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرا ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

۱۵۷ ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یار غم گسار
ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
تیری طرح لٹے ہیں ہمیں چھوڑ کر دیار
شکر خدا مسافر راہ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

۱۵۸ کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گذر گیا
دنیا سے دو پہر میں مرا گھر کا گھر گیا
خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

۱۵۹ میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
اک خاکسارِ بندۂ ربِّ غفور ہوں
جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں
عالم ہے اس کی ذات کہ میں بیقصور ہوں
کہنے میں بات آئی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

[illegible]

۱۶۰ مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
کیجیے زبان خشک کو تر بہر بو تراب
لے آؤں دوڑ کر مرے شبیرؑ یہاں ہے کچھ آب
بولے ہلا کے سر کو شہ آسماں جناب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں

۱۶۱ درکار جو سمجھے ہو وہ لے بہر کردگار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار
پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار
سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو

۱۶۲ اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
بیکس ہوں گو کہ آج یہ عالی مقام ہوں
شرما نہ تو کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں

۱۶۳ آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
بھائی علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے
ہاں آلِ غیر کفو میں تصرف نہ چاہیے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے

۱۶۴ دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک سنے ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

۱۶۵ عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
پہنچا دے مجھکو قبر علیؑ پر مرا خدا
لیجیے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
تو لائے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو

۱۶۶ تسلیم اُس نے کی تو یہ بولے شہِ انام
آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام
قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آکے لیجیے
ہنگامِ ذبح گود میں سر آکے لیجیے

۱۶۷ سنکر بیانِ شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
دل سے کہا کہ اب ہے لبِ بام آفتاب
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

۱۶۸ حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام
بس جی چکا بہت یہی مرنے کا ہے مقام
وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
دیندار ہوں نہ ترکِ رفاقت کروں گا میں
اب مر کے شیرِ حق کی زیارت کروں گا میں

۱۶۹ زوارِ جن کا ہوں میں اُنھیں کی ہے مجھے قسم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھکو آتی ہے

۱۷۰ گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا
رستہ ہے یاں سے رات بسے کا نجف کو جا
اے بھائی تو ہے صاحبِ دختر نہ لے رضا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن

۱۷۱ رخصت کے وقت وہ جو بچی تھی دمبدم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیرِ غم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

۱۷۲
بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیرِ ذوالجلال
فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
شاید ہے علمِ غیب میں بھی آپ کو کمال
ہر شے کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہے
یہ تو صفت امام میں ہے یا نبی میں ہے

۱۷۳
بتلائیے برائے خدا مجھکو اپنا نام
بیکس عزیز مردہ اسیرِ سپاہِ شام
فرمایا بے نوا و وطن آوارہ و تشنہ کام
عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں

۱۷۴
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک
اظہارِ اسمِ اقدسِ اعلیٰ میں کیا ہے باک
چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امامِ پاک
یہ تو نہیں کہا کہ شہِ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں

۱۷۵
سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نورِ عین
ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسینؑ
بیٹا علیؑ کا سبطِ شہنشاہِ مشرقین
گھر فاطمہؑ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
بس اک یہی حسینؑ ہے ساری خدائی میں

۱۷۶
کھینچی ہے تو نے جس کے لیے زحمتِ سفر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مردِ خوش سیر
اے بے خبر یہی ہے وہ سلطانِ بحر و بر
شب سے یہاں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر
زینبؑ یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جاں اپنی کھوتی ہے
زہراؑ تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے

۱۷۷
اس بے وطن نے جبکہ مفصل سنا یہ حال
اٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
یہ کیا قیامت آ گئی اے فاطمہؑ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت کے بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

۱۷۸
مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
خوبی مرے نصیب کی یا شاہِ نیک خو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
للہ چشمِ پاک کو اب نم نہ کیجیے
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجیے

۱۷۹
شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
میں کیا مکان کیا مرا باشاہِ بحر و بر
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
اُلٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے

۱۸۰
روکا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر
سیرِ جنان کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دم بھر رہا تھا عشقِ شہِ مشرقین کے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسینؑ کے

۱۸۱ گھٹتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ
بدر الدجیٰ حسینؑ ہیں شمس الضحیٰ علیؑ
مرشد علیؑ امام علیؑ رہنما علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیر گلشن دار السلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

۱۸۲ اس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہ شام
ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
زخمی تھے خود پہ اس کے سرہانے گئے امامؑ
گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سر غلام
رو کر پکارتے تھے یہ اس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو

۱۸۳ اے میری بیکسی کے مددگار الوداع
اے تشنہ لب حسینؑ کے غم خوار الوداع
اے بے وطن کے یار وفادار الوداع
اے شیر ذوالجلال کے زوار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت کو جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

۱۸۴ فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار
ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار
اے نور چشم احمدِ مرسل ترے نثار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
مشتاق جن کا تھا انھیں دیکھا غلام نے

۱۸۵ بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے ہیں جام
فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
آ پی اے دوستدار مرے نور عین کا
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسینؑ کا

۱۸۶ حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
نام نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
اب جنت النعیم میں ہوگا گذر ترا
ہمسایۂ رسولؐ خدا میں ہے گھر ترا
حوریں ہیں باغ خلد میں خدمت کے واسطے
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے

۱۸۷ رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
کی عرض اس نے اے خلفِ سید العرب
تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بیقرار ہوں
مہلت جو دے اجل تو پھر اٹھ کر نثار ہوں

۱۸۸ مجھکو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
منھ دیکھتا ہے دیکھیے شہِ عالی ہمم مرا
پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر
کس سے کہوں کہ لاش کو دار سے حضور پر

۱۸۹ یہ کہتے کہتے آہ وہ زوار مر گیا
بیکس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شیدائے نام حیدرِ کرار مر گیا
شبیرؑ روتے رہ گئے غم خوار مر گیا
لاشے سے اٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں

۱۹۰ بس کیا کہوں انیس کہ سید پہ کیا ہوا
تڑپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا
برباد خاندانِ رسولِ خدا ہوا
سجدے میں تن سے فرق مبارک جدا ہوا
پرخوں قبائے سیدِ لولاک لٹ گئی
عریاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لٹ گئی

سلام

۱ گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زر و مٹی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

۲ فاصلہ کیا اودھر پہونچے آدھر داخل ہوئے
کربلا جنت کے جنت کربلا کے سامنے

۳ جسم کو اک دن فنا کردیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اڑا دینا ہوا کے سامنے

۴ پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامانِ وسیع
کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عبا کے سامنے

۵ کہتے تھے حضرت علی اکبرؑ کا مرنا ہے غضب
ہم نہ دنیا سے گئے اس دلربا کے سامنے

۶ جب سکینہؑ کی زباں میں پیاس کے کانٹے چبھے
سر جھکا کر مشک سے آئی چچا کے سامنے

۷ فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

۸ ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرماتی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

۹ خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گے منکر نکیر
بندۂ حیدرؑ ہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

۱۰ عقدۂ دل حل نہ ہوتے دیکھ گھبراتا ہے کیوں
کیا گرہ کا کھولنا مشکل کشا کے سامنے

۱۱ کہتے تھے خولی سے عابدؑ چادرِ زینبؑ نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے مشکل کشا کے سامنے

۱۲ یاد رکھ ظالم پریشاں ہوگا مجمع حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولے گی خدا کے سامنے

۱۳ فصلِ پیری میں ہوسِ دنیا کی توبہ کر انیس
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

تمام شد

رباعی

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

مرثیہ

جب فوج خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں
غل آمدِ سرور کا ہوا اہلِ جفا میں
کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشتِ وغا میں
تھا حکم کہ کھولے نہ کوئی تیغ کمر سے
لڑنا ہے ابھی فاتحِ خیبر کے پسر سے

۲ اب معرکہ آرائے وغا ہووے گا وہ شیر
عالم کے زبردستوں کو کر دے گا ابھی زیر
قبضے میں ہے جس کے اسد اللہ کی شمشیر
ہشیار خبردار کہ آنے میں نہیں دیر
تنہا نہ سمجھنا خلفِ شاہِ نجف کو
ہووے گا جو برہم تو الٹ دے گا وہ صف کو

۳ غیظِ پسرِ فاطمہؑ ہے قہرِ الٰہی
تج اپنی شہادت جو نہ اس غازی نے پائی
صابر کو جلال آیا تو پھر آئی تباہی
اک حملے میں بے سر ہیں یہ دو لاکھ سپاہی
بربادیِ امت اسے منظور نہیں ہے
مختارِ دو عالم ہے وہ مجبور نہیں ہے

۴ فرزند وہ اس کا ہے جو تھا قاتلِ کفار
شبیرؑ بھی اقلیمِ شجاعت کا ہے مختار
خیبر میں چلی لاکھوں پہ جس شیر کی تلوار
بے زور وہی اور وہی تیغِ شرربار
دنیا میں کوئی اس پہ ظفر پا نہیں سکتا
ہو سارا جہاں ایک تو در آ نہیں سکتا

۵ گو تین شب و روز سے لب تشنہ ہے شبیرؑ
اک بولا کہ مظلوم ہے وہ بیکس و دلگیر
دکھلائے گا پر فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
طاقت کہاں اتنی کہ اب کھینچ سکے شمشیر
بازو تو شکستہ ہے برادر کے الم میں
ٹکڑے ہے کلیجہ علی اکبرؑ کے الم میں

۶ فرزند کو جس وقت سے برچھی لگی کاری
جب ڈھونڈھتے تھے لاش کو باگریہ و زاری
اس وقت سے اک ضعف ہے شبیرؑ پہ طاری
دیکھا تھا کہ ریتی پہ گرے تھے کئی باری
احوال یہ تھا ضعف سے فرزندِ علیؑ کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا ہم شکلِ نبیؐ کا

۷ جب تیر لگا تھا علیؑ اصغر کے گلے پر
کمزور تھا ایسا پسرِ فاتحِ خیبر
جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے سرور
ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاشِ علیؑ اصغر
اس وقت عجب حال سے تھراتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

۸ قتلِ پسرِ فاطمہؑ اب کچھ نہیں دشوار
کیا لاکھوں سے بر آئے گا وہ بیکس و ناچار
ہمراہ نہ اکبرؑ ہے نہ عباسؑ علمدار
جس کا نہ کوئی یار نہ مونس نہ مددگار
زخمی ہے جگر سبطِ رسولؐ مدنی کا
اب بازوؤں میں زور کہاں تیغ زنی کا

۹ ہاں تیروں کو چلوں سے کمانوں کے ملا دو
باقی ہے لڑائی یہی اب جان لڑا دو
اور چوکیاں دریا پہ سواروں کی بٹھا دو
دنیا سے محمدؐ کی نشانی کو مٹا دو
سب ٹوٹ پڑو دل کے اگر طالبِ زر ہو
شبیرؑ ہو بے سر تو مہم جنگ کی سر ہو

۱۰ اب جنگ میں کوشش کرو جانیں نہ چھپاؤ
مقتل میں لہو سبطِ پیمبر کا بہاؤ
شپیر کی آمد ہے پرے جلد جماؤ
حاکم کی خوشی کے لیے زہرا کو رلاؤ
شمشیر سے کاٹو سرِ فرزند نبی کو
گل کر دو چراغ محمد مرتضوی کو

۱۱ جب رن کو برآمد ہوئے شاہنشہِ عالم
پوچھا عمرِ سعد نے کیا شور ہے اس دم
دوڑا یہ خبر کرنے کو لشکر میں اک اظلم
وہ بولا کہ ڈیوڑھی پہ ہے اک حشر کا ماتم
سمجھاتے ہیں شہ گھر میں نہیں جاتی ہیں رانڈیں
سر کھولے ہوئے پیچھے چلی آتی ہیں رانڈیں

۱۲ گھوڑے کی طرف بڑھتے ہیں جب سبطِ پیمبر
اور چھوٹی سی اک لڑکی ہے پہنے ہوئے گوہر
سیدانیاں قدموں سے لپٹ جاتی ہیں آکر
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامنِ سرور
بہلاتے ہیں گودی میں بھی لے لیتے ہیں شبیر
پر جب وہ مچلتی ہے تو رو دیتے ہیں شبیر

۱۳ شہ کہتے تھے ماں پاس رہو ہم بھی ہیں آتے
وہ کہتی ہے جی ڈرتا ہے اب پانی منگاتے
تم پیاسی ہو ہم پانی کے لینے کو ہیں جاتے
پانی ہی اگر لاتے تو عباس نہ لاتے
بس اب نہ گھر و لاؤ میں بہت رو چکی بابا
عمو کو تو پانی کے لیے کھو چکی بابا

۱۴ بہلا کے اسے گھوڑے پہ جب چڑھنے لگے شاہ
حسرت سے ادھر اور ادھر دیکھ کے کی آہ
کوئی نہ تھا جو تھامے رکابِ شہِ ذی جاہ
خیمے سے عیاں ایک ضعیفہ ہوئی ناگاہ
زہرا سے دکھ شانِ بزرگی میں وہ کم تھی
پر بال پریشاں تھے کمر ضعف سے خم تھی

۱۵ چلائی تھی اس طرح وہ گردوں کی ستائی
افسوس ہے کس وقت میں ہوتی ہے جدائی
ٹھہرو کہ میں لینے کو رکاب آتی ہوں بھائی
مرنے کو چلے آپ مجھے موت نہ آئی
صدمہ عجب اس دم ہے شہِ جن و بشر کو
رہوار بھی روتا ہے جھکائے ہوئے سر کو

۱۶ اس بی بی نے جب پکڑی رکابِ شہِ ابرار
بیٹھی ہوئی گردن سے وہ کہتی تھی یہ ناچار
تب فاطمہ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
اے گھوڑے محمد کے نواسے سے خبردار
ہے وقت رفاقت یہ مصیبت کی گھڑی ہے
اسوار ترا راکبِ دوشِ نبوی ہے

۱۷ جاسوس نے جس وقت کہا ماجرا سارا
اک بار لشکر یہ لعینوں نے پکارا
ہونے لگے میداں میں صف آرا ستم آرا
ہشیار کہ آیا اسد اللہ کا پیارا
ہے آج محمد کے نواسے سے لڑائی
دریا سے نہ ہٹنا کہ ہے پیاسے سے لڑائی

۱۸ ناگاہ ہوئے سرورِ ذی جاہ نمودار
اک نورِ الٰہی تھا سرِ راہ نمودار
گویا کہ ہوئی قدرتِ اللہ نمودار
سب کہتے تھے ہوتا ہے یوں ماہ نمودار
کس دبدبے سے شام کے لشکر پہ چلے تھے
گویا کہ علی غزوۂ خیبر پہ چلے تھے

۱۹
تھی فتح و ظفر پکڑے رکابِ شہِ ابرار
اقبال جو خادم تھا تو نصرت تھی نمودار
آنکھوں سے لگاتے تھے ملائک سمِ رہوار
اور فاطمہؑ کی روح تھی بیٹے کی جلودار
پہلو میں نواسے کے نبیؐ خاک بسر تھے
پر کھولے ہوئے حضرت جبریلؑ سپر تھے

۲۰
چہرے سے ہویدا تھا جمالِ اسد اللہ
بے مثل تھے عالم میں مثالِ اسد اللہ
رحمت تھی نبیؐ کی تو جلالِ اسد اللہ!!
موجود تھے سب وصف کمالِ اسد اللہ
غربت بھی سخاوت بھی مروت بھی ادب بھی
صولت بھی شجاعت بھی ترحم بھی غضب بھی

۲۱
پیشانیِ روشن سے خجل نورِ رخِ بدر
تھا مصدرِ الہام خدائے دو جہاں صدر
رخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
سو اس پہ چلے تیر یہ امت نے کیا غدر
زخمی کیا وہ سینہ پُر اک دشمنِ دیں نے
تیر ایک طرف پاؤں دھرا شمرِ لعیں نے

۲۲
ابرو کی کمانوں کی زہے قدر زہے نشاں
محراب عبادت تھی پئے صاحبِ ایماں
ہر گوشہ پہ جن کے ہے دلِ فاطمہؑ قرباں
کافر کے لیے تیغِ ہلالی سحر پیداں
جوہر سا ہر ایک موئے سیہ پیشِ نظر ہے
تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگر ہے

۲۳
وہ دیدۂ حق بیں مئے وحدت سے ہیں سرشار
ہے عین خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار
وہ ذات جو طاعت میں خدا کی رہے بیدار
آنکھوں کو چراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار
وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں شام و سحر میں
دنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

۲۴
وہ ریش مطہر وہ رخِ حضرتِ شبیرؑ
وہ مصحفِ رخسار تھے حرفِ تبر و تیر
تھی سورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر
جدول کے عوض اس پہ کھنچے تھے خطِ شمشیر
سیپارہ تھا ہر جزو پہ احوال تھا حق کا
شیرازہ کھلا جاتا تھا اجزائے بدن کا

۲۵
وہ لب کہ جو شیرینی میں تھے قند سے بہتر
یاقوت کا کیا رتبہ جو ہو ان کے برابر
چوما تھا جنہیں احمدؐ مرسل نے مکرر
خاتونِ قیامت کا یہ لعل اور وہ پتھر
وہ حمدِ الٰہی کا سزاوار کہاں ہے
ہو سرخ پہ شیرینیِ گفتار کہاں ہے

۲۶
یہ لب لبِ کوثر ہے لبِ نہرِ لبنؑ ہے
دانتوں کو کہوں گر کہ ہر اک درِ عدن ہے
یاں گنگ دہن نطق کو یارائے سخن ہے
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمون کہن ہے
ہے پارۂ الماس نہ گوہر انہیں کہیے
شہ کو فلکِ حسن تو اختر انہیں کہیے

۲۷
اوصاف بیاں ہو نہیں سکتے ہیں زباں سے
اعجاز ہے عیسیٰؑ کا عیاں اس کے بیاں سے
ہے کام اسے حمدِ خدائے دو جہاں سے
برگِ گلِ تر لائے نزاکت یہ کہاں سے
بے آبی سے اب حال بہت تنگ ہوا ہے
کانٹے ہیں پڑے پیاس سے یہ رنگ ہوا ہے

۲۸
بازو ہیں کہ شاخِ شجرِ حسن و ضیا ہیں
دونوں جو کفِ دست ہیں دریائے عطا ہیں
ساعد نہیں آئینۂ انوارِ خدا ہیں
اور انگلیاں مانند علیؑ عقدہ کشا ہیں
شرمندگی ہے بدر کو ناخن کی یہ ضو ہے
اک اس کا تراشہ ہوا ناخن مہِ نو ہے

۲۹
کیا لوح کے سینے کی قلم لکھ سکے اوصاف
کینے سے سدا پاک کدورت سے سدا صاف
مہتاب سے روشن ہے تو آئینہ سے شفاف
ہے خانۂ عدل و کرم و بخشش و الطاف
گنجینۂ اسرارِ خدا اس میں دھرا ہے
قرآں کی طرح علمِ الٰہی سے بھرا ہے

۳۰
فاقوں میں بھی شکوے کا زباں پر نہیں مذکور
سنگِ ستم و جور سے ہے شیشۂ دل چور
کھانے سے شکم خالی ہے اور تیر سے معمور
زخمِ دلِ اکبرؑ سے کلیجے میں ہے ناسور
بے جاں علی اکبر جو ہوا تیرِ ستم سے
مانند کماں خم ہے کمر بارِ الم سے

۳۱
کیا وصفِ ثباتِ قدمِ پاک کروں سر
ٹلتے نہیں جوں شمع اگر تن سے کٹے سر
ہو کوہ نہ ثابت قدمی میں کبھی ہمسر
ہو جاتے ہیں سرکش یہاں پامال سراسر
گرچرخ پہ نقشِ قدمِ سرورِ دیں ہو
گردوں ابھی ساکن صفتِ روئے زمیں ہو

۳۲
خود نور ہیں اور نور کی ہے جسم میں پوشاک
ہے جسم میں کیا ٹھیک قبائے شہِ لولاک
عمامہ یداللہ کا ہے زیبِ سرِ پاک
ہے گوشۂ فردوسِ بریں جس کا ہر اک چاک
جیسا ہے بدن ویسی ہی پاکیزہ قبا ہے
یہ جامہ اسی تن کے لیے قطع ہوا ہے

۳۳
ہے سایۂ حق خود سرِ سرورِ عالی
یہ سوچ کے مولا نے زرہ تن پہ نہ ڈالی
اور شوقِ شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی
زخمِ تبر و تیر کی جاگہ رہے خالی
اک برق کی شمشیر فقط زیبِ کمر ہے
ہے دستِ علیؑ پشت کے اوپر یہ سپر ہے

۳۴
وہ وقتِ زوال اور وہ میدانِ تب و تاب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب
سایہ نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
نے یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
حسرت سے جدھر دیکھا ستم گر نظر آئے
نیزے کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے

۳۵
صدقے تھی غریبی تو فدا بیکسی و یاس
قاسمؑ کہیں اکبرؑ تھے کہیں اور کہیں عباسؑ
سب دور تھے اس وقت جو رہتے تھے سدا پاس
وہ دھوپ وہ بھوک اور کئی روز کی وہ پیاس
ہر جانب دریا نہ نظر کرتے تھے شبیرؑ
خشکیدہ زباں شکر سے تر کرتے تھے شبیرؑ

۳۶
روتے تھے کبھی دیکھ کے لاشِ علیؑ اکبرؑ
جب دیکھتے تھے لاشۂ عباسؑ دلاور
تکتے تھے بصد یاس کبھی لاشۂ اصغرؑ
کہتے تھے کمر تھام کے تب ہائے برادر
سب باغ تو پامال ہوا تین پہر میں
اب آپ ہیں اور داغ بہتر ہیں جگر میں

۳۷ سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورتِ بسمل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل
فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
گھبراؤ کہ آسان ہوئی جاتی ہے مشکل
گو یار و مددگار ہر اک مجھ سے جدا ہے
لیکن نہ ہراساں ہو کہ بیکس کا خدا ہے

۳۸ کوئی نہیں ہوتا ہے برے وقت میں یاور
جز سایۂ الطاف خدا کون ہے سر پر
جاؤں کہاں اب ہیں کہاں ہیں علی اکبر
سب چھوڑ گئے ساتھ ہے بیکس مرا داور
جب حلق پہ تیغِ جفا ہوئے گا میرا
اس دم بھی مرے سر پہ خدا ہوئے گا میرا

۳۹ بس اتنے میں حضرت پہ ہوا نرغۂ کفار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
تیروں کی تنِ پاک پہ پڑنے لگی بوچھار
جتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفاکار
تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ ہے یہ کس کا
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا

۴۰ اعدا نے کہا ہم تمھیں پہچانتے ہیں خوب
ہے آج مگر قتل تمھارا ہمیں مطلوب
ہو اُس کے نواسے کہ خدا کا ہے جو محبوب
بچنے کے نہیں تم کسی صورت کسی اسلوب
کچھ فاطمہؑ کے رونے کا وسواس نہیں ہے
ملبوسِ نبی کا ہمیں کچھ پاس نہیں ہے

۴۱ حضرت نے کہا حق کے غضب سے نہیں ڈرتے
شہ نے کہا مہمانوں پہ صدمے ہیں گذرتے
وہ بولے کہ ہاں خوفِ خدا ابھی نہیں کرتے
پانی دو کہ بچے ہیں مرے پیاس سے مرتے
سب نے کہا پانی سے نہ سیراب کریں گے
معصوم اگر تشنہ علی اصغرؑ سے مریں گے

۴۲ فرمانے لگے رو کے یہ ملعونوں سے حضرت
سید ہوں نبی زادہ ہوں دو اتنی اجازت
منظور تمھیں آج ہے گر میری شہادت
ناموس کو میں سوئے مدینہ کروں رخصت
عزت رہے ناموسِ رسولؐ عربی کی
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۴۳ گر ہوں تو میں حاکم کا تمھارے ہوں گنہگار
زہراؑ سے نہیں رہتے ہیں کم زینبؑ ناچار
وہ بیکس و مجبور ہیں کیا اُن سے سروکار
واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
وہ نکلی تو زہراؑ نکل آئے گی کفن سے

۴۴ اعدا نے کہا واہ یہ بالعکس ہے گفتار
سر ننگے پھر آئیں گے حرم کو سرِ بازار
لوٹیں کسے پھر جائے اگر حضرتِ اطہار
چادر سرِ زینبؑ پہ نہ ہم چھوڑیں گے زنہار
کیا پائیں گے سر آپ کا گر ہاتھ لگے گا
ناموس کو لوٹیں گے تو زر ہاتھ لگے گا

۴۵ سن کر یہ سخن شہ کی جبیں پر عرق آیا
منہ کر کے سوئے عالمِ بالا یہ سنایا
ٹھہرانے لگا حیدرِ کرار کا جایا
باقی کوئی حجت نہ رہی بارِ خدایا
مجبور سمجھتے ہیں یہ فرزندِ نبیؐ کو
اب میں بھی علم کرتا ہوں شمشیرِ علیؑ کو

۴۶
فرما کے یہ کی سمت سے علم تیغ شرر ریز
غیظ شہ عالم ہوا رہوار کو مہمیز
ہیبت سے لرزنے لگا میدان بلاخیز
چالاک تھا صرصر سے تو بجلی سے کہیں تیز
غل تھا کوئی کیا روکے گا اس تیغ دوسر کو
سرکو کہ جلال آیا محمدؐ کے پسر کو

۴۷
بڑھ کر ہوئے اس طرح رجز خوان شہ ذی قدر
بابا ہے مرا فاتح جنگ اُحد و بدر
اس تیغ سے کاٹوں گا ہزاروں کے سر و صدر
نانا ہے وہ انگشت سے شق جس نے کیا بدر
میں بھی اسد حق کی طرح قلعہ کشا ہوں
بچہ ہو مرے دیکھو کہ میں شمشیر خدا ہوں

۴۸
ہرچند کہ تم لاکھوں ہو اور ہیں تن تنہا
کیا لطف ہے اک پیاسے کو گر تیروں سے مارا
اور تین شب و روز کا بھوکا ہوں میں پیاسا
نکلے جسے تم سب میں شجاعت کا ہو دعوےٰ
جرأت کو بھی ہمت کو بھی ضربت کو بھی دیکھے
اور فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت کو بھی دیکھے

۴۹
لکھا ہے اُدھر تھا بن عتبہ کوئی سردار
اور چار ہزار اہل ستم کا تھا وہ سالار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرار
شمشیر تھی اس کی دم اژدر دم پیکار
کینہ تھا اسے سبط رسولؐ عربی سے
مارا گیا تھا اس کا پدر دست علیؑ سے

۵۰
کس غیظ سے آیا سر میدان وہ ستمگر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے اندر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
سرخ آنکھیں بھرا منہ میں لہو دیو سا خود سر
فولادی سپر دوش پہ چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

۵۱
اسپ دو رکابہ بھی قوی ہیکل و چالاک
زنجیروں سے باندھے کمر نحس کو سفاک
نیزوں کو دھرے دوش پہ مرکب سے غضبناک
ابرو پہ تکبر سے گرہ خود سر و بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کی جلو میں
اور بیکسی تھی سبطؑ پیمبر کے جلو میں

۵۲
گھوڑے سے یہ بولا پسر شاہ ولایت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
فاقے پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقت رفاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دنیا میں یہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

۵۳
گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک ہوں ہمراہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے ماہ
طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہ ذی جاہ
ہم قوت خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

۵۴
اتنے میں وہ نزدیک شہ بحر و بر آیا
اللہ کا دریائے غضب جوش پر آیا
اس وقت تو غصے میں علیؑ کا پسر آیا
رہوار بھی اک برق مجسم نظر آیا
شمشیر علیؑ میان سے باہر نکل آئی
اعجاز سے خود تیغ دو پیکر نکل آئی

۵۵ نعرہ کیا جو شہ نے ہلا گنبدِ دوّار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سوئے کہسار
طبقاتِ ارضی کو تزلزل ہوا اک بار
فرمایا کہ ہاں وار کر اے ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کرونگا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

۵۶ یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ
پہونچی تھی سناں متصلِ سینہ کہ ناگاہ
اس طنطنہ سے آیا کہ اَلعظمۃُ للہِ
ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیر یداللہ
اس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
اک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

۵۷ قبضے میں کماں لے کے بڑھا تب وہ جفاکار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار
چلّے سے بہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرسِ گرم عناں کو
نیزے سے اڑا لے گئے جوں تیر کماں کو

۵۸ شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری
اس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری
حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اس ظالمِ پُر کید پہ آئے
جس طرح کہ شہبازِ اجل صید پہ آئے

۵۹ دہنی طرف اس شامی نے گھوڑے کو اڑایا
تیغِ دو زباں کو شہِ عالم نے اٹھایا
حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

۶۰ سر پہ جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن
جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن
گردن سے گئی تابہ کمر کاٹ کے جوشن
دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

۶۱ فرزندِ محمدؐ نے کیا نعرۂ تکبیر
تھا شور کہ زہراؑ کے یہ ہے دودھ کی تاثیر
تھرانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغِ دو پیکر کے قضا ہے
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

۶۲ لشکر کے نمودار کو حضرت نے جو مارا
اعدا پہ چلا خود اسد اللہ کا پیارا
لاکھوں میں نکلنے کا نہ تھا ایک کو یارا
کرنے لگیں روحیں قفسِ تن سے کنارا
ہر وار میں دونی تھی برش تیغِ دو دم میں
جس صف پہ جھکے شاہ فنا ہو گئی دم میں

۶۳ کامل تھی زبس بحرِ شجاعت میں وہ تلوار
جو کوئی قریب آیا رجز خواں دمِ پیکار
مثلِ الفِ وصل گرے جاتے تھے کفّار
سالم تھا کوئی بے فاصلہ رکن اس کے ہوئے چار
کیا لڑتے کہ سکتہ تھا ہر اک اہلِ حسد کو
تقطیع کیا تیغ نے ہر مصرعۂ قد کو

۶۴ ہر چند ردیف ایک کا تھا ایک ستمگر
تھے روبہ قضا و قہر و غضب وہ بد اختر
جوں قافیہ پیچھے تھی مگر تیغ دو پیکر
ہو سکتا نہ تھا تیغ اجل سے کوئی سر بر
تن جس کا جلا نائرۂ تیغ دو سر سے
وصل اس کا رہا تا بہ ابد نار سقر سے

۶۵ بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں رہوار
پے کرنے کی کیا کیا تگ و دو کرتے تھے کفار
قطرات عرق جسم پہ تھے اختر سیار
اس تک نہ پہونچ سکتا تھا پر وہم خطا کار
مانند تصور کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پہ نظروں سے نہاں تھا

۶۶ بانی روش سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال
رخ زرد تھے ڈر سے یہ سیہ کاروں کا تھا حال
سر گر رہے تھے برگ خزاں دیدہ کی تمثال
تھا شور کہ سرسبز ہوا فاطمہ کا لال
شمشیر کے پھل سے ثمر تازہ لے تھے
اعدا پہ خزاں تھی پہ گل زخم کھلے تھے

۶۷ گرتی تھی چمک کر جو حسام شہ ذی شاں
سکان سماوات بھی تھے ششدر و حیران
تھی گاو زمیں زیر زمیں خوف سے لرزاں
جنات میں غل تھا کہ نہیں بچنے کی اب جاں
اللہ بچائے طبق ارض و سما کو
آج آیا ہے غصہ پسر شیر خدا کو

۶۸ دیتے تھے محمدؐ کی دہائی جو ستمگار
آئی یہ صدا احمدؐ مختار کی اک بار
کیا رحم ہے تھم جاتے تھے اس دم شہ ابرار
میں تیری شجاعت کے فدا اے مرے دلدار
جانباز کوئی تجھ سا زمانے میں کہاں ہے
خود آج ثنا خوان ترا رب دو جہاں ہے

۶۹ اب روک لے شمشیر کو اے میرے گل اندام
پیاسے ہو کئی دن کے شہادت کا پیو جام
لازم ہے ترحم کہ یہ لیتے ہیں مرا نام
تا ہووے گنہگاروں کی بخشش کا سرانجام
بیٹھو تو شمشیر یہ مرضی خدا ہے
اے عاشق صادق دم تسلیم و رضا ہے

۷۰ سن کر یہ صدا شہ نے رکھی میان میں تلوار
بندے کو ہے خوشنودی مولا سے سروکار
کی عرض کہ امت پہ فدا ہے مرا گھر بار
کرتا ہوں وفا منہ سے کیا تھا جو کچھ اقرار
امید ہے جب حلق تہ تیغ جفا ہو
پیشانی تو سجدے میں ہو اور لب پہ دعا ہو

۷۱ زینب در خیمہ پہ یہ اس وقت پکاری
وقفہ نہ کرو بھاگ چلی فوج تو ساری
کیوں روک لی تلوار بہن ہو گئی واری
پھر آکے کہیں گھیر نہ لے لشکر ناری
عرصہ نہیں ہے فتح لڑائی کوئی دم کو
صدقے گئی دم لینے نہ دو فوج ستم کو

۷۲ کو فاقے سے ہو اور کئی دن کے ہو پیاسے
ماں کیسی پدر کیسا ہے کس کے ہو نواسے
یہ ارث شجاعت ہے تمہیں شیر خدا سے
لو خون عزیزاں کا عوض اہل جفا سے
جن لوگوں نے اکبرؑ کو مرے قتل کیا ہے
تم کرتے ہو رحم اُن پہ تعجب کی یہ جا ہے

۷۳ یہ وہ ہیں کہ برباد کیا فاطمہؑ کا گھر
عباسؑ کو پانی کے لیے خوں میں کیا تر
یہ وہ ہیں کہ دولہا کو جنھوں نے کیا بے سر
مجروح کیا تیر سے حلقِ علی اصغرؑ
برچھی مرے اکبرؑ کو لگائی ہے انھیں نے
تصویر محمدؐ کی مٹائی ہے انھیں نے

۷۴ فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ابرار
اک حملہ میں چاہوں تو فنا ہوں یہ خطاکار
دیتے ہیں محمدؐ کی دہائی یہ ستمگار
ناناؐ کا گر پاس ہے اے خواہرِ غمخوار
زورِ اسداللہ دکھایا نہیں جاتا
اب ہاتھ تو امت پہ اٹھایا نہیں جاتا

۷۵ حیدرؑ کی شجاعت تو بہن میں نے دکھائی
غربت بھی تو میراث میں حیدرؑ کی ہے پائی
زندوں کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
مظلومی بھی حق کہہ تو دکھائے یہ فدائی
غل حوروں کے رونے کا ہے میدانِ ستم میں
سر کھولے ہوئے آتی ہیں اماں کوئی دم میں

۷۶ اعدا نے سنی جب شہِ والا کی یہ تقریر
پھر آن کے تنہا سے مقابل ہوئے بے پیر
ثابت ہوا اب جنگ نہیں کرنے کے شبیرؑ
بےخوف لگانے لگے تیغ و تبر و تیر
شہ کھاتے تھے تلواریں موئی جاتی تھی زینبؑ
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ

۷۷ چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو
شبیرؑ کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
اوجھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

۷۸ صف باندھ کے یا کر لو تمھیں خیمے کا پردا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباسؑ کا لاشا
یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لبِ دریا
تا دیکھے نہ سر کٹتے ہوئے دخترِ زہراؑ
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر
شبیرؑ کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

۷۹ حضرت کی کوئی بات نہ سنتے تھے وہ اظلم
سر ضعف سے ہرنے پہ جھکا جاتا تھا اس دم
حربے تنِ اقدس پہ لگے جاتے تھے پیہم
نیلے تھے لبِ لعل تھا یہ پیاس کا عالم
زخمی بھی سراپا ہیں حرارت بھی غضب ہے
ہر وار پہ ملعونوں سے پانی کی طلب ہے

۸۰ وہ گرم ہوا جیٹھ کی وہ تشنہ دہانی
حلقے کے شمشیر بہ کفِ ظلم کے بانی
کچھ کہتے تھے اور منھ سے نکل جاتا تھا پانی
ہر ایک دل آزار ہر اک دشمنِ جانی
طاری تھا جو غش دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
جھک جھک کے سنبھل بیٹھتے تھے خانۂ زیں پر

۸۱ لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اٹھا کر وہ جگر ریش
وارد ہوا اس دشتِ بلا میں کوئی درویش
اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفا کیش
بےکس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے
یہ کہتا ہے پانی دو وہ ہیں تیر لگاتے

۸۲
بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ دیندار
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار
کس دکھ میں یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہگار
یہ ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے
کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے

۸۳
کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلماں
بیکس ہے یہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں
یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحب ایماں
ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترے ذکر میں خنداں
زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے
جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے

۸۴
کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دم آخر نہیں دیکھا
کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کون سی بیداد نہیں ہے
کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہے

۸۵
ایسے بھی ترے بندہ مقبول ہیں مولا
جب تیغ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں نہوڑا
گھر لٹنے کا غم جن کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
اُف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہے نیزا
چہرے پہ بشاشت ہے کہ ہنگام اجل ہے
نیزے کو سمجھتے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہے

۸۶
یہ کہہ کے بصد درد بہت رویا وہ غمگیں
ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیش شہ دیں
اور مشک سے سیراب کیا کاسۂ چوبیں
کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہو تسکیں
یہ دکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و غنی پر
دل ہوتا ہے ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر

۸۷
اے بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہے بتلا
کیا تو نے عزیزوں کو ہے ان لوگوں کے مارا
بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
کشتے یہ وہی ہیں جو پڑے ہیں لب دریا
مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہے
مرد ہے کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہے

۸۸
دریا کی ترائی میں جو سوتا ہے یہ مہرو
یہ تازہ جواں خون میں بھرے جس کے ہیں گیسو
کرتا ہے قلم ایسے جری کے کوئی بازو
مارا اسے کیا صاحب اولاد نہ تھا تو
دولہا جو سناں کھائے یہ روتا ہے زمیں پر
کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر

۸۹
پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغرؑ یہ پکارا
اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا
وہ سب تو لڑے ہوں گے جو تو نے انھیں مارا
کیا ہوئے گا حال اس کا یہ جس ماں کا ہے پیارا
جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا
جیتا رہا ہوگا کہ پدر مر گیا ہوگا

۹۰
درویش کے سن کر یہ سخن رونے لگے شاہ
فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ
مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کی آہ
کیا اپنی مصیبت کہوں اے بندۂ اللہ
سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہے
یہ باغ مرا ہے کہ جو تیغوں سے قلم ہے

۹۱
بے دست ہے جو نہر پہ وہ ہے مرا بھائی
یہ تیر کہ سینے پہ سناں جس نے ہے کھائی
ٹوٹی ہے کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
مجھ باپ کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی
وہ طفل جو ریتی پہ ستارہ سا پڑا ہے
چھوٹا ہے یہ بیٹا پہ الم اس کا بڑا ہے

۹۲
ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہیں بے پیر
سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
کرتا ہوں ہدایت انھیں یہ ہے مری تقصیر
مہمان پہ کس نے ستم ایسا بھی کیا ہے
دو روز سے پانی نہیں پینے کو دیا ہے

۹۳
اے شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا
اجر اُس کا خدا دے کہ بڑا رنج اُٹھایا
اس وقت میں پانی تو مرے واسطے لایا
پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا
اب خاک ہیں سو چشمے جو پانی سے بھرے ہیں
کیونکر وہ پیئے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں

۹۴
دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہے انکار
جنت کے لیے پانی کا اُن سے ہوں طلبگار
واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
احساں ہمیں منظور کسی کا نہیں زنہار
حیدر کی طرح تارک دنیائے دنی ہیں
ظاہر میں ہیں محتاج مگر دل کے غنی ہیں

۹۵
مشکل کوئی تجھ پر ہو تو آساں ابھی کر دیں
ہیں دل کے غنی سر کا جو سائل ہو تو سر دیں
اس جام کو تو کہہ تو زر و مال سے بھر دیں
ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں
حق میں کسی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے
فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

۹۶
درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر
دل پیاسی سکینہؑ کے لیے ہو گیا مضطر
تکنے لگے حسرت سے سوئے لاشۂ اصغرؑ
دیکھا طرف خیمہ کئی مرتبہ مُڑ کر
آنکھوں سے بہے اشک رخ سرورِ دیں پر
اُس پانی کو بس پھینک دیا رو کے زمیں پر

۹۷
پھر دست گدا میں وہ دیا کاسۂ خالی
اللہ رے اعجاز کف سرور عالی
اور خاک اٹھا تھوڑی سی اس جام میں ڈالی
لبریز تھے اس کاسہ میں یاقوت و لآلی[لہ]
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر
بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر

۹۸
کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدم شاہ
ہیں آپ وصی یا کہ ہیں پیغمبر ذی جاہ
مولا مجھے نام اپنا بتا دیجیے للہ
کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجیے آگاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی

۹۹
حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام
مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
دنیا ہے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
غربت کی جگہ منزل دنیائے دنی ہے
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے

[لہ] جمع لولو - موتی ۱۲

۱۰۰
کیا پوچھتا ہے قوم! نبیؐ کا ہوں نواسا
اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطحا
مادر وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرت زہراؑ
بیٹا ہوں میں حیدرؑ سے شہِ عقدہ کشا کا
ان میں سے ہر اک گلشنِ جنت کا مکیں ہے
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے

۱۰۱
کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار
ہیں آپ حسینؑ ابنِ علیؑ یا شہِ ابرار
آقا تمھیں بندے نے نہ پہچانا تھا زنہار
شہزادۂ کونین اور اس دکھ میں گرفتار
تلوار مجھے دیجیے کہ جنگ ان سے کروں میں
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں

۱۰۲
فرمانے لگے رو رو کے یہ سرورِ ذی جاہ
ہم اس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ
لے راہِ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سرِ راہ
ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے

۱۰۳
راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوئے شاد
تربت میں کریں گے شبِ اول تری امداد
پر بھولیو مت پیاس ہماری یہ رہے یاد
مجبوری غربت پہ سدا نالہ و فریاد
روئے گا مری پیاس پہ جو بزمِ عزا میں
لکھے گا اسے خالق اکبر شہدا میں

۱۰۴
فرمانے سے حضرت کے وہ رخصت ہوا ناچار
میداں سے نہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
دیکھا کہ تڑپتا ہے تہِ تیغ ابرار
اور کاٹے لیے جاتا ہے سر شمرِ ستمگار
مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینبؑ
سر پیٹتی خیمے سے چلی آتی ہے زینبؑ

۱۰۵
زہراؑ کی صدا ہے کہ گئی میری کمائی
مارا گیا شبیرؑ محمدؐ کی دہائی
پانی کی مرے لال نے اک بوند نہ پائی
بے بے ہوئی بن بھائی کی زینبؑ مری جائی
دنیا مرے شبیرؑ سے خالی ہوئی ہے ہے
بانو مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے

۱۰۶
ہے وقتِ دعا حق سے انیسؔ اب تو دعا کر
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو روا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف عطا کر
مقروض جو مومن ہوں تو قرض ان کا ادا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

رباعی

بالوں پہ غبارِ شیب ظاہر اب ہے
ہشیار انیسؔ تو سا فراب ہے
پیدا ہے سپیدی سحر پیری کی
اب خواب سے چونک رات آخر اب ہے

رباعی

درد و الم ممات کیونکر گذرے
یہ چند دمِ حیات کیونکر گذرے
مرنے کا تو دن گذر گیا شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

مرثیہ
رطب اللساں ہوں مدحِ شہِ خاص و عام میں
لب ہیں خموش پر ہے زباں اپنے کام میں
ہے سر بسر حدیثِ حسن اس کلام میں
گویا کہ ذوالفقارِ علیؑ ہے نیام میں
دعویٰ نہیں غرورِ زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

۲
ہر جا ہے ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا
ہے سہلِ ممتنع یہ کلامِ ادق مرا
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
پائی کبھی نہیں یہ حلاوت نبات میں
مضمون تو ٹپک رہے ہیں بات بات میں

۳
فوجِ سخن میں شقّہ کشا ہے علم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
پڑتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ہے معرکہ میں رستم و دستاں قلم مرا
نقشا جو کھینچتا ہے صفِ کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

۴
ہے گوہرِ محیطِ فصاحت سخن مرا
ہے مدح خوانِ گلِ زہرا چلن مرا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا
بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چنے نہیں

۵
مقبول ہے کلامِ فصاحت نشاں مرا
شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا
ہے بادشاہِ کون و مکاں قدرداں مرا
بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا
مداحی حسینؑ سے حسنؑ قبول ہے
یہ رتبہ غلامیِ آلِ رسولؐ ہے

۶
ہاں اے کمیتِ خامۂ مشکیں طراز بس
اے شہسوارِ طبع فصاحت نواز بس
یہ شوخیاں یہ چابکی اے ترک تاز بس
اے یکہ تاز فصحت میدان عجز و نیاز بس
جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
آداب کا مقام ہیں باگیں لیے ہوئے

۷
نورِ خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال
اوصافِ آل میں فصحا کی زباں ہے لال
پہونچا کبھی نہ خیلِ ملک کا جہاں خیال
ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو دے کمال
برسوں لکھیں تو وصفِ ائمہ بیاں نہ ہو
ہر موئے تن زباں ہو تو شمّہ بیاں نہ ہو

۸
کیونکر بیاں ہو شوکت و شانِ پیمبریؐ
طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زورِ حیدری
عاجز ہیں یاں فرزدق[1] و حسان و .... حمیری
دوڑے کمیتِ خامہ تو کھائے سکندری
قرآں میں جن کا وصف کرر خدا کرے
پھر کس زباں سے .... بشر اُن کی ثنا کرے

۹
قصرِ ثنائے آلِ محمدؐ بہت ہے دور
بس اے زباں یہ چرب زبانی ہے کیا ضرور
کرتا ہے دم میں ذہنِ رسا سو جگہ قصور
ہے بے نیاز دہن[2] و قصاری سے شمعِ طور
بے مثل و بے نظیر ہیں اور بے عدیل ہیں
کافی ہے یہ کہ نورِ خدائے جلیل ہیں

---

[1] نام شاعران گذشتہ ۱۲
[2] دہن یعنی روغن و قصاری یعنی فتیلہ ۱۲

۱۰
کیا وصف کر سکے کوئی ایسا بیاں کہاں
ذرہ کہاں وہ مہرِ تجلی نشاں کہاں
طاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں
نسبت ہے کیا زمیں کہاں آسماں کہاں
حقا کہ پنجتن کے شرف بےقیاس ہیں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں

۱۱
جینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا
ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیے

۱۲
یوسف کے حسن سے انھیں گر دیجیے مثال
سر سبز ہر طرح ہے رسولِ خدا کی آل
وہ ماہتاب اور یہ خورشیدِ بے زوال
ہے شہرۂ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
یوسفؑ سا سرو تھا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا

۱۳
باقی رہے بس آپ سے تشبیہ مہر و ماہ
لغزش یہاں خطا ہے تعلّی یہاں گناہ
رُخ ایک کا ہے زرد تو ہے ایک کا سیاہ
ہشیار اے قدم کہ دمِ تیغ پر ہے راہ
کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہہ گئے
سالک ہزارہا اسی منزل میں رہ گئے

۱۴
غافل نہ ہو درود سے ہاں اے زبانِ پاک
قرباں ہے جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
دکھلا دے فیضِ چشمۂ کوثر دہانِ پاک
جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
کانپے زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بل چلے

۱۵
شبیرؑ سا جہاں میں نہیں دُرِّ شاہوار
بابا سرِ جہاں کے لیے تاجِ افتخار
نانا محمدؐ عربی فخرِ روزگار
مادر جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی وقار
نکلا یہ نور نورِ رسالت مآب سے
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

۱۶
آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال
خلقِ حسنؑ تو عصمتِ زہرا سے خوش خصال
تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض اُن کا عام ہے
طوبیٰ اسی نہال کے سایہ کا نام ہے

۱۷
ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود
کیا امرِ صدق میں ہے بھلا حاجتِ شہود[1]
ہے شکل ممتنع قسمِ واجب الوجود
ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
دشوار ہے مثال تری بے مثال کی
ساحل تلک نہ پہونچے گی کشتی خیال کی

۱۸
کہف الورٰی امام امم معدنِ التقٰی[2]
فیاضِ آبِ کوثر و ساقی اولیا
مصباح[3] دیں سراجِ مبیں ہادی الہدیٰ
نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
الفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں

---

[1] شہود جمع شاہد بمعنی گواہان [2] تقی بضم پرہیزگاری بر ضرورت قافیہ بہ الف نوشتہ شد [3] مصباح و سراج بمعنی چراغ ۱۲

۱۹
قربان تیرے نام کے اے وارث خلیل
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیلؑ
صدقے ترے جلال کے اے سید جلیل
ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
مولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی
لیجیے گا قبر میں خبر آ کر غلام کی

۲۰
اندیشۂ فشار سے ضغطے میں ہے یہ جاں
سختی سے آشنا نہیں ابتک یہ استخواں
نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
آقا بچایئے گا مرا جسم ناتواں
ہو گی اگر زباں کو طاقت کلام کی
چلاؤں گا میں عود کر دہائی امام کی

۲۱ مطلع دوم
عطر گل حدیقۂ ایماں حسینؑ ہے
زانو نبیؐ کا رحل تو قرآں حسینؑ ہے
تازہ ہو جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
پانی ملا نہ جس کو وہ مہماں حسینؑ ہے
تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کی آب سے

۲۲
سید کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہ رسالت پناہؐ آہ
دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک بے سپاہ آہ
زانوئے شمر و سینۂ شبیرؑ آہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بری چلی
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی

۲۳
عاشور کو جو لٹنے لگا فاطمہؑ کا باغ
جانِ علیؑ کو سوزِ الم سے نہ تھا فراغ
تاریک ہو گئے کئی گھر گل ہوئے چراغ
دل لخت لخت تھا تو کلیجہ تھا داغ داغ
ہوتا تھا جو نثار قدم پر امام کے
رہ جاتے تھے حسینؑ کلیجے کو تھام کے

۲۴
یعقوبؑ سے چھٹا تھا جو پیری میں ایک لال
یاں دو پہر میں ہو گیا سب باغ پائمال
مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
تیغوں سے کٹ گیا علی اکبرؑ سا نونہال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکر خدا کیا

۲۵ مطلع سوم
سولہ پہر حسینؑ کو گذرے جو پیاس میں
شکر خدا تھا لب پہ اس اندوہ و یاس میں
طاقت نہ تھی کلام کی اس حق شناس میں
اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
سب گھر لٹا دیا فقط اتنی سی بات پر
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر

۲۶
ایوبؑ نے سنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر
تڑپے نہ مثلِ برق نہ روئے مثالِ ابر
اک جان لاکھ درد تھے اک دل ہزار جبر
غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
دیکھا جو منہ سے دودھ اگلتے صغیر کو
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو

۲۷
امت نے کی نبیؐ کے نواسے کی کچھ نہ قدر
آشوب ایسا چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
بارانِ تیر ظلم کہاں اور کہاں وہ صدر
بدلی میں فوج شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
بارانِ تیر کیں تھا ہوا تھی پھری ہوئی
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی

۲۸
وہ فوج وہ سیاہی ... صحرائے لق و دق
گرمی وہ روز جنگ کی وہ پیاس کا قلق
ترکوں میں تھا مرقع زہراؑ کا بر ورق
کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق
تھا سب پہ اوج دوشِ نبیؐ کے سوار کو
تولے ہوئے تھے مثلِ علیؑ ذوالفقار کو

۲۹
معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس
شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
شیروں کو وقت مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشم حق شناس
ابرو کے خم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں
پتلی ادھر ہلی کہ صفیں واں الٹ گئیں

۳۰
تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال
غل تھا کہ سرخ روز ازل سے ہے رنگِ لال
اللہ رے جوش جرأتِ سرور زہے جلال
بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلف رسا کے بال
بجلی جو کوندتی ہے چہرے کے نور سے
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے

۳۱
وہ لو وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر
تیزی تھی دھوپ میں کہ جلی جاتی تھی نظر
دست قرہ سے پھٹتی تھیں پتلیاں بھی سر
تھے تر بتر پسینے میں سلطانِ بحر و بر
قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جناب پر
غل تھا پڑی ہے اوس گل آفتاب پر

۳۲
مژگاں کی صفِ دراز وہ اور ابروؤں کے خم
پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دم بدم
مردم سے تھا اشارۂ چشم شہِ امم
محبوبِ کردگار کے ہیں نور عین ہم
روشن تھا رخ سواد خطِ مشکبار میں
تھا فرق بال بھر کا طلب اور نثار میں

۳۳
جنات عدن ہے رخ شاہنشہ زمن
ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
وہ لعلِ لب کہ بات میں دیں حاصلِ یمن
دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ دُرِ عدن
کیا ذکر رخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا
پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا

۳۴
ریش سیاہ روئے دل آرام ایک جا
قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
ہیں موسیٰؑ و مسیحؑ خوش انجام ایک جا
رکن و مقام کعبہ و اسلام ایک جا
لاریب فیہ مصحف ناطق کے آئے ہیں
رخسار پاک ہاتھوں پہ قرآن اٹھائے ہیں

۳۵
گوہر نثار اختر دنداں کے نور پر
ہنستی ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاکِ حضور پر
گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر
راقم نے جن لبوں کو جواہر رقم کیا
اس لعلِ لب پہ سنگ لگائے ستم کیا

۳۶
جو تازگی میں ہوں گلِ تر سے زیادہ تر
واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
اپنی زباں چسائیں جسے سید البشرؐ
وہ لعلِ لب کریں ہدفِ تیر بد گہر
دریا پہ تشنہ کام شہ نیک خو رہے
پانی کی پھر جہاں میں خاک آبرو رہے

۳۷
الماس میں کہاں دُرِ دنداں کی برق و شرق
تاروں میں اور ان میں زمیں آسمان کا فرق
خود آب شرم میں گہر بے بہا ہیں غرق
ضو ہے کہ بات بات میں یاں کوندتی ہے برق
لب مسکرا کے گوہرِ یکتا دکھاتے ہیں
ہمرن درِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

۳۸
تا آسماں ہے چہرۂ شاہِ امم کا نور
کونین میں محیط ہے ابرِ کرم کا نور
سرتاج آسمان و زمیں ہے قدم کا نور
دیکھا ہے یہ کسی نے کسی ایک دم کا نور
عکسِ رخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں
ذرے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

۳۹
کعبہ ہے روئے اقدسِ فرزندِ بوتراب
ہیں ہفت شوط پنجتنی کو یہاں ثواب
کس آئینہ میں ہے یہ صفائی یہ آب و تاب
طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں

۴۰
معراجِ مصطفےٰ کی ہے شب زلفِ عنبریں
ہے صبحِ عید پر تو آئینۂ جبیں
سجدے کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں
صادق یہیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے راز و نیاز میں
بیشک دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں

ن ۔ شوط • چکر

۴۱
رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ
نورِ بیاضِ حسنِ محمد کی بوسہ گاہ
سردارِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ
تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا اُلٹ گیا

۴۲
وہ دوش ہیں شفاعتِ امت کا جن پہ بار
بازوئے بابِ دیں ہیں یہ بازوئے استوار
گوری کلائیوں کی صفائی پہ مہ نثار
فانوسِ آستیں سے تجلی ہے آشکار
پہونچا خیال بات کھلی تھی جلی ہوئی
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی

۴۳
ہاتھوں کو یاد آیا ہے زورِ یداللّٰہی
خندق میں جو ہوئے خوں انھیں ہاتھوں سے تھی بہی
ہرچند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی
خیبر سا اور در کوئی ہوئے تو پھر سہی
فتح و ظفر کو تیغ کے سر مول لیتے ہیں
ناخن ہوں یہ نہ ہوں یا گرہ کھول دیتے ہیں

۴۴
قرآن ہے سینۂ خلفِ سیّدِ انام
صندوقِ علم صبر کا گھر حلم کا مقام
قرآنِ حق ہے اس کی بزرگی میں کیا کلام
لازم ہے سب کو مصحفِ ایماں کا احترام
دل اس طرح ہے سینۂ شاہِ شہید میں
یٰسین جس طرح ہے کلامِ مجید میں

۴۵
انصاف کا مقام ہے اے چرخِ بے مدار
وہ صدر پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار
محبوبِ کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
سینہ خدا کے نور کا اور پائے چکمہ دار
گرمی میں ماں بچائے جسے تن کی بھاپ سے
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

زہرا قمیص نرم پنھائے بصد تلاش	۴۶	تا پھول سے بدن کو نہ پہونچے کہیں خراش
تیغوں کے پھل سے اُس کا بدن ہوئے پاش پاش		تار بیں پڑی رہے جنگل میں اس کی لاش
گردن جو قبلہ رو تھی رہِ بے نیاز میں		ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں
بے وارثوں کے مردے تو قبریں جہاں میں پائیں	۴۷	اور لاشۂ حسینؑ درندوں میں چھوڑ جائیں !!
وہ دشت ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں		آفت تھی بہر حفظ جو شیرِ خدا نہ آئیں
سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا		سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا
ٹوٹا ہوا ہے بارِ الم سے کمر کا بند	۴۸	خم ہے یہ صورتِ مہِ نو قامت بلند
پیشِ نظر ہے لاشۂ فرزند ارجمند		صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند
کیا غم نہیں ہے کون سا رنج والم نہیں		صدمے یہ ہیں پہ کھیت کے باہر قدم نہیں
جب رن میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے	۴۹ مطلع چہارم	تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امامِ امم بڑھے		اے سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
قوت تمھیں دکھاتے ہیں اس جسمِ زار کی		لو کوندتی ہے برقِ غضب ذوالفقار کی
ہے جوشِ بحرِ قہرِ الٰہی مرا غضب	۵۰	تم لاکھ اہلِ ظلم ہو میں ایک تشنہ لب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہے اب		ہاں اے کمان کشو مجھے روکو تو سب کے سب
نوکوں سے برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں		شیرِ خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں
میں شیر بیشۂ اسدِ کردگار ہوں	۵۱	زیرِ نگیں زمانہ ہے وہ نامدار ہوں
جس کے فرس رسولؐ تھے وہ شہسوار ہوں		بیٹا ابوترابؑ کا ہوں خاکسار ہوں
اک بندہ حقیر ہوں ربِ غفور کا		منھ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا
ہر چند جزو کل پہ مرا اختیار ہے	۵۲	پیاسا ہوں میں یہ مصلحتِ کردگار ہے
دنیا ہے بے وفا تو فلک بے مدار ہے		مثلِ حباب زیست کا کیا اعتبار ہے
عرصہ فقط ہے چند نفس کا اخیر ہوں		اکبر سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں
عباسؑ نامدار کے مرنے کے تھے یہ دن	۵۳	بتیسواں برس تو کچھ ایسا نہیں ہے سن
روئیں گے نامرادیِ قاسمؑ پہ انس و جن		یکساں ہے آگے موت کے بچہ ہو یا مُسن
آباد گھر جہان میں کوئی یوں لٹا نہ تھا		اصغرؑ کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہ تھا
اٹھاون برس میں رنگ نظر آگئے ہزار	۵۴	دیکھی کبھی چمن پہ خزاں اور کبھی بہار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار		الجھا کبھی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
کھیتی سب اُن کے مرنے سے بے نور ہو گئی		رنگ اڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی

۵۵ پامال تھے جو خار وہ سر کھینچنے لگے
ایذا رسوؐل کی گل تر کھینچنے لگے
باغی ستم کے باغ کا زر کھینچنے لگے
تلواریں ہم پہ بانیِ شر کھینچنے لگے
جھوٹا کہا پسر کو جنابِ رسول کے
نافہم خود غلط ہوئے قرآں کو بھول کے

۵۶ اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرؑا تھا خوابگاہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ
تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبرؐ الٰہ
اک دن یہ ہے کہ کوئی نہیں سرپرست آہ
ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و شین تھا
ایسا کبھی نہ بیکس و تنہا حسینؑ تھا

۵۷ بڑھ کر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے
عباسؑ کیا ہوئے علیؑ اکبر کدھر گئے
بیدل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
اے فاطمہؑ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
جویا پسر کا صورتِ یعقوبؑ کون ہے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے

۵۸ تھرا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر
اس دشت کیں میں دوڑتے تھے جو مثال شیر
اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
شاید انھیں کی لاشوں کے ہیں خاک پر یہ ڈھیر
سر سب کے پاش پاش ہیں تن ریز ریز ہیں
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں

۵۹ دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے یہ پھل
دولہ کے خواب کرنے کا کیا تھا یہی محل
اٹھارویں برس میں کسے کھا گئی اجل
دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ منھ کے بل
محتاج بعد مرگ جو گور و کفن کے ہیں
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں

۶۰ شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں
کرسی ہے پست اُن کو وہ رتبے حصول ہیں
کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ اصلِ رسوؐل ہیں
تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں اُن کی شان پر
تن اُن کے ہیں زمیں پہ سر آسمان پر

۶۱ سالک جو ہیں وہ راہِ رضا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہلِ وفا بھولتے نہیں
جو دوست ہیں ولی کے ولا بھولتے نہیں
ہم لوگ مر کے یادِ خدا بھولتے نہیں
تن خاک ہو پر اس میں بھی الفت کی بو رہے
نیزہ پہ سر چڑھاؤ تو منہ قبلہ رو رہے

۶۲ کیونکر نہ یہ کلام کرے تو ہوا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف متکا پہ ہے
جو ہو سو ہو حسینؑ تو راضی رضا پہ ہے
ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خز ہو تنِ پاک کے تلے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے

۶۳ برچھی کا سینۂ علی اکبرؑ میں پھل ہے گر
ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
ظالم یہی تو باغِ شہادت کا ہے ثمر
بابا نہال ہے کہ برومند ہے پسر
کیا کیا گلِ مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
باغِ جہاں میں آ کے یہ پھل کس نے پائے ہیں

۶۴
قاسم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھائی تجھ سے یاس
بس سن چکا کہ مر گئے عباسِ حق شناس
میں کون جس کے عہد تھے پہونچے اسی کے پاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مستعار تھے
یہ لال سب امانتِ پروردگار تھے

۶۵
لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
چاہیں تو روم و شام کو لے لیں کھڑے کھڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضے پہ ہاتھ تھا
خیبر میں کون شیرِ الٰہی کے ساتھ تھا

۶۶
شہروں میں جنگِ بدر کا شہرہ ہے آج تک
بالائے عرش نادِ علیؑ پڑھتے تھے ملک
مثلِ ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
خندق میں کس نے کی اسداللہ کی کمک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں

۶۷
کیوں غزوۂ حنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروزِ دہم کہ ہم
سرکش ادھر کے پس گئے تھے زیرِ سُم کہ ہم
دہشت سے اس طرف کے دلاور تھے گم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندتی تھی کس جوان کی
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی

۶۸
تھا لیلۃ الحریر میں یک جا تمام شہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
کیا جنگِ نہرواں میں بہائی تھی خوں کی نہر
کیوں وہ فراریوں کی دوہائی بھی یاد ہے
صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے

۶۹
بیرالعلم کی آگ کا روشن ہے سب پہ حال
اس چاہ پہ تھمے نہ یہ رستم کی تھی مجال
دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ نہال
جاتے ہی آگ میں کود پڑے شیرِ ذوالجلال
لشکر جنوں کا خوف سے بیتاب ہو گیا
دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا

۷۰
تاباں جنوں پہ تیغِ امامِ غنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
زیرِ زمیں بھی شیر کی چھاتی تنی رہی
ڈر سے جنوں کی جان پہ کیا کیا بنی رہی
زہرے ہوئے جو آب تو ایمان کی چاہ کی
آنے لگی کنویں سے صدا الاماں کی

۷۱
ایمان جنوں نے جب بدل و جاں کیا قبول
گذرے تھے تین روز رہے تھے بہت ملول
طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
سن کر صدا علیؑ کی خوشی ہو گئے رسولؐ
باہر کنوئیں کے آئے تعجب عز و جاہ سے
غل تھا کہ نکلے یوسفِ صدیق چاہ سے

۷۲
تھی دشت دشت فتحِ سلیمانِ دیں کی دھوم
خالی ہوئی جنوں کے جو شر سے وہ مرز و بوم
لشکر میں مصطفیٰ کے خوشی تھی علی العموم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
ٹھٹکے رہے نہ سانپ نہ وہ اژدہے رہے
دو تین روز چاہ پہ گیا چھپے رہے

۷۳
تیغیں بنی امیہ کی ہیں خاک آبدار
پھل اس کا آگ ہے تو زبانیں ہیں شعلہ بار
جل جاوے گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
دھارا ہے قلزمِ غضبِ حق کا اس کی دھار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اس کے نہ پاؤ گے
طوفاں خوں اٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے

۷۴
ہیں نورِ چشمِ فاتحِ ذاتِ الرقاع ہوں
کرار ہوں سخی ہوں ولی ہوں شجاع ہوں
پایہ مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
حیدر ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
سمجھو نہ پنجتنؑ کو جدا ایک نور ہیں

۷۵
سرِّ خفی حق انھیں بندوں پہ ہے جلی
فاطم سے فاطمہؑ ہے اور اعلیٰ سے ہے علیؑ
محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
محسن سے ہے حسنؑ یہ شرافت سے ہے منجلی
ایک ایک ان میں تاجِ سرِ مشرقین ہے
احسان سے جہان میں نام حسینؑ ہے

۷۶
زیور جو عرش کا ہیں ہمارے ہی نام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلماں غلام ہیں
ساقیِ حوض قاسمِ دار السلام ہیں
احمدؐ کے جانشیں ہیں امم کے امام ہیں
زینت ہیں آسماں کی رونق زمین کی
دنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی

۷۷
ناگاہ ابنِ سعد پکارا کہ صف درو
خوں میں نبیؐ کی آل کو سر تا قدم بھرو
ہاں نورِ چشمِ شیرِ خدا سے وغا کرو
کم رہ گیا ہے دن بہت اب اے دلاورو
نکلو تنوں پہ زیورِ جنگی سنوار کے
پڑھیو نمازِ عصر کی سیدؑ کو مار کے

۷۸
تن سے جدا کرو پسرِ فاطمہؑ کا سر
ڈھالوں میں بھر کے لائیو لعل و زر و گہر
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولؐ خدا کا گھر
ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
قیدی ہوں اہلِ بیتِ شہِ مشرقین کے
دولت کئی گھروں کی ہے گھر میں حسینؑ کے

۷۹
ہے آرزو حکومتِ رے کی مجھے کمال
ہے تب حلال ذبح ہو جب فاطمہؑ کا لال
حصہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینبؑ کے سر کے بال
اس طرح گھر تباہ رسولؐ خدا کا ہو
سیدانیوں کے منہ پہ نہ پردہ ردا کا ہو

۸۰
پہونچے گی شہرِ شام میں جب آلِ طاہرہ
منکر نے کیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرہ
ہو جائے گا سپاہ کا دونا شاہرہ
دریا سے مثلِ موج بڑھی فوجِ قاہرہ
گیتی ہجومِ فوج سے جنبش میں آگئی
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی

۸۱
چلوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ
خنجر رکھے کمر میں دو دو دھارے چٹا کے سنگ
منہ ترکشوں نے کھول دیے صورتِ نہنگ
برچھے ہلا کے فوج نے جولاں کیے سرنگ
سرہنگِ شام گرزِ گراں تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے ہر قون کو عدو کھولنے لگے

۸۲
کالے علم نشان سیہ کالی سب سپاہ
گویا زمیں کے سینے سے اٹھتا تھا دود آہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ
شہنا کی یہ صدا تھی کہ سید ہے بے گناہ
سنکر دہل کے شور کلیجے دہلتے تھے
تھرا کے جھانجھ بھی کف افسوس ملتے تھے

۸۳
وہ غول مصریوں کے وہ دل شام و روم کے
آندھی سیاہ اٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اس ہجوم کے
تلوار لی نیام سے قبضے کو چوم کے
اٹھا سخی کا ہاتھ ید اللہ کی شان سے
نکلا ہمائے اوج و شرف آشیاں سے

۸۴
باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار
یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بیقرار
یا کیچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار
یا آستیں سے ید بیضا تھا آشکار
نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

۸۵
کاٹی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر
حجلہ تھا یا نقاب رخ لیلیٰ ظفر
گھونگھٹ اٹھا کہ برق سی چمکی ادھر ادھر
گویا دلھن حجاب سے نکلی جھکا کے سر
دکھلائی سب کو منھ کی صفائی لڑائی میں
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

۸۶
قبضہ وہ جس کی ضرب سے اللہ کی پناہ
آبیں وہ دمبدم جو دکھائیں عدم کی راہ
باڑھ ایسی جس کے گھاٹ پہ کشتی تن تباہ
وہ تیز منھ کہ کوہ کو کھائے مثال کاہ
جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہ لافتیٰ کی ہے
تحفہ یہ اس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے

۸۷
ہر معرکہ میں یاور مشکل کشا رہی
سینہ سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی
جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی
عاشق رہی پدر پہ پسر پر فدا رہی
یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہے
جو تیغ دونوں باگیں کے وہ اصیل ہے

۸۸
نکلی وہ جانگداز عجب برق و شرق سے
صاعقہ آئی الحفیظ کی آواز برق سے
چشمک یہ دم بدم تھی ہر ایک اہل زرق سے
آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
دریائے قہر حضرت پروردگار ہوں
طوفاں اٹھے گا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

۸۹
سیف خدا ہوں نام ہے دست اجل مرا
نشتر ہوں مرگ کا رگ جاں ہے محل مرا
گلزار فتح میں ہے ازل سے عمل مرا
جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا
دونوں مزے ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں
امرت ہوں دوست کے لیے دشمن کو زہر ہوں

۹۰
بت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں دیر کے
شہرے ہیں شہر شہر مرے امیر خیبر کے
مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے
دشمن کے سر سے اٹھتی ہوں دو ہاتھ پیر کے
جاتی ہوں جس پہ مثل اجل چھوڑتی نہیں
جوشن ہو یا کہ خود ہو منھ موڑتی نہیں

۹۱ دنیا میں مجھ سی تیغ علیؑ سا جواں نہیں
بھاگو گے دشت کیں سے کدھر میں کہاں نہیں
کیوں ہوں خموش کیا مرے منہ میں زباں نہیں
دشمن کوئی حسینؑ کا مجھ سے نہاں نہیں
فریاد و الغیاث کو کب مانتی ہوں میں
سید کے قاتلو! تمھیں پہچانتی ہوں میں

۹۲ اولٹے تھے آستیں جو شہنشاہِ سرفراز
اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

۹۳ کوندی جو برق طاقتِ گفتار گھٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا الٹ گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
آ پہونچی تھی پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آتا حضور کو
منہ سے ملا چکے تھے سرافیلؑ صور کو

۹۴ تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
سب زور تھا زبانۂ نارِ جحیم کا
تھی جنگ یا کہ زور تھا امید و بیم کا
جل جل کے منہ سیاہ ہوا ہر لئیم کا
شمشیر بادشاہ سلیماں بساط تھی
کیا تھمتے کافروں کے قدم وہ صراط تھی

۹۵ چلتی تھی ذوالفقار یہ جوشن تن ادھر اُدھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر اُدھر
وحشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر اُدھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر اُدھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پروں پر پرے گرے

۹۶ روئیں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیے
گردن بچی کسی کی تو شانے اڑا دیے
ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پرزے اڑا دیے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اڑا دیے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
تن جا رہا تڑپ کے الگ سر الگ گیا

۹۷ دل کانپتے تھے دیکھ کے اس کج ادا کا منھ
اژدر کے منھ سے کم نہ تھا اس جانگزا کا منھ
نابیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا منھ
آفت کی چال قہر کی گرمی بلا کا منھ
پہونچے یہ واں اجل کا بھی جس جا گزر نہ ہو
لوہے کو کاٹے یوں کہ زباں کو خبر نہ ہو

۹۸ جب ہاتھ اٹھا تو چرخ پہ تیغِ دو سر چڑھی
یہ گردنوں پہ سر کے لیے سب کے سر چڑھی
اُتری ادھر کہ خون کی ندی ادھر چڑھی
بس صاف کر دیا اسے جو صف نظر چڑھی
دریائے خوں فرات کے ساحل گئے
وہ پار اتر گئی یہ اسی گھاٹ رہ گئے

۹۹ بیٹھی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اٹھ سکا
ڈوبا کیا جہاز پہ لنگر نہ اٹھ سکا
لاکھوں سے بار تیغ دو پیکر نہ اٹھ سکا
دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اٹھ سکا
یوں فرق پہ چڑھی ندی اہلِ خلاف کے
مرکز کے جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے

۱۰۰
سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جانِ حزیں سے دور
قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
کارہ مکیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اس تیغِ جاں ستاں سے فقط سر قلم نہ تھے
اللہ رے تفرقے کہ عناصر بہم نہ تھے

۱۰۱
ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جدا جدا
ایذا جدا تھی روح پہ قہرِ خدا جدا
سر گردنوں سے جسم سے تھے دست و پا جدا
پانی جدا تھا خاک جدا تھی ہوا جدا
پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے
اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے

۱۰۲
حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہسوار نے
چھوڑا نہ صید ضیغم آہو شکار نے
ڈر ڈر کے سر قدم پہ لگے سب اُتارنے
زندوں کو چن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
کہتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے
ہاں پی لوں خوب سا کہ لہو یہ حلال ہے

۱۰۳
جب وہ بلند ہوتی تھی مانندِ ماہِ نو
اس کی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو
جاتی تھی دور دور بیاباں میں اس کی ضو
کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو
سرکش سب ایک دم میں نگونسار ہو گئے
کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے

۱۰۴
بے جاں کیے نہ تیغِ شہِ لافتی پھری
دل پر جدا عدو کے گلے پر جدا پھری
وہ جس طرف پھری اسی جانب قضا پھری
دم لے کے جس طرف پھری مثلِ بلا پھری
اس ناز سے چمکتی ہوئی راس و چپ گئی
کیا رعد کی بساط ہے بجلی تڑپ گئی

۱۰۵
دست کشادہ دیکھ کے سب تنگ دل چھپے
ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سیہ رنگ دل چھپے
کیونکر بڑھے قدم جو دمِ جنگ دل چھپے
چمکی جو تیغ مثلِ شررِ سنگ دل چھپے
یوں سمجھو فوجِ کیں میں حسینؑ دلیر کو
دیکھا ہو گر کبھی صفِ آہو میں شیر کو

۱۰۶
دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہے وہ مرتا نہیں کبھی
دم اس کا وہ غضب ہے کہ بھرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہے دہریوں کر اترتا نہیں کبھی
صدمہ غضب کا ہوتا ہے دوزرح میں جاں پر
ہچکی اجل کی رہتی ہے برسوں زبان پر

۱۰۷
کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا
طالع جو نحس تھے تو اُنھیں پر گہن پڑا
کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
اوپر تلے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی

۱۰۸
کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر
آئی جو سن سے تیغِ دو پیکر زمین پر
زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سر کٹ کے گر پڑا
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

۱۰۹ کٹ کٹ گئے جو خود تو مر گئے حسود
ظالم جو بے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
لاکھوں ہوں یا کروڑ ہوں کیا اُن کے ہست و بود
سر تن سے مفت کھوئے یہ نقصاں ہوا کہ سود
جھگڑا بھی ختم ہو گیا وہ آن بھی گئی
عزت بھی آبرو بھی گئی جان بھی گئی

۱۱۰ حربے بھی قتل گاہ سے منھ موڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
تیغیں ٹپک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رخ کدھر کریں
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں

۱۱۱ دو ٹانک کی کمان کو کبادا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودا بنا دیا
ہر جزو تن کو لایتجزیٰ بنا دیا
دیتے تھے تیر کٹ کے صدا الاماں کی
پتوں کی طرح اُڑتی تھیں شاخیں کمان کی

۱۱۲ ڈھالوں پر آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
تھرّائے تیر ڈر سے شہِ خوش خصال کے
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دنداں نکال کے
وہ منھ کے بل پڑے تھے جو بھالے اُٹھائے تھے
دست اماں کو برچھیوں والے اُٹھائے تھے

۱۱۳ تھی شعلہ ور جو آتشِ شمشیر آب گوں
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
جل جل گئے تھے اہلِ دغا کے دروں بروں
تھیں بیرقیں یزید کے لشکر کی سرنگوں
نوبت یہ پہونچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا
حیدرؑ کی ذوالفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا

۱۱۴ ہر چند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی
غلبہ تھا دیں کا کفر کی بستی اجاڑ تھی
بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
میدانِ معرکہ میں عجب مار دھاڑ تھی
ڈر ڈر کے منھ سے زہر سبھوں نے اُگل دیے
گھوڑے کے سم نے موذیوں کے سر کچل دیے

۱۱۵ سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے
دعویٰ تھا مردمی کا پہ آنکھیں چرا گئے
دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
بچ بچ کے آب تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا

۱۱۶ افعی تھا منھ کھلا رہا جب تک زباں چلی
غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
نوکیں جسے لگیں وہ پکارا سناں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پر نہیں نہ تھی
جلوہ تھا ہر مقام پہ اور پھر کہیں نہ تھی

۱۱۷ برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
سر جسم سے جدا ہوا تن سے زرہ گری
نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
بندِ کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
ابرو کے ایک اشارے میں مطلب ادا کیا
مشکل کشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا

دریائے قہر حق انھیں کمنا سند ہوا	۱۱۸	سولا گھٹے بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ رد ہوا		مردے بنے جو تیر تو ترکش لحد ہوا
خونِ عدو سے کھیت کبھی یوں سینچا نہ تھا		سیفی الٹ پڑی ابھی چلہ کھنچا نہ تھا
ڈھالیں تو تھیں نڈھال عجب چال ڈھال تھی	۱۱۹	برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
کاٹا تھا باغ کفر تو کیسی نہال تھی		پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
پکڑا اگلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی		دریا پہ جس کو پایا لہو اس کا پی گئی
آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی	۱۲۰	بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
خنجر تھی نیمچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی		اعدا کو ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
جیتا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا		منہ اس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا
یکتا تھی بے نظیر تھی اور بے مثال تھی	۱۲۱	کیا آزمودہ کار تھی کیا ذی کمال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی		اعدا پہ تیغ قبلۂ عالم پہ ڈھال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں		حمزہؓ کی ڈھال بھی تھی اسی کی پناہ میں
تیغ خدا تھی ضرب سے اس کی کہاں پناہ	۱۲۲	پستی ہوا کہ اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
کیونکر نہ خلق اس کو کہے آسماں پناہ		جس تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
نصرت بھی اک نقیب دم تیغ دوسر کا تھا		برسوں سے اس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا
روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے	۱۲۳	جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے		ہاں طوق لعن طعن کے گردن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اٹھانے کی کب اُن کو بار ہے		اب گردنوں پہ تیغ تبرا سوار ہے
غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی	۱۲۴	بے جاں لیے یہ تیغ بلالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی		یہ وہ بلائے بد ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہے تیغ شہ خوش خصال پر		سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر
بجلی سی جس پرے پہ وہ چل پھر کے رہ گئی	۱۲۵	خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
ہر صف میں بہر جنگ و جدل پھر کے رہ گئی		پھر کر تھما جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
بیدم ہوا کوئی کوئی سرکش کچل گیا		آنکھوں کے سامنے سے چھلاوا نکل گیا
معشوق سبز رنگ تھی وہ تیغ خضری	۱۲۶	لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
دیکھی علیؑ کے وقت سے فوجوں کی برہمی		آتش مزاج معرکہ آرا کسی دمی
برسوں رہی بغل میں شہ مشرقینؑ کی		جھیلے ہوئے لڑائیاں بدر و حنین کی

۱۲۷ تلواریں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلا کے رہ گئیں
ڈھالیں یوں اڑے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
چشم زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
چار آئینوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے

۱۲۸ سر اڑ گئے تنوں سے جدھر سرسری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
خشکی سے خوں میں ڈوب کے سوئے تری چلی
غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر انہیں کے ان کا لہو چاٹنے لگے
دیوانے آپ اپنے گلے کاٹنے لگے

۱۲۹ چلنے میں گر کبھی کمر اس کی لچک گئی
اڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی
ڈھالوں کی ابر تیرہ میں بجلی چمک گئی
گر آئی نہر پر کبھی سوئے فلک گئی
برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
قربان ذوالفقار تری گھاٹ باڑھ کے

۱۳۰ چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اور چٹکیوں سے تیر
عاری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان و پیر
اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

۱۳۱ بڑھتی تھی زور شور سے ہر دم بسان رود
نیزے کٹے ہوئے تھے تو ٹوٹے ہوئے عمود
گر گر کے بہہ رہے تھے مثال حباب خود
خالی تھا رن بھری تھی سروں سے اجل کی گود
تھمتی نہ تھی جو تیغ شہ مشرقین کی
جنگل میں شور تھا کہ دہائی حسینؑ کی

۱۳۲ اے بحر طبع بس یہ روانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک
ہاں اے زباں یہ چرب زبانی کہاں تلک
قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خنجر ہے اور گلوئے شہ مشرقین ہے
خاموش ہو یہ وقت نماز حسینؑ ہے

۱۳۳ بھولیں گے مومنوں کو نہ یہ یادگار بند
برسوں نہ ہو زبان فصاحت شعار بند
فرصت ملے تو کہہ کے سناؤں ہزار بند
سن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
دی ہے جو مصطفیٰ کی قسم فوج شام نے
تلوار روک لی ہے تمہارے امام نے

۱۳۴ پہونچا ہے عنقریب لب بام آفتاب
دریا پہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
شوق نماز عصر میں ہیں مضطرب جناب
سیّد کو تیر مارتے ہیں خانماں خراب
منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں ضعف ہے
بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا منہ کا شور ہے

۱۳۵ لگتا ہے جب خدنگ تو چھٹتی ہے خوں کی دھار
کہتے تھے روکے شاہ کہ اب کیوں ہے بیقرار
کاٹھی میں فرط غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
کب تک دعا حسینؑ کا دل دردمند ہے
اے ذوالفقار صبر خدا کو پسند ہے

۱۳۶
آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو ہے یہ غم
حربوں سے شاہ دیں کو بچاتا ہے دم بدم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم
پھر میں اُتر پڑوں گا ہٹا یاں سے گر قدم
وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا رب قدیر سے
لِلّٰہ اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

۱۳۷
سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمرِ رو سیاہ
تجھ سے نہ دیکھا جائے گا تو جا سوئے خیمہ گاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہے بے دانہ و گیاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیر خواہ
عادل کا سامنا ہے شہِ مشرقین کو
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسینؑ کو

۱۳۸
کہتا ہے رو کے شاہ سے اسپِ وفا شعار
جب تک کہ دم ہے قدم کو نہ چھوڑیگا جاں نثار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
بنت علیؑ نے مجھ سے کہا تھا بحال زار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسینؑ کو
اے ذوالجناح چھوڑ نہ آنا حسینؑ کو

۱۳۹
دو دن سے خود حضور ہیں بے آب و بے طعام
میں کیا ہوں اے حسینؑ سکینہؑ ہے تشنہ کام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
میں کس زبان سے شکر کروں اے شہِ انام
برسوں چڑھے پہ دل سے اُتارا کبھی نہیں
تقصیر پر بھی آپ نے مارا کبھی نہیں

۱۴۰
یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
دو لاکھ نے امام کو حلقہ میں لے لیا
زہراؑ نے خاک اڑا کے جو عریاں سر کیا
تھرا گیا مزار شہنشاہِ انبیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینؑ دلیر کے
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

۱۴۱
مارا ابو الحتوف لعیں نے گلے پہ تیر
خوں ہو کے حلقِ شہ سے بہا فاطمہؑ کا شیر
جھکنے لگا جو غش میں علیؑ کا مہِ منیر
بھاگا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے
گردن سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے

۱۴۲
ہاں اے حسینیو یہ مصیبت کا وقت ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
رونے میں فاطمہؑ کی رفاقت کا وقت ہے
گرتا ہے عرشِ حق یہ قیامت کا وقت ہے
نکلی رکاب پائے شہِ مشرقین سے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسینؑ سے

۱۴۳
لو گر پڑے زمیں پہ شبیرؑ ہے غضب
ڈوبی لہو میں زلفِ گرہ گیر ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب
زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گر سنبھلتے ہیں
جھک جھک کے منہ سے خون کے لختے اُگلتے ہیں

۱۴۴
دُرِّ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب
فیروزئی ہیں پیاس کی شدت سے لعل لب
ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہے طلب
دیتا نہیں جواب گر کوئی بے ادب
لب تک دہن سے بات بھی دقت سے آتی ہے
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی ہے

۱۴۵ ڈوبے ہوئے لہو میں اٹھائے ہیں دونوں ہات
خالق سے یہ دعا ہے کہ اے ربِ پاک ذات
شیعوں کو میرے آتشِ دوزخ سے دے نجات
عزت حیات میں ہو تو راحت پس از وفات
زیرِ زمیں بھی موردِ لطف و کرم رہیں
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں

۱۴۶ لب پر تھی یہ دعا کہ لگا تیر فرق پر
ریش خضاب دار ہوئی سب لہو میں تر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
واں آستیں الٹ کے بڑھا شمرِ بد گہر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہراؑ کے جائے کی
داہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی

۱۴۷ تھرا کے دیکھنے جو لگا وہ ادھر ادھر
دیکھا کھڑے ہیں احمدؐ مرسل برہنہ سر
حیدرؑ بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
زہراؑ کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے
صدقہ نبیؐ کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

۱۴۸ بیکس کی کون سی ہے خطا کون سا گناہ
یہ ہے مرا حسینؑ تو ہے سب کا خیر خواہ
بے کس اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ
ہو جائیں گی سفر میں نبی زادیاں تباہ
یہ ظلم و جور احمدؐ و حیدرؑ کے سامنے
بیٹے کو ذبح کرتا ہے مادر کے سامنے

۱۴۹ ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار
چلایا بڑھ کے یوں پسرِ سعد نابکار
ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مرد نامدار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پر چھری کی دھار
اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر
سر کھولے زینبؑ آتی ہے بھائی کی لاش پر

۱۵۰ سید پہ ہو رہا ہے ادھر ظلم برملا
زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
بنتِ علیؑ کو روک سکے گا کوئی بھلا
ڈر ہے الٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
خلعت لے اسپ لے گہرِ شاہوار لے
تن سے سرِ حسینؑ کو جلدی اتار لے

۱۵۱ یہ سن کے اس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
خنجر رکھا گلے پہ محمدؐ کے روبرو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ نیک خو
اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کشادہ مو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہے
کہدے ابھی ہے دور کہ زینبؑ قریب ہے

۱۵۲ خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
سیدانی ایک نکلی ہے خیمہ سے بے ردا
شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا
لے چل مجھے نشیب میں اے بانیِ جفا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گذر نہ ہو
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

۱۵۳ یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امام
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
سجدے میں واں پہونچ کے جھکے پھر شہِ انام
فریاد الغیاث قیامت کا ہے مقام
خنجر سے ذبح جان و دلِ فاطمہؑ ہوا
جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا

۱۵۴
اس وقت پہونچی زینبؑ ناشاد نوحہ گر
جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کا سر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں ادھر اُدھر
رخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
تھی خاک سجدہ گاہ جبین حسینؑ کی
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نورعین کی

۱۵۵
قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بوتراب
اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
روشن تھا بعد قتل بھی وہ شکل آفتاب
ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

۱۵۶
چلائی سر کو پیٹ کے زینبؑ جگر فگار
ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
سید تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
بھیا بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلق پاک پر
اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہے خاک پر

۱۵۷
کیا چپکے چپکے جان دی اے شاہِ دیں پناہ
سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو واہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
زینبؑ ہمارے حال کی ہے فاطمہؑ گواہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا

۱۵۸
قاتل بڑھا جو لے کے سر سرورِ زمن
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بیوطن
آئی صدا اے دختر محبوب ذوالمنن
بیٹی ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
تو جا کے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں

۱۵۹
چلائی وہ کہ لاشۂ عریاں ہے کس طرف
ہے ہے تنِ امام غریباں ہے کس طرف
اے طائرو وہ فخر سلیماں ہے کس طرف
اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
زہراؑ کی عمر بھر کی کمائی کو کیا کیا
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا کیا

۱۶۰
ہے کس مقام پر مرے سید کی قتل گاہ
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
اے ارض نینوا مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے آسمان یہ کیا ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
اے شامِ غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا
اے آفتاب تیرا اُجالا کدھر گیا

۱۶۱
یہ کہتی تھی کہ لاشۂ بے سر نظر پڑا
بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
چلائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
آئی صدا یہ لاش سے جو مرضیِ خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا
امت کی مغفرت کا سر انجام ہو گیا

۱۶۲
بس اے انیس اب تو ہے شور و فغان و آہ
آئیں زبانِ دل سے کہیں عاشقانِ شاہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ
رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں بعزّ و جاہ
یارب ہرا بھرا چمنِ آرزو رہے
جب تک چمن میں گل رہے اور گل میں بو رہے

مرثیہ

یارب کسی کا باغِ تمنا خزاں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسرِ نوجواں نہ ہو
دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
چھٹ جائیں سب پہ فرقتِ آرامِ جاں نہ ہو
گر لا علاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہے جو گھر بے چراغ ہے

۲
دشمن کو بھی جہاں میں فراقِ پسر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد پہ دردِ جگر نہ ہو
ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
یارب کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
مٹی ہے سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی

۳
یعقوبؑ سے جو یوسفِ عالی گہر چھٹا
راحت چھٹی الم میں ضعیفی میں گھر چھٹا
گیارہ پسر تو رہ گئے ایک سیمبر چھٹا
چلاتے تھے کہ ہائے پدر سے پسر چھٹا
مجروح تھا جو دل تو کلیجہ فگار تھا
راحت نہ رات کو تھی نہ دن کو قرار تھا

۴
فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام
لیکن وہ یہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس سے نام
اس سے پدر کو رنج پہونچتے ہیں صبح و شام
دم بھر پسر جدا ہو تو ہے زندگی حرام
دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو
عسرت رہے پہ دولتِ اولاد پاس ہو

۵
زانو پہ مرگیا جو برابر کا نورِ عین
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین
غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جھک گئے حسینؑ
اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہِ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی
چہرہ تھا زرد ریشِ مبارک سفید تھی

۶
فرماتے تھے کہ بے خبر اب جلد اے اجل
ساعت ہے ایک سال مہینہ ہے ایک پل
اے دم خدا کے واسطے اب جسم سے نکل
اے تیغِ شمر اب کہیں جلدی گلے پہ چل
موت اس کی زندگی ہے جسے سب سے یاس ہو
بابا کی قبر بھی علیؑ اکبر کے پاس ہو

۷
فرماکے یہ پھرے جو شہنشاہِ تشنہ لب
حضرت پکارے اے حرمِ سیدِ عرب
دیکھا کہ در پہ رو رہے ہیں اہلبیت سب
اکبرؑ بھی مرچکے کوئی باقی نہیں ہے اب
بھائی کو رو چکے انھیں اب رو کے آئے ہیں
بانوؑ تمھارے لال کو ہم کھو کے آئے ہیں

۸
بے جاں ہوا جوان پسر وا مصیبتا
توڑا پسر نے بندِ کمر وا مصیبتا
خالی ہوا حسینؑ کا گھر وا مصیبتا
بیکس ہوا غریب پدر وا مصیبتا
واں خنجروں کو سان پہ اعدا چڑھاتے ہیں
لو الوداع مرنے کو اب ہم بھی جاتے ہیں

۹
جس دم سنا امامِ دو عالم سے یہ کلام
اکبرؑ کا غم بھی بھول گئیں بیبیاں تمام
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ مرنے چلے امام
ڈیوڑھی کے پاس گر پڑی بانوئے نیکنام
بھائی کا حال دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
پردہ الٹ کے دخترِ زہراؑ نکل پڑی

۱۰
قدموں پہ رکھ کے سر کو یہ بولی وہ سوگوار
روتے ہوئے جو آئے شہنشاہِ نامدار
خیمے میں چلیے اے شہِ والا ہمن نثار
بیٹی پدر سے آ کے سکینہؑ جگر فگار
الفت پہ اس کی ٹکڑے کلیجے کے ہوتے ہیں
سب بیبیاں بھی روتی ہیں حضرت بھی روتے ہیں

۱۱
شہ کہتے تھے کہ کم کرو الفت سکینہؑ جاں
سینے پہ منھ کو رکھ کے نہ روؤ بصد فغاں
ہم ہیں تمھارے پاس کوئی دم کے میہماں
اب ہوگا کوئی آن میں زانوے شمر یاں
مسدود کر دو ان کو جو الفت کے باب ہیں
بی بی ہم اب مسافرِ پا در رکاب ہیں

۱۲
یثرب سے موت لائی تھی ہم کو سوئے عراق
ہرچند دردِ ہجرِ عزیزاں ہے دل پہ شاق
مدت سے وصلِ جدّ و پدر کا ہے اشتیاق
انجام اتحادِ مسافر کا ہے فراق
تم سب کو حکمِ صبر ہے رقت نہ چاہیئے
بی بی مسافروں سے محبت نہ چاہیے

۱۳
کیوں میرے منھ کو دیکھ کے روتی ہو بار بار
دنیا سے اٹھ گئے ہیں یوں ہی سب بزرگوار
مرضی میں کبریا کی مرا کیا ہے اختیار
کرتا ہے رحم و لطف یتیموں پہ کردگار
اس قافلہ میں خلق کا حاجت روا تو ہے
اچھا جو کوئی سر پہ نہ ہوگا خدا تو ہے

۱۴
یہ کہہ کے روئے حضرتِ زینبؑ پہ کی نظر
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
دیکھا بھرا ہے ماتھے میں خوں اور پھٹا ہے سر
زینبؑ تمھارے غم سے ہے ٹکڑے مرا جگر
پیٹو نہ سر خدا و پیمبرؐ کے واسطے
کیا اپنی جان دو گی برادر کے واسطے

۱۵
آنکھوں کے سامنے ہوا اماں کا انتقال
بھائی حسنؑ کے مرنے کا کچھ کم نہ تھا ملال
دنیا سے تیغ کھا کے گئے شیرِ ذوالجلال
ان آفتوں میں یہ نہ ہوا تھا تمھارا حال
سر خاک پر پٹک کے بلکتی ہو روتی ہو
میں ایسا کیا ہوں جس کے لیے جان کھوتی ہو

۱۶
بہنا طریقۂ جہلا ہے فغان و آہ
درپیش ہر بشر کو ہے یہ ناگزیر راہ
بندے کے صبر میں ہے رضا مندیٔ الٰہ
نہ موت سے فقیر بچے گا نہ بادشاہ
بیٹوں سے باپ بہنوں سے بھائی جدا ہوئے
تھے اس مکاں میں پہلے جو ہم سے وہ کیا ہوئے

۱۷
دیکھو کہ جیتے تک تھے مرے سب رفیق و یار
افسوس دوپہر میں خزاں ہو گئی بہار
اب ہے نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ جاں نثار
غنچہ ہے نہ شجر ہے نہ گل ہے نہ برگ و بار
برسوں میں جن کو صبح کیا تھا وہ مر گئے
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گذر گئے

۱۸
مرنا پھر ایک دن ہے جو ہو سو برس حیات
ہوتا جو زندگی کے سبب خلق میں ثبات
فانی ہیں سب اگر ہے تو باقی اسی کی ذات
اٹھتے کبھی جہاں سے نہ سردارِ کائنات
ہرچند آج مالکِ روئے زمیں ہوں میں
سوچو تمھیں کہاں سے تو بہتر نہیں ہوں میں

۱۹ افضل کہیں تھے مجھ سے مرے مادر و پدر
بیٹوں سے باپ چھوٹ گئے باپ سے پسر
اب والدہ کہاں ہیں کہاں شاہِ بحر و بر
ان کی ہمیں خبر نہ ہماری انھیں خبر
پیارے تھے سب پہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

۲۰ اماں کا صبر و شکر تو سب ہوگا تم کو یاد
درپے ہوا جو ظلم کا ہر بانیِ فساد
راضی تھیں دشمنوں سے نہ تھا دل میں کچھ عناد
کچھ منہ سے غیر شکر نہ بولیں وہ خوش نہاد
کیا کیا ستم ہوئے پہ شکایت ذرا نہ کی
امت کے حق میں آپ کبھی بد دعا نہ کی

۲۱ افضل نہ تھا جہاں میں کوئی بوترابؑ سے
کس سے وہ صبر ہو جو ہوا اس جناب سے
مریخ کانپ جاتا تھا جن کے عتاب سے
مسجد میں خود جگا دیا قاتل کو خواب سے
ہر چند جانتے تھے کہ تیغ اس کے پاس ہے
فرمایا چل نماز کو کیوں بے حواس ہے

۲۲ ورثہ میں تم نے پایا ہے دو صابروں کا صبر
شاکر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر
تڑپو نہ مثلِ برق نہ روؤ مثلِ ابر
آخر ہے سب کے واسطے آزارِ مرگ و قبر
یاں سیکڑوں بنی ہوئیں شکلیں بگڑ گئیں
بہنوں سے بھائی بھائی سے بہنیں بچھڑ گئیں

۲۳ ہوتا اگر نہ قتل تو آتی نہ کیا اجل
رہنے کی ہے نہ جا نہ ٹھہرنے کا ہے محل
گر آج بچ گئے تو یہی مرحلہ ہے کل
دنیا میں صبر سے نہیں بہتر کوئی عمل
آتا نہیں وہ پھر کے کبھی جو جدا ہوا
روئے پدر کے واسطے برسوں تو کیا ہوا

۲۴ زینبؑ نے عرض کی کہ بجا ہے یہ سب کلام
انصاف کیجیے یہ بکا کا نہیں مقام
پر کیونکر اپنے دل کو میں سمجھاؤں یا امام
کس گھر پہ ایک دن میں ہوا ہے یہ قتلِ عام
چشموں سے جوئے اشک نہ کیونکر رواں رہے
بچے رہے نہ پیر رہے نے جواں رہے

۲۵ نکلے تھے گھر سے چار جنازے نہ ایک بار
اب تو فقط ہیں آپ ہی یا شاہِ نامدار
تھا میرے سر پہ ایک کے بعد ایک غمگسار
بابا کی ماں کی بھائی کی ہیں آپ یادگار
اولاد قتل ہو گئی ماں باپ اٹھ گئے
پھر کون سرپرست ہے جب آپ اٹھ گئے

۲۶ دنیا میں کوئی مجھ سا نہ ہوئے گا سخت جاں
دنیا سے اٹھ گیا علیؑ اکبر سا نوجواں
مجھکو اجل بھی بھول گئی یا شہِ زماں
ابتک جہاں میں جیتی ہے یہ پیرِ ناتواں
اب میری عمر آہ و بکا میں گزر گئی
اماں کا گھر اجڑ گیا اور میں نہ مر گئی

۲۷ نانا نے ماں نے بھائی نے ہنگامِ احتضار
[illegible] سب تمہارے حوالے یہ سوگوار
حضرت سے یہ کہا تھا کہ زینبؑ سے ہوشیار
اب مجھ کو سونپتے ہیں کسے شاہِ نامدار
اماں تو کہہ گئی ہیں اسے یاد کیجیے
کچھ تو بہن کے باب میں ارشاد کیجیے

۲۸
بیٹھوں کہاں جو فوج ستم لوٹنے کو آئے
اُٹھے مرے نصیب بُرا ہے یہ ہائے ہائے
اتنا تو ہو کوئی کہ یہ کہنہ ردا بچائے
اماں کو آج ڈھونڈھ کے زینبؑ کہاں سے لائے
چادر اوڑھائے کون جو عریاں سر پھروں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ میں دربدر پھروں

۲۹
شہ نے کہا تمھیں نہیں لازم یہ اضطرار
گر قید ہو گئیں تو چھڑائے گا کردگار
راہِ خدا میں ہے یہ اسیری بھی افتخار
ہے ذات اس کی راحم و ستار و پردہ دار
سمجھو مرے سخن کو بہن باتمیز ہو
میں اُس کو سونپتا ہوں کہ جس کی کنیز ہو

۳۰
لو الوداع جا کے پھر اب ہم نہ آئیں گے
سر دے کے عاصیوں کے گنہ بخشوائیں گے
اس تین دن کی بھوک میں تلواریں کھائیں گے
اب بعد عصر نانا کی خدمت میں جائیں گے
ہشیار ان سے رہیو کہ نازوں کے پالے ہیں
زینبؑ یہ سب یتیم تمھارے حوالے ہیں

۳۱
شب کو جو مجھ کو ڈھونڈھ کے روئے سکینہؑ جان
لو بیبیو کریم تمھارا نگاہبان
زینبؑ خدا کے واسطے رکھیو تم اس کا دھیان
لو شہر بانوؑ ہوتا ہے رخصت یہ میہمان
اکبرؑ کدھر ہے دلبرِ زہراؑ کو دیکھ لے
سجادؑ کو جگا دو کہ بابا کو دیکھ لے

۳۲
یہ کہہ کے خود چلے تھے شہنشاہِ بحر و بر
دو بیبیاں سنبھالے ہیں بازو اِدھر اُدھر
دیکھا کہ آپ آتے ہیں سجادؑ نوحہ گر
ہے دستِ مرتعش میں عصا اور جھکا ہے سر
چہرے سے ہے عیاں کہ سراپا میں درد ہے
مانندِ زعفران رخِ پُرنور زرد ہے

۳۳
کہنے لگے یہ بڑھ کے امامِ فلک اساس
کیا حال اب مزاج کا ہے اے خدا شناس
کیوں آئے تم کہ آتے تھے ہم خود تمھارے پاس
خود بے خبر ہیں صبح سے ہے یہ ہجومِ یاس
ہم سا بھی کوئی ہوگا نہ بیکس زمانے میں
آیا ہے وقت ظہر کا لاشے اُٹھانے میں

۳۴
یہ سب قبا پہ سینۂ اکبرؑ کا ہے لہو
یہ بھینی بھینی سب ہے اسی کے بدن کی بو
بے جان ہوا ہے گود میں میری وہ ماہ رو
ہم سر کٹا کے مر نہ گئے اس کے روبرو
نیزہ ستم کا چاند سے سینہ پہ چل گیا
وہ کیا بچھڑ گئے کہ کلیجہ نکل گیا

۳۵
شکرِ خدا کہ اب نہیں باقی کسی کا دم
ہمدم نہیں ہے کوئی بجز خنجرِ دودم
سرؑ دو تن میں ہے فقط اپنا ہی ایک دم
مقتل سے سب کی لاشیں اٹھا لا چکے ہیں ہم
کٹ کر یہ سر سناں پہ جو چڑھنے کو جائے گا
حیرت ہے کون لاش ہماری اٹھائے گا

۳۶
جس دم سنا حسینؑ سے یہ درد کا بیاں
بغلوں میں ہاتھ دے کے یہ بولے شہِ زماں
رو کر قدم پہ گر پڑے سجادؑ ناتواں
بس بس غش آ نہ جائے کہیں اے پدر کی جاں
اس تپ میں بیڑیوں کی مصیبت اٹھانی ہے
بیٹا ابھی بہت تمھیں آفت اُٹھانی ہے

۳۷ بستر پہ جاکے لیٹ رہو اور کوئی دم
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے تب وہ اسیرِ غم
مہلت نہ دیں گے پھر کبھی یہ بانیِ ستم
چھوڑوں گا میں نہ قبلۂ کونین کے قدم
بیٹا نہ ایسے وقت میں بابا کے ساتھ ہو
بیمار چاہیے کہ مسیحا کے ساتھ ہو

۳۸ قابل نہیں ہے تیغ کے گو دستِ رعشہ دار
کچھ غم نہیں جو تپ سے دہکتا ہے جسمِ زار
کھائے گا نیزے آپ کے بدلے یہ جاں نثار
لڑنے کو جب چڑھے گا تو اتر جائے گا بخار
لڑنا ہے سہل قید میں جایا نہ جائے گا
خادم سے بارِ طوق اٹھایا نہ جائے گا

۳۹ شہ نے کہا کہ اس میں نہیں جائے دم زدن
کیجو زباں سے تم نہ شکایت کے کچھ سخن
بیٹا یہی ہے مصلحتِ ربِ ذوالمنن
نقصان کیا ہے طوق ہو گردن میں یا رسن
ہے اختیار خالقِ عادل کے واسطے
ظلمت گہن کی ہے مہِ کامل کے واسطے

۴۰ عالم ہے ذاتِ پاکِ خدا اے خجستہ خو
ہر وقت چاہیے سرِ طاعت رہے فرو
عہدہ وہی دیا اسے لائق تھا جس کے جو
راحت ہے اس کی راہ میں ایذا جو ہو سو ہو
سب اس جہان میں آئے ہیں جانے کے واسطے
پیدا ہوئے ہیں رنج اٹھانے کے واسطے

۴۱ قاسمؑ کے تن کے واسطے تھے خنجر و حسام
اکبرؑ کو حکم تھا کہ سناں کھا کے ہوں تمام
بے دست ہو یہ تھا مرے بھائی کے پانے نام
گردن کٹائیں تیغ سے یہ ہے ہمارا کام
حکمِ خدا میں بس ہے نہ ماں کا نہ باپ کا
پہنو گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا

۴۲ صبر اب تمہارا ارث ہے یہ جانتے ہیں سب
بچوں کا یاں کے قہر ہے اللہ کا غضب
ہوتا ہے تپ سے خیر کی طاعت میں فرق کب
سب عاجزی یہ بخششِ امت کا ہے سبب
بہتر ہے وہ جو مرضیِ رب العباد ہے
اے نورِ عین صبر تمہارا جہاد ہے

۴۳ باندھیں اگر رسن میں گلا یہ ستم شعار
ہر شے کا ہر مقام پہ موقع ہے میں نثار
تم جانتے ہو کہ ہم ہوئے دادا کے ورثہ دار
کیا کیا نہ کافروں سے لڑے شیرِ کردگار
توڑا تھا ایک دن درِ خیبر جہان میں
اک روز تھا انہیں کا گلا ریسمان میں

۴۴ اس دن جو کرتے جنگ تو تھا دین کا ضرر
موقع نہ تیغ کا ہو تو پھر ڈال دے سپر
جرأت کے سو محل ہیں شجاعت کے سو ہنر
ویسا ہی روز آج ہے صدقے ہو یہ پدر
گردن جھکا دو آج جو اس میں فلاح ہے
حکمِ نبیؐ تھا وہ یہ ہماری صلاح ہے

۴۵ اب تو تمہیں ہو وارثِ ذریتِ پدر
بے جاں ہوئے تو کون سنبھالے گا میرا گھر
محرم کوئی تو ہو جو کھلیں بیبیوں کے سر
قائم رہے گی تم سے مری نسل اے پسر
ناموسِ مصطفیٰؐ کے مدار المہام ہو
تم میرے بعد سارے جہاں کے امام ہو

۴۶
گھر جلتے وقت تم کو اگر آگیا جلال
زنجیر و طوق سامنے لائیں جو بدخصال
ہو جائے گی تباہ رسولؐ خدا کی آل
تم میری بیکسی کی طرف کیجیو خیال
مطلق نہ بولنا کوئی ناری جو گرم ہو
دکھلائیو وہ صبر کہ آہن بھی نرم ہو

۴۷
حق نے کیا ہے اب تمھیں سردارِ قافلہ
کڑیاں بھی جھیلنے دیں خدا دے جو حوصلہ
صابر جو ہیں زباں سے وہ کرتے نہیں گلہ
بیڑی کو جانیو کہ ہے بخشش کا سلسلہ
چشموں سے خوفِ حق میں رواں جوئے اشک ہو
گردن میں یوں ہو طوق کہ قمری کو رشک ہو

۴۸
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے سجادِ تشنہ کام
اچھا اسیر ہونے کو حاضر ہے یہ غلام
جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ امام
پیدل خدا کی راہ میں جاؤں گا تا بہ شام
جب تک کہ بیڑیوں میں اسیرِ ستم رہوں
حضرت دعا کریں کہ میں ثابت قدم رہوں

۴۹
فرمایا شاہ نے کہ خدا حافظ اے پسر
لیجو بہن کو گود میں لٹنے لگے جو گھر
فرصت ملے تو آئیو بابا کی لاش پر
اپنی عبا اُڑھائیو ماں کا کھلے جو سر
لینا خبر رسن میں اگر ان کا ہاتھ ہو
زینبؑ تمھارے ساتھ ہیں تم ان کے ساتھ ہو

۵۰ مطلع سوم
جب رن میں بعدِ عصر شہِ بحر و بر چلے
چلائی دوڑ کر یہ سکینہؑ کدھر چلے
پیچھے امامِ دیں کے حرم ننگے سر چلے
فرمایا شہ نے خالقِ اکبر کے گھر چلے
وہ بولی کیا اب آپ نہ تشریف لائیں گے
رو کر کہا حسینؑ نے ہاں اب نہ آئیں گے

۵۱
بیت الشرف سے نکلے جو سلطانِ بحر و بر
حضرت نے باگ تھام کے دیکھا اِدھر اُدھر
دیکھا کہ ذوالجناح کھڑا ہے جھکائے سر
کوئی نہ دوست تھا نہ برادر نہ تھا پسر
تنہائیِ حسینؑ پہ زہراؑ نے رو دیا
غربت پہ اپنی خود شہِ والا نے رو دیا

۵۲
اس دم یہ جبرئیلؑ کو حق کا ہوا خطاب
گردن جھکائے روتا ہے وہ مالک الرقاب
سب مر چکے اکیلا ہے فرزندِ بوتراب
ہاں جا کے تھام لے مرے پیغمبرؐ کی رکاب
کام آئے گی ہر اک کو محبت حسینؑ کی
بس آخری رہی ہے یہ خدمت حسینؑ کی

۵۳
روح الامیں نے آکے جو تھامی رکابِ شاہ
اللہ ری شان و شوکت و اقبال و عز و جاہ
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
گویا براق پر تھے رسولؐ فلک پناہ
تھا اک عروج خلق کے سرتاج کے لیے
غل تھا حسینؑ جاتے ہیں معراج کے لیے

۵۴
حوریں تھیں ساتھ ساغرِ کوثر لیے ہوئے
جبریل تھے نجات کا دفتر لیے ہوئے
قدسی جلو میں تھے طبقِ زر لیے ہوئے
جھولی میں تھی نسیمِ گلِ تر لیے ہوئے
لٹتے تھے پھول وادیِ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

۵۵ چہرے سے آشکار تھی خیرالوریٰ کی شان
پیدا تھی سر سے تا بہ قدم مرتضیٰ کی شان
زہراؑ کا حسن اور حسن مجتبیٰ کی شان
ایسے حسیں بھی ہوتے ہیں بندے خدا کی شان
ششدر ملک تھے دیکھ کے چہرہ جناب کا
جلوہ تھا ایک چاند میں چار آفتاب کا

۵۶ اُن گیسوؤں کی مدح کرے کیا کوئی رقم
شانے پہ بھی کھلا نہ کبھی جن کا پیچ و خم
رکھتے ہیں موشگاف بھی یاں سوچ کر قدم
تاریک شب ہے دیکھ کے چل راہ اے قلم!
اے بے خبر یہ کوچۂ زلفِ سیاہ ہے
لغزش نہ ہو کہ بال سے باریک راہ ہے

۵۷ کیا ذکرِ عطر و عنبر و مشک و عبیر و عود
سونگھیں اگر یہ بو تو ملائک پڑھیں درود
کرتی ہے بوئے زلفِ رسا عرش تک صعود
ژولیدہ اگ گیا ہے سنبل کی کیا نمود
نکہت سے گیسوؤں کی زمین آسماں بسے
عنبر میں کب یہ بو ہے کہ سارا جہاں بسے

۵۸ چہرہ ہے گیسوؤں میں کہ ہالے میں ہے قمر
پیدا سواد شام میں ہے جلوۂ سحر
طول اس کلام میں ہے بہت قصہ مختصر
ہاں اب درود پڑھ کے جبیں پر کرو نظر
یاں کیا فروغ روشنیٔ کوہ طور کو
دیکھو اس آئینہ میں محمدؐ کے نور کو

۵۹ تارا یہ صبح کا ہے کہ سجدے کا ہے نشان
قرباں ہے ابروؤں کی کشش پر ہر ایک کمان
ہر تیر پر مژہ کے تصدق ہزار جان
دیکھیں تمام عمر تو خاطر نہ ہوں نشان
شرمندہ حسنِ چشم سے آہو تتار کے
نرگس کے پھول پھینک دو صدقے اتار کے

۶۰ نیلم ہیں گو کہ فرطِ عطش سے عقیقِ لب
نسبت بھلا ہے لعلِ بدخشاں سے ان کو کب
اپنی زباں چوسائیں جسے سید العرب
سو بار پھر ملے نہ اسے آب ہے غضب
کیسی تھی دشمنی عمرو تیرہ بخت کو
وہ کون ہیں جو دیتے ہیں پانی درخت کو

۶۱ قربان آبِ گوہرِ دندانِ بے عدیل
مشتاق جن کے کوثر و تسنیم و سلسبیل
پایا ہے اختروں نے یہ کب رتبۂ جلیل
ہیروں کو بھی صفا میں ہے دعوائے بے دلیل
ان میں یہ آب و تاب نہ یہ رنگ و ڈھنگ ہے
یہ نور کی صدف کے گہر ہیں وہ سنگ ہے

۶۲ پوچھے یہ جوہری کوئی دُرِ خوش آب سے
رشتہ تمھیں ہے کچھ بھی رسالت مآب سے
ادنیٰ کا کیا مقابلہ عالی جناب سے
یہ شیر فاطمہؑ سے بنے وہ سحاب سے
یہ زیب گوشوارۂ عرشِ عظیم ہیں
دعویٰ ہے کیا بڑے ہوئے دُرِ یتیم ہیں

۶۳ وہ ریشِ پاک روئے ضیا پرورِ جناب
گویا کہ جوفِ لیل سے نکلا ہے آفتاب
وہ صبح شیب کی ہے تو یہ ہے شبِ شباب
دن اس سے بہرہ مند ہے شب اس سے فیضیاب
ہو اس طرح کا چاند شبِ تار کے لیے
ایسی ہو رحل مصحفِ رخسار کے لیے

۶۴ آئینۂ گلوئے مبارک کو کیا لکھوں
بدر الدجیٰ بتاؤں کہ شمس الضحیٰ لکھوں
یا شمع بزم فاطمہؑ و مرتضیٰ لکھوں
یا بوسہ گاہ حضرت خیر الوریٰ لکھوں
پروانہ وار صدقے ہیں عاشق حضور کے
ڈھالا ہے شمع طور کو سانچے میں نور کے

۶۵ شانے وہ ہیں کہ جن پہ شفاعت کا بار ہے
بازو کی آستیں سے ضیا آشکار ہے
ساعد ہیں قوت اسد کردگار ہے
پنجہ وہ جس کے قبضے میں خود ذوالفقار ہے
ہے چاند سی ضیا کف نیکو سرشت کی
دس انگلیاں کلید ہیں آٹھوں بہشت کی

۶۶ کیونکر بشر سے ہو صفت سینۂ امام
ایماں کی جان علم کا گھر عدل کا مقام
قرآن کا اور اس کا برابر ہے احترام
رتبے میں کیا سخن ہے برابر ہیں کیا کلام
مصحف ہے اُن کے سینۂ انور کے واسطے
سینہ ہے اُن کا مصحف اکبر کے واسطے

۶۷ کیسا یہ انقلاب ہے اے چرخ بے مدار!
تیر لعین اسی پہ رکھے پائے چکمہ دار
سینہ ہو جس کا مخزن اسرار کردگار
دوڑائیں گھوڑے اس پہ ہژبرانِ کارزار
دشمن بھی یوں بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
ایسے ستم ہوں اور قیامت بپا نہ ہو

۶۸ کیا بات اس ولی کے قدم کے ثبات کی
تھی جس کے فیض سے برکت کائنات کی
قائم بنا انھیں سے ہے صوم و صلوٰۃ کی
ہر نقش پا دکھاتا ہے صورت نجات کی
لکھی ہوئی ہے سیر ارم سرنوشت میں
پیرو انھیں کے جائیں گے سیدھے بہشت میں

۶۹ بالائے سر عمامۂ محبوب کردگار
گورا وہ رنگ اور وہ ریش خضاب دار
حمزہؑ کی ڈھال دوش پہ قبضے میں ذوالفقار
رخ سے خدا کے شیر کا سا رعب آشکار
بے خیرگی نگاہ کو حسن جناب سے
آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے

۷۰ چتر زری لگائے تھا واں ابن سعد شوم
دو سو تھے گرد و پیش رئیسان شام و روم
وہ شور دار و گیر کا وہ فوج کا ہجوم
وہ جابجا نقیبوں کا غل صف کشی کی دھوم
چھایا ہوا تھا ابر ستم میہمان پر
کیا آ بنی تھی بیکس و تنہا کی جان پر

۷۱ پھنکا کھڑا تھا دھوپ میں زہرا کا نازنیں
ہانپیں فرس اٹھا تھا جلتی تھی یہ زمیں!
رخ سے پسینہ پونچھ کے کہتے تھے شاہ دیں
لیجئے خبر غلام کی یا ختم مرسلیںؐ!
سر پر خدا ہے یا مرے مالک حضور ہیں
امت کا حال کس سے کہوں آپ دور ہیں

۷۲ نانا بس اب نواسے کو جلدی بلائیے
مقتل میں آکے حال مرا دیکھ جائیے
کوثر سے بھر کے جام کوئی ساتھ لائیے
پیاسا ہوں تین روز کا پانی پلائیے
ہوتا ہے وہ ستم کہ مروت سے دور ہے
امت سے پوچھئے کہ مرا کیا قصور ہے

۷۳ عالم مسافرت کا ہے یا سید البشر
جب آگ سے جلائیں گے خیموں کو اہل شر
تنہا ہوں اب کوئی نہ برادر نہ ہے پسر
بچوں کو لے کے جائیں گی سیدانیاں کدھر
غارت گروں کا غول جو درانہ آئے گا
اس وقت کون چادر زینبؑ بچائے گا

۷۴ حضرت کی آل پاک کے دشمن ہیں تیغ زن
کشتے سب اپنے دفن کیے یا شہ زمن
ان باغیوں نے لوٹ لیا آپ کا چمن
اکبرؑ کی لاش کو کوئی دیتا نہیں کفن
سب نقش ہیں سموں کے تن پاش پاش پر
گھوڑے پھرائے ہیں مرے قاسمؑ کی لاش پر

۷۵ آئی صدا اے حضرت محبوبؐ کردگار
پیارے میں دیکھتا ہوں یہ سب تیرا حال زار
اے بیکس و غریب نواسے! ترے نثار
امت نہ بھی آہ تجھے میری یادگار
تجھ پر یہ پیاس کے نہیں صدمے گذرتے ہیں
خنجر سے اہل ظلم مجھے ذبح کرتے ہیں

۷۶ روتے ہیں آج صبح سے حیدر ترے لیے
پھرتی ہے مضطرب تری مادر ترے لیے
شبیرؑ بے قرار ہیں شبرؑ ترے لیے
میں پیٹتا ہوں اے مری دلبر ترے لیے
خالی ہے اے حسینؑ تری جا بہشت میں
تو میرے پاس رات کو ہوگا بہشت میں

۷۷ کس جا چھپیں گے روز قیامت کو اہل شام
گھبرائیو نہ اے مرے شبیرؑ تشنہ کام
اللہ سب سے لے گا ترے خوں کا انتقام
بس آج عصر تک ہے یہ سب مرحلہ تمام
ایذا کے دن گذر گئے راحت سے سوئیں گے
پانچوں تن خدا کے لو ربہم آج ہوئیں گے

۷۸ رضواں کھڑا ہے کھولے ہوئے در ترے لیے
رکھے ہیں سلسبیل کے ساغر ترے لیے
آراستہ ہوا ہے نیا گھر ترے لیے
لہرا رہا ہے چشمۂ کوثر ترے لیے
غرفے کھلے ہیں فوج ملک کا ہجوم ہے
حوروں کے غول میں تری آمد کی دھوم ہے

۷۹ پھولا نہیں سماتا ہے فردوس کا چمن
عالم یہ ہے بہشت کا اے میرے کم سخن
بالیدگی سے ٹکڑے ہوا جاتا ہے بدن
پہنے ہو جیسے پھولوں کا گہنا نئی دلہن
کیا کیا ہیں قصر لعل کے اعلیٰ بنے ہوئے
غل ہے حسینؑ آتے ہیں دولہا بنے ہوئے

۸۰ نرگس کی چشم تر کو ترا انتظار ہے
طوبیٰ کے برگ برگ کا دل بے قرار ہے
ہر نخل میوہ دار کو فکر نثار ہے
اے گل! ترا فراق درختوں پہ بار ہے
بھڑکی ہے آگ عشق کی لالہ کے داغ میں
سب ڈالیاں بھی گردنیں ڈالے ہیں باغ میں

۸۱ خیر النسا کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ
تنہا جو ابن فاطمہؑ کو پا گئی سپاہ
کچھ شہ پہ آئی کچھ سوئے دریا گئی سپاہ
نیزہ اٹھا اٹھا کے قریب آ گئی سپاہ
ڈالی جو سب نے آنکھ شہ ارجمند پر
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

۸۲ کاندھے پہ ذوالفقار کو رکھ کر یہ دی صدا
تنہا تو ہوں مگر بخداوندیٔ خدا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے قوم اشقیا
سر کاٹتے پھریں گے بیاباں میں جا بجا
پھر دم نہ لے گی تیغ علیؑ خوں میں پیر کے
پیچھے قدم ہٹاؤ گے جو طالب ہو خیر کے

۸۳ ہم شیر مانتے ہیں کبھی بھوک پیاس کو
عیش و طرب سمجھتے ہیں اندوہ و یاس کو
چڑھتی ہے ہم تک آتے ہوئے تپ ہراس کو
جس دن سے ہوش ہے نہیں چھوڑا حواس کو
دل خوں ہوا پہ چشم کو پرنم نہیں کیا
اکبر سے نوجوان کا بھی ماتم نہیں کیا

۸۴ غالب رہے سدا سپہ روم و شام پر
رغبت ہمیں نہ آب پہ ہے نے طعام پر
نصرت کا ہے مدار ہماری حسام پر
عزت پہ جان دیتے ہیں مرتے ہیں نام پر
لیتے ہیں کچھ تو خالق اکبر سے لیتے ہیں
ہم آپ فاقے کرتے ہیں سائل کو دیتے ہیں

۸۵ دنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دانا جو ہیں وہ مزرعۂ عقبیٰ سمجھتے ہیں
وہ خود برے ہیں جو اسے اچھا سمجھتے ہیں
ہے سہل و مختصر ہم اسے کیا سمجھتے ہیں
نے تخت سے غرض ہے نہ شاہی سے کام ہے
درویش کو رضائے الٰہی سے کام ہے

۸۶ ناحق شکستہ دل کو ستانے سے کیا حصول
بیکس پہ تیغیں تول کے آنے سے کیا حصول؟
دکھتے ہوئے جگر کو دکھانے سے کیا حصول
اک بے گنہ کے خون بہانے سے کیا حصول
مضطر ہیں ورثہ دار جناب امیرؑ کے
واللہ مال و زر نہیں گھر میں فقیر کے

۸۷ ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب
ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب
بیکس عزیز مردہ، جفا کش، بلا نصیب
رشتے میں ہیں رسولؐ خدا سے بہت قریب
تھی غیر فقر کون سی دولت علیؑ کے پاس
زر کیا ازار تک نہیں ثابت کسی کے پاس

۸۸ تقویٰ ہے زیور ان کا تو شرم و حیا لباس
ہیں سالک طریق بتولؑ فلک اساس
ہاں ایک نقد عصمت و عفت ہے سب کے پاس
اک اک خدا پرست ہے ایک ایک حق شناس
سب مرتضیٰ علیؑ کے چلن ان کو یاد ہیں
ایذا میں شکر کرتی ہیں فاقوں میں شاد ہیں

۸۹ ہر دم ہیں محو بندگیٔ رب بے نیاز
روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز
سجدے میں حق سے کہتی ہیں اپنے دلوں کا راز
دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز
کچھ قدر مال و زر نہیں ان کی نگاہ میں
بیٹوں کو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

۹۰ چلایا ابن سعد ستم پیشہ و جہول
لوٹیں گے بعد فتح و ظفر خانۂ بتولؑ
یہ عجز ناپسند ہے یہ عذر نا قبول
تیغ دو دم کو کھینچئے باتوں سے کیا حصول!
مرسل ہو یا امام ہو کچھ مانتے نہیں
پتھر ہیں قلب رحم کو ہم جانتے نہیں

کیا رحم کی جوانی اکبر پہ تھی نہ جا! ہنگام نزع اپنی زباں کو دکھا دکھا	۹۱	مارا اسے خبر نہ ہوئی ہم کو مطلقا ہنستے تھے مانگتا تھا جو پانی وہ مہ لقا
بے رحمیوں کی گھر سے قسم کھا کے آئے ہیں		گھوڑے اسی کی لاش پہ دوڑا کے آئے ہیں
غیظ آگیا یہ سن کے شہ نامدار کو جلوہ دیا جو صاعقۂ شعلہ بار کو	۹۲	کھینچا کمر سے مثل علیؑ ذوالفقار کو دہشت سے تپ چڑھی فلک بے مدار کو
سب کو یقیں ہوا کہ دو عالم الٹ گئے		روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئے
نعرے سے دشت گونج گیا ہل گئے جبال شیروں کے تن پہ ڈر سے کھڑے ہو گئے تھے بال	۹۳	جھکتے تھے بار بار درختوں کا تھا یہ حال دبکے ہوئے تھے چوکڑی بھولے ہوئے غزال
جنگل سے کوہ تک جو شرر اڑ کے آئے تھے		دہشت سے اژدہے بھی دم اپنا چرائے تھے
چمکی اُدھر تو تیغ شہنشاہ قلعہ گیر شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر	۹۴	کوندا ادھر زمیں پہ سمند فلک سریر کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر
صرصر کبھی رُکی ہے بھلا اونچ نیچ میں		اُترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں
بجلی گری کہ تیغ شہ بحر و بر چلی پہونچی شکست ادھر یہ عدو کش جدھر چلی	۹۵	نکلی کمر سے بڑھ کے تو بلائے سر چلی آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے		لشکر کے سربلند جواں پست ہو گئے
ڈھالیں اٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی ہر سو اٹھا یہ شور کہ سیل فنا بڑھی	۹۶	مانند برق کوند کے یہ جاں گزا بڑھی وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے منہ قضا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا		گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھا
بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر کوئی تڑپ رہا تھا ادھر اور کوئی اُدھر	۹۷	دو تھا بہ شکلِ لا کوئی گردن سے تا کمر بیٹے سے چھٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
بھاگڑ میں اہل ہوش بھی سب بحواس تھے		زندہ جو تھے وہ کشتۂ تیغ ہراس تھے
اک وار روکنا انھیں دشوار ہو گیا جو آزمودہ کار تھا بیکار ہو گیا	۹۸	دو ہاتھ جس جواں پہ چلے چار ہو گیا کٹ کر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
ہر صف لہو کے آنسوؤں سے رو کے رہ گئی		سارے ستم کی کشت درو ہو کے رہ گئی
حق نے دیا تھا تیغ علیؑ ولی کو جس! پیدل تھے راس و چپ تو پیادے تھے پیش و پس	۹۹	آفت تھی اس کی باڑھ قیامت تھا اس کا کس! لیکن وہ جب چلی نہ چلا کچھ کسی کا بس
سر اُن کے اڑ گئے جنھیں دعویٰ جدل کا تھا		روکے سپر کسے وہ طمانچہ اجل کا تھا

جس صف پہ جس پرے پہ وہ خوں خوار چل گئی	۱۰۰	ساتھ اس کے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی		کشتے تو کیا زمیں بھی حرارت سے جل گئی
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے		شعلے پناہ مانگتے تھے اُس کی آنچ سے
بھڑکی تھی آگ ظلم کی جنگل میں ہر طرف	۱۰۱	اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف		گرتی تھی برق کوند کے ہر دل میں ہر طرف
گر گر کے ریگ گرم پہ ناری پھڑکتے تھے		تن سے لہو نہ اُڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے
تکبیر کی صدا تو ادھر سے بلند تھی	۱۰۲	فریاد و آہ لشکر شر سے بلند تھی
موج آب ذوالفقار کی سر سے بلند تھی		ندی لہو کی رن میں کمر سے بلند تھی
سب خوں گرفتہ کشتۂ تیغ عذاب تھے		موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
غل تھا علیؑ کی تیغ کا فتنہ ہے کہ قہر ہے	۱۰۳	دم خم میں گھاٹ باڑھ میں یکتائے دہر ہے
لوہے میں اس کے آب ہے پانی میں زہر ہے		تلوار کی چمک نہیں افعی کی لہر ہے
دل کانپتا ہے کون اجل سے دوچار ہو		اس کی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو
رستم بھی اس کے منہ پہ ٹھہرتا نہیں کبھی	۱۰۴	ڈوبے جو گھاٹ پر وہ ابھرتا نہیں کبھی
وہ زخم ہے اسی کا جو بھرتا نہیں کبھی		زہر اس کا جب چڑھا تو اترتا نہیں کبھی
جنات اس کے سائے سے پرہیز کرتے تھے		یہ وہ بلائے بد ہے کہ ساحر بھی ڈرتے تھے
چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے	۱۰۵	گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
سر کٹ کے پانچ سات کے اک بار گر پڑے		آگے سے جو دو بھاگ گئے چار گر پڑے
کس اس کا دیکھ لیتی تھی وہ جس میں کھوٹ تھی		تلوار کی بھی چاند پہ ہر بار چوٹ تھی
جب رن میں وقت عصر کے تنہا لڑے حسینؑ	مطلع چہارم ۱۰۶	حیدرؑ کی شان سے لب دریا لڑے حسینؑ
ایسا لڑا نہ کوئی کہ جیسا لڑے حسینؑ		اللہ ری حرب لاکھوں سے تنہا لڑے حسینؑ
غل تھا خدا کی راہ میں بس وہ ولی لڑے		یا فاطمہؑ کا لال لڑا یا علیؑ لڑے
دو ہاتھ حق نے خلق کئے بہر ذوالفقار	۱۰۷	دست حسینؑ و دست یداللہ نامدار
ایماں قوی جو اُس سے تو دیں اس سے استوار		رونق وہ شرع کی تو یہ اسلام کا وقار
عقدے ظفر کے اوروں کے ناخن سے کیا کھلیں		ہاتھ ایسے ہوں تو جوہر تیغ خدا کھلیں
اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد	۱۰۸	بھولے گی حشر تک نہ زمانے کو جس کی یاد
ہر ضرب پر علیؑ ولی دے رہے تھے داد		لرزاں تھا خوف سے عمر سعد بد نہاد
فوجیں کئی پڑی ہوئی تھیں روم و شام کی		جنگل میں شور تھا کہ دہائی امام کی

۱۰۹
گھوڑا بڑھا کے شاہ یہ کہتے تھے بار بار
سب طرح کا دیا ہے مجھے حق نے اختیار
دیکھی رسولؐ حق کے نواسے کی کارزار
طالب نہیں ہیں فتح کا اے قوم نابکار
امت کی مغفرت سے ہے مطلب حسینؑ کو
لو آؤ بس شہید کرو اب حسینؑ کو

۱۱۰
آئی صدائے حضرت محبوب ذوالجلال
یہ سن کے شہ کو شوقِ شہادت ہوا کمال
ہاں اب تو وقتِ عصر بھی ہے اے علیؑ کے لال
تلوار رکھ کے میان میں بولا وہ خوش خصال
اب عنقریب خلق سے رحلت ہماری ہے
لے ذوالفقار تجھ سے بھی رخصت ہماری ہے

۱۱۱
یاں اسلحہ اتار کے رکھتے تھے زیں پہ شاہ
ابرِ ستم میں گھر گیا خیر النسا کا ماہ
جو پھر پڑی شکست اٹھائی ہوئی سپاہ
تیغوں کی بجلیاں تھیں کہ اللہ کی پناہ
سینہ علیؑ کے شیر کا غربال بن گیا
ناوک ہزار ہا جو چلے جسم چھن گیا

۱۱۲
برچھوں کی نوکیں اور تنِ شبیرؑ ہائے ہائے
بازو وہ اور نیزہ و شمشیر ہائے ہائے
سینہ خدا کے نور کا اور تیر ہائے ہائے
اک جان اور سیکڑوں بے پیر ہائے ہائے
غش آگیا حبیب خدا کے حبیب کو
اتنا نہ تھا کوئی کہ سنبھالے غریب کو

۱۱۳
تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار
ٹکڑے لہو کے منہ سے نکلتے تھے بار بار
زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے بار بار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
یہ بیکسی بتولؑ کے آرام جاں پہ تھی
لیکن دعائے امتِ عاصی زباں پہ تھی

۱۱۴
گھوڑے پہ جھومتا تھا وہ امت کا خیر خواہ
تر ہو گئی لہو میں محمدؐ کی بوسہ گاہ
مارا کسی نے تیر سہ شعبہ گلے پہ آہ
رکھ کر گلے پہ ہاتھ پکارا علیؑ کا ماہ
اچھا ستاؤ روزِ عدالت قریب ہے
اے ساکنانِ شام قیامت قریب ہے

۱۱۵
یہ کہہ کے ذوالجناح سے وہ مقتدا گرا
آواز دی زمیں نے کہ عرشِ علا گرا
ہر زخم سے بدن کے لہو جابجا گرا
زہراؑ پکاری ہائے مرا لاڈلا گرا
ڈیوڑھی پہ اہلِ بیت ادھر پیٹنے لگے
سجادؑ غش سے چونک کے سر پیٹنے لگے

۱۱۶
فضہ کو دیکھ کر یہ پکارا وہ نوحہ گر
روتا ہے در پہ کون پھوپھی جان ہیں کدھر
دیکھا ہے میں نے خواب میں بابا کو ننگے سر
جلدی بتا مجھے شہِ والا کی کچھ خبر
چلائی وہ کہ آلِ نبیؐ در پہ روتے ہیں
لٹتا ہے گھر امامِ امم ذبح ہوتے ہیں

۱۱۷
اٹھ کر گرا جو ضعف سے وہ زار و ناتواں
بنتِ علیؑ کے بین سے لرزاں تھا آسماں
تکیے پہ سر پٹک کے کہا ہائے بابا جاں
بانو تھمی شاہِ دیں کو سنبھالے تھیں بیبیاں
سیدانیوں کے رونے سے بچے بلکتے تھے
پردے سے سر نکال کے میداں کو تکتے تھے

۱۱۸
پردہ اٹھا کے ننھے سے ہاتھوں سے بار بار
مقتل سے بابا جان چلے آؤ میں نثار
چلاتی تھی یہ شہ کو سکینہؑ جگر فگار
رو کر صدا یہ دیتے تھے شبیر نامدار
گردن کٹا کے آج اسی بن میں سوئیں گے
ہٹ جاؤ در سے تم کہ ہم اب ذبح ہوئیں گے

۱۱۹
جی بھر کے دیکھ لیں دم آخر جو تم کو پائیں
کس طرح خوں بھری ہوئی صورت تمھیں دکھائیں
تیغوں سے پرزے پرزے ہے سب جسم کیونکر آئیں
بی بی وہاں تلک آنے کی طاقت کہاں سے لائیں
سر سے کریں گے آج ادا فرض عین کو
بابا نثار صبر کرو اب حسینؑ کو

۱۲۰
لکھا ہے ایک راوی غمگیں وہاں کا حال
سن کر صدائے نالۂ عموئے خوش خصال
ہمراہ تھا سکینہؑ کے چھوٹا حسنؑ کا لال
نکلا تڑپ کے پیچھے سے باہر وہ خورد سال
گھبرا کے بنت فاطمہؑ باہر نکل پڑی
بیٹے کے ساتھ ماں بھی کھلے سر نکل پڑی

۱۲۱
تصویر تھا حسنؑ کی سراپا وہ ماہرو
عموؑ کا اشتیاق شہادت کی آرزو
چہرہ تو آفتاب سا اور چاند سا گلو
گردن میں طوق دوش پہ گیسوئے مشک بو
دل بے قرار ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
آنکھیں تو نرگسی مگر آنسو بھرے ہوئے

۱۲۲
کرتا وہ نرم جسم پہ وہ پھول سا بدن
وہ لعل لب کہ جس پہ فدا برگ یاسمن
خوشبو کو جس کی پہونچے نہ یوسفؑ کا پیرہن
عمامہ سر پہ سبز قبا سرخ زیب تن
یعنی پسر ہوں بادشہ مشرقین کا
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا

۱۲۳
بازو پکڑ کے بنت یداللہ نے کہا
چلائی ہاتھ جوڑ کے ماں غم کی مبتلا
چل گھر میں اے یتیم حسنؑ تجھ پہ میں فدا
بیوہ ہوں مجھ پہ رحم کر اے میرے دلربا
قاسم گئے بہشت میں اُن سے تو یاس ہے
اب آسرا خدا کا ہے یا تیری آس ہے

۱۲۴
دیکھا یہ سانحہ تو پکارے شہ زمن
اعدا کے ہاتھ سے نہ بچے گا یہ گلبدن
لیجاؤ پھیر کر اسے خیمے میں اے بہن
ڈر ہے مجھے کہ دیکھ نہ لیں اس کو تیغ زن
اس کا گلا بھی تیر ستم کا ہدف نہ ہو
دیکھو بہن حسنؑ کی نشانی تلف نہ ہو

۱۲۵
پیٹی ہوئی تھی زینبؑ غمگین و سوگوار
لیکن ہو کے جوش سے دل تھا جو بے قرار
ان ننھے ننھے پاؤں پہ گرتی تھی بار بار
ہرگز نہ مانتا تھا کسی کی وہ گلعذار
ماں اپنا ہاتھ رکھتی تھی جب دست پاک پر
ہٹ ہٹ کے پچھلے پاؤں مچلتا تھا خاک پر

۱۲۶
ماں کہتی تھی کہ آؤ میں قربان جاؤں آؤ
وہ کہتا تھا لباس کے بدلے کفن پنھاؤ
کرتا پھٹا ہوا ہے بدل دوں تو رن میں جاؤ
اماں خدا کے واسطے اب ہم سے ہاتھ اُٹھاؤ
عموؑ کے ساتھ خدمت حیدر میں جائینگے
گر جان جائے گی تو نہ اب گھر میں آئیں گے

۱۲۷ دیکھو تو حالِ بیکسیٔ شاہِ بحر و بر
ٹکڑے ہیں پیچ سبز عمامے کے سر بسر
ہے ہے علیؑ کے لال کا چہرہ ہے خوں میں تر
کھا کھا کے زخم دیکھ رہے ہیں ادھر اُدھر
کیوں کر نہ اس ولی کو بچانے میں کد کریں
یہ دکھ ہو غیر پر تو ہم اُس کی مدد کریں

۱۲۸ ماں سر پہ ہاتھ مار کے کہتی تھی ہے غضب
وہ کہتا تھا کسی کا نہیں دھیان مجکو اب
کیا ہو گیا پھوپی کو بھی اس دم نہیں ادب
رن میں اکیلے ہیں مرے عموئی تشنہ لب
سچ ہے کسی کا حال کوئی جانتا نہیں
میں کیا کروں ارے مرا دل مانتا نہیں

۱۲۹ تیغیں چچا پہ چلتی ہیں کیوں کر نہ جائیں ہم
کیونکر چچا کے بدلے نہ تلواریں کھائیں ہم
پالا ہے جس نے کام نہ آج اس کے آئیں ہم
اچھا اگر بچے تو کسے منہ دکھائیں ہم
بتلاؤ گھر میں کون ہے سب کوچ کر گئے
قاسم دولہن کو چھوڑ کے کیوں آج مر گئے

۱۳۰ ماں رو کے کہتی تھی تری ہمت کے میں نثار
وہ کہتا تیغ چاہیے کیا ہم کو آبدار
سنے آؤ بچہ تو کوئی بہر کارزار
یہ ننھے ننھے ہاتھ ہمارے ہیں ذوالفقار
جو سیف کبریا ہیں پسر اس ولی کے ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ پوتے علیؑ کے ہیں

۱۳۱ ماں کہتی تھی ارے ترے مرنے کے ہیں یہ دن
لے تجھ کو منع کرتے ہیں سلطان انس و جن
اے دلبر حسنؑ نہ جیوں گی میں تیرے بن
وہ کہتا تھا بتائیے اصغرؑ کا کیا تھا سن
پہونچے ریاضِ خلد میں کس آن بان سے
گردن پہ تیر کھا کے سدھارے جہان سے

۱۳۲ ناگاہ صاف آئی یہ آواز مجتبا
یہ خوں کا جوش ہے نہ رکے گا یہ مہ لقا
زینبؑ اب اس کے روکنے سے فائدہ ہے کیا
قاسمؑ کی ماں سے کہدو کہ اب اس سے ہاتھ اٹھا
چھوڑے یہ ایسے وقت میں کیونکر حسینؑ کو
بھائی پہ صدقے ہونے دو اس نور عین کو

۱۳۳ بیٹے کو روکتی ہے جو گر گر کے پاؤں پر
صدقے حسینؑ پر ہو نہ جو ایسے ہوں سو پسر
کیا فاطمہؑ کے لال کی اس کو نہیں خبر
ہوتا جو آج میں تو کٹاتا خود اپنا سر
موقوف کچھ جوان پہ ہے نے خورد سال پر
فخر اس کا ہو نثار ہو زہراؑ کے لال پر

۱۳۴ تھرا گئی یہ سن کے صدا زینبؑ حزیں
جا پہونچا قتل گاہ میں وہ طفل مہ جبیں
مادر بھی گر کے خاک پہ غش ہو گئی وہیں
غش میں زمیں پہ جھوم رہے تھے امام دیں
تھرا کے ہاتھ پاؤں کلیجہ الٹ گیا
پھیلا کے دونوں ہاتھ چچا سے لپٹ گیا

۱۳۵ کہنے لگا جو منہ سے ملا اپنا وہ گلعذار
کیوں اس بلا میں گھر سے نکل آئے میں نثار
بولے یہ غش سے چونک کے شاہِ فلک وقار
دنیا میں ہو تمہیں مرے بھائی کی یادگار
بہنیں ہیں بیقرار پھوپی تلملاتی ہیں
لو جاؤ گھر میں جاؤ کہ ماں نکلی آتی ہیں

۱۳۶
کہتا تھا گرد شاہ کے پھر کے وہ لالہ فام
بن بیکسی پہ آپ کی قربان گیا امام
گھر میں نہ جب ہوں آپ تو پھر گھر سے کیا ہے کام
حضرت جہاں رہیں گے رہے گا وہیں غلام
قاسمؑ اسی شبیہ پیمبرؐ کے ساتھ ہیں
اب گھر کہاں کا ہم علی اصغرؑ کے ساتھ ہیں

۱۳۷
آتے تھے تیغیں تول کے حضرت پہ جب شریر
بڑھ بڑھ کے ظالموں کو ہٹاتا تھا وہ صغیر
کہتے تھے ایک ایک سے شاہ فلک سریر
اس کے عوض لگاؤ مجھے گرز و تیغ و تیر
معصوم ہے یتیم ہے اور خورد سال ہے
اے اہل شام یہ زن بیوہ کا لال ہے

۱۳۸
وہ کہتا تھا چچا پہ نہ تیغیں علم کرو
منظور رحم پہ جو ہے وہ مجھ پر ستم کرو
موقوف عزم قتل امام امم کرو
جھکتا ہوں میں بدن سے مرا سر قلم کرو
سمجھو غنیمت اس شہ عالی مقام کو
دنیا میں پھر نہ پاؤ گے ایسے امام کو

۱۳۹
تلوار تول کے جو بڑھا اک عدوئے دیں
گھبرا گیا تڑپ گیا وہ طفل مہ جبیں
بولا چڑھا کے کرتے کی ننھی سی آستیں
کیا میرے عم کو قتل کرے گا تو اے لعیں
کافر بھی ہو کوئی تو نہ ایسا عمل کرے
جا دور ہو خدا ترے ہاتھوں کو شل کرے

۱۴۰
سن کر یہ بات غیظ میں آیا وہ نابکار
چاہا کہ مارے شاہ کو شمشیر آبدار
معصوم نے بڑھا دیا ہاتھوں کو ایک بار
دونوں کلائیوں پہ لگا اک ستم کا وار
صدمہ ہوا حسنؑ کے دل دردناک پر
بچے کے دونوں ہاتھ گرے کٹ کے خاک پر

۱۴۱
تڑپا جو گر کے گود میں شہ کے وہ نونہال
آئی صدائے فاطمہؑ ہے ہے حسنؑ کے لال
ان نکلی خیمہ گاہ سے بکھرائے سر کے بال
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے شبیرؑ خوش خصال
ہے ہے یتیم کر کے جو ماں بلبلاتی ہے
رن سے حسنؑ کے رونے کی آواز آتی ہے

۱۴۲
پانی چچا سے مانگتا تھا وہ مہ منیر
مارا کسی نے چاند سی گردن پہ ایک تیر
کھینچا جو شہ نے تیر تو حالت ہوئی تغیر
آغوش سے تڑپ کے گرا خاک پر صغیر
کرتا تمام خون سے گردن کی بھر گیا
دامن میں شہ کے ہچکیاں لے لے کے مر گیا

۱۴۳
منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ امم
یارب ترے حسینؑ پہ ہوتے ہیں یہ ستم
دکھ پر ہے دکھ جفا پہ جفا اور غم پہ غم
لیکن نہیں ڈگے ہیں تری راہ سے قدم
اعدا میں قید زینبؑ عالی صفات ہو
دوزخ سے شیعیان علیؑ کی نجات ہو

۱۴۴
غش ہو گئے یہ کہہ کے جو شبیرؑ نامور
چلایا فوج کو پسر سعد بد گہر
شمر و سنان و خولی و حجاج ہیں کدھر
ہاں جلد کاٹ لو پسر فاطمہ کا سر
بیٹھو نہ جب تلک سر شبیرؑ کٹ نہ جائے
زینبؑ تن حسینؑ سے آ کر لپٹ نہ جائے

۱۴۵ تاکید کرکے جوں ہی ہٹا وہ عدوئے دیں
تھرائے آسمان لرزنے لگی زمیں
نکلے اٹھائے تینوں کو چالیس اہلِ کیں
تھا غش میں قبلہ رو پسرِ ختمِ مرسلیں
چادر تھی اک لہو کی تنِ پاش پاش پر
رکھے تھے دونوں ہاتھ بھتیجے کی لاش پر

۱۴۶ بڑھ کر بن انس جو ہیں آیا قریب تر
بھاگا شقی زمیں پہ تلوار پھینک کر
حضرت نے آنکھیں کھول کے دیکھا ادھر ادھر
جو پوچھتا تھا کہتا تھا اس سے وہ بد گہر
کاٹوں گا میں گلا نہ شہِ مشرقین کا
محبوبِ حق کی گود میں ہے سر حسینؑ کو

۱۴۷ ڈر کر کسی نے جب نہ کیا عزمِ قتلِ شاہ
ترکِ ادب کا ڈر ہے کہوں کس زباں سے آہ
خنجر کو تیز کر کے بڑھا شمرِ روسیاہ
پیچھے پھیردں کو ذبح ہوئے شاہِ دیں پناہ
گھر لٹ گیا بتولؑ کا دنیا اجڑ گئی
زینبؑ سے شاہ شاہ سے زینبؑ بچھڑ گئی

۱۴۸ حضرت کو ذبح کرکے ہٹا جب وہ بد گہر
ٹکرائے کوہ آگئے جنبش میں بام و در
زلفیں پکڑ کے لے چلا سبطِ نبیؐ کا سر
آندھی اٹھی سیاہ کہ اڑ اڑ گئے شجر
غل تھا کہ اٹھ گئی برکت اب جہان سے
قطرے لہو کے گرنے لگے آسمان سے

۱۴۹ ہاں عاشقو حسینؑ کے آہ و بکا کرو
حقِ محبتِ شہِ والا ادا کرو
زہراؑ کا ساتھ دو مددِ مصطفیٰؐ کرو
بے سر ہوئے حسینؑ قیامت بپا کرو
سمجھو شریکِ مجلسِ ماتم بتولؑ کو
سب مل کے دو حسینؑ کا پرسا رسولؐ کو

۱۵۰ یا مصطفیٰؐ حضور کے پیاروں کو روتے ہیں
سنکر حدیث و مرثیہ جانوں کو کھوتے ہیں
یا فاطمہؑ حسینؑ کے قربان ہوتے ہیں
سر پیٹتے ہیں اشکوں سے دامن بھگوتے ہیں
تھی واں ہماری یاد شہِ مشرقین کو
پھر کس کو روئیں ہم جو نہ روئیں حسینؑ کو

۱۵۱ بس اے انیس طول سے بہتر ہے اختصار
کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار
یہ بزم اور آج کا پڑھنا ہے یادگار
بہتر ہے موتیوں سے تری نظمِ آب دار
پیچ ہے یہ طرزِ خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

سلام

بیکسی کا شہ کی کچھ چارہ رہ گیا
دیر آنے پر یہ جلد آئے رسولؐ
اللہ اللہ قربِ معراجِ رسولؐ
جب گسستہ ہو گیا تارِ نفس

جبرئیلؑ مہماں پیاسا رہ گیا
دور لاکھوں کوس سایا رہ گیا
دو کماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا
کون سا الفت کا رشتا رہ گیا

کاتبِ اعمال بھی رخصت ہوئے
ہائے میں غربت میں تنہا رہ گیا
قبر میں ہوگا حسابِ زندگی
بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
شُست و شُو سے گو ہوا اُجلا رذیل
جامۂ اصلی میں دھبّا رہ گیا
جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسولؐ
پھر جہاں میں کس کا پردہ رہ گیا
قبر میں رکھکر نہ ٹھہرا کوئی دوست
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا
ذہن تھا بے پردگیٔ آل میں
ہم گنہ گاروں کا پردا رہ گیا
کور ہوتیں اس کا جلوہ دیکھ کر
شکر ہے آنکھوں کا پردا رہ گیا
عصر تک سب فوج پہونچی خلد میں
صاحبِ لشکر اکیلا رہ گیا
اُٹھ گئے مابَین کے سارے حجاب
بس فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا
سب ہوئے سیراب تجھ سے اے فرات
قافلہ یثرب کا پیاسا رہ گیا
تیری سختی پر فلک پتھر پڑیں
چور ہو کر دل کا شیشا رہ گیا
تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں
بھر کے ٹھنڈی سانس بچّا رہ گیا
زخم کھاتے ہی جو اکبرؑ گر پڑے
چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا
کہتی تھی ماں سوئے اصغرؑ قبر میں
ہائے خالی اُن کا جھولا رہ گیا
کس کو اب پہنائے مادر دل جلی
چل بسے وہ یہ شلوکا رہ گیا
اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا
خنجرِ قاتل بھی پیاسا رہ گیا
سوؤ گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

رباعی

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے
پھُنکتے تھے بدن رنگ بدل جاتے تھے
اللہ ری ہوائے گرمِ روزِ عاشور
جب آتی تھی لو درخت جل جاتے تھے

رباعی

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے
جو رگ ہے بدن کی رشتۂ نشتر ہے
سینے سے بھرا ہوا ہے دل شکلِ کباب
کیا غم ہے جو تن مثلِ قلم لاغر ہے

مرثیہ

سونا خانۂ زہرا ہے تباہی ہے آج
تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی منادی ہے آج
خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج
قتل کی بیکس و مظلوم کے تدبیریں ہیں
اک نبی زادہ ہے اور سیکڑوں شمشیریں ہیں

۲
نیزے تانے ہوئے اڑتے چلے آتے ہیں سوار
تیغیں کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہیں خونخوار
ہیں کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار
برقِ شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جس طرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے

۳
نہ ہے غم خوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہیں اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہیں سر پر کوئی
تھے جو غم خوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہیں
اپنی تنہائی پہ خود شاہ کھڑے روتے ہیں

۴
جسم پہ تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
رو کے فرماتے ہیں اعدا سے کہ اے قوم شریر
خوں میں سر تا بہ قدم تر ہیں جنابِ شبیرؑ
کیا گنہ ہے مجھے کیوں مارتے ہو بے تقصیر
یوں ستاؤ نہ کہ میں جنگ پہ آمادہ ہوں
رحم لازم ہے کہ تشنہ ہوں نبی زادہ ہوں

۵
کوئی سنتا نہیں فریادِ امامِ عالی
ماہِ زہرا پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
برچھیاں چلتی ہیں اور ہوتے ہیں ترکش خالی
رن میں تنہا ہیں نہ وارث ہے کوئی نہ والی
زخم تلواروں کے خاموش کھڑے کھاتے ہیں
غش میں جھکتے ہیں کبھی گاہ سنبھل جاتے ہیں

۶
لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
رو کے فرماتے ہیں بیٹے سے کہ اے جانِ پدر
تھام لیتے ہیں کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہیں بابا کی خبر
میرے پیارے مرے جانی مرے دلبر اٹھو!
ہم پہ تنہائی ہے اٹھو علی اکبرؑ اٹھو

۷
لاشِ عباسؑ سے کرتے ہیں بصد یاس بیاں
وقتِ امداد و اعانت ہے برادر قرباں
اے مرے یارِ وفادار مرے شیر جواں
چھوڑ کر ہم کو لعینوں میں سدھارے ہو کہاں
لاکھ ملعونوں نے میداں میں ہمیں گھیرا ہے
تم نے بھائی سے عجب وقت میں منھ پھیرا ہے

۸
کہتے تھے اہلِ ستم حال سناتے ہو کسے!
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہو کسے!
مر گئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہو کسے!
سو گئے ہیں کہیں مردے بھی جگاتے ہو کسے!
حلق پہ خنجرِ خوں خوار پھرا دیتے ہیں
اب تمھیں بھی اسی مقتل میں گرا دیتے ہیں

۹
رو کے فرماتے ہیں یہ فوجِ ستمگار سے شاہ
غم ہیں اپنوں کے نہ کیونکر کروں میں نالہ و آہ
ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
ان کو روؤں گا میں جب تک کہ جیوں گا واللہ
بھولتا ہے کوئی اس طرح کے غمخواروں کو
یاد کرتے ہیں وفادار وفاداروں کو

10
دشت میں چلتی ہے لوں دھوپ کی حدت ہے کمال
سرخ ہے خوں سے قبا دھوپ سے رخسار ہیں لال
جیٹھ بیساکھ کے ایام ہیں اور وقت زوال
نکلی آتی ہے زباں منھ سے یہ ہے پیاس کا حال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے
ریت اُڑ اُڑ کے ہر اک زخم میں بھر جاتی ہے

11
تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
ہے عجب بیکسی اس فاطمہؑ کے جانی پر
خوں کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر
تیغیں کھا کھا کے لب خشک جو دکھلاتے ہیں
تیر اُدھر سے عوض جرعۂ آب آتے ہیں

12
جوں کماں کٹ کے لٹک آئے ہیں ابرو خم دار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتے تھے رسولؐ مختار
ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
پیاس سے سوکھ گئے ہیں وہ لب گوہر بار
چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
چاک ہیں شکل کتاں ظلم کی تلواروں سے

13
وا دریغا وہ صراحی سا گلوئے انور
زنگوار تھا نبیؐ کو خط ہیکل جس پر
دو برس تک جو رہا فاطمہؑ کے سینے پر
کاٹتے کو اسے کھینچے ہیں ستمگر خنجر
علم کا گھر ہے جو اور نور کا آئینہ ہے
ہائے تلواروں سے صد چاک وہی سینہ ہے

14
زخمی ہیں ابن ید اللہ کے دونوں بازو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
ہائے ہیہات کہ یکدست ہیں شاہِ خوش خو
انگلیاں ایسی ہیں زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو
پر یہ ہے امتِ محبوبؐ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں دعا کی خاطر

15
سخت آفت میں ہے وہ پشت پناہِ عالم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جاں کاہ الم
کمر پاک ہے بارِ غم عباسؑ سے خم
زانو پر مارتے ہیں دستِ تاسف ہر دم
وار ہے تیغوں کے اعضائے بدن کٹتے ہیں
کھیت پر سے کہیں شیروں کے قدم ہٹتے ہیں

16
ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
بال سے خون کی بوندیں ہیں ٹپکتی ہر بار
کئی سو تیر ہیں گردن سے بھی پہلو سے بھی پار
نہ کھڑے ہونے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار
تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہے
پھیر کر منھ شہ والا کی طرف تکتا ہے

17
شاہ فرماتے ہیں اے میرے رفیق و ہمدم
ہم سے تو چھٹتا ہے اب تجھ سے جدا ہوتے ہیں ہم
ہے مجھے اپنے عزیزوں کے برابر ترا غم
مر کے بھی تجھ کو نہ بھولوں گا میں خالق کی قسم
خلق سے سوئے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

18
دیکھ لے تیری طرح میں بھی ہوں زخمی واللہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
فاقہ مجھ پر بھی ہے اور تو بھی ہے بے آب و گیاہ
تین دن گذرے ہیں پانی سے نہیں ہوں آگاہ
تو زباں خشک جو منھ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

۱۹ عرض کرتا ہے یہ گھوڑا کہ میں حضرت پہ فدا
تشنہ لب اکبرؑ و اصغرؑ ہوئے پانی نہ ملا
پیاس کا میری نہ غم کھائیے ہرگز مولا
کیا میں معصوم سکینہؑ سے بھی پیاسا ہوں سوا
پھیر کر منھ کو جو تکتا ہوں الم ہے مجھ کو
خاک پر گر نہ پڑیں آپ یہ غم ہے مجھ کو

۲۰ آپ بچپن میں کبھی مجھ پہ جو ہوتے تھے سوار
تھی تقید قدم آہستہ اٹھائے رہوار
بازو تب آکے پکڑتے تھے رسولِ مختار
پشت سے تیری کہیں گر نہ پڑے یہ دلدار
تیر پڑتے ہیں لگا جاتا ہے بھالا کوئی
آپ کا آج نہیں تھامنے والا کوئی

۲۱ رو کے کہنے لگے رہوار سے شاہِ دوجہاں
سر پہ نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ اب ہیں اماں
اب تو بیکس ہیں وہ چاہنے والے ہیں کہاں
دوست سب گلشنِ ہستی سے گئے سوئے خاں
یاس و اندوہ سے ہے فرق توانائی میں
کوچ دنیا سے ہے کس عالمِ تنہائی میں

۲۲ آئی پہلو سے یہ محبوبِ الٰہی کی صدا
مرے بیکس مرے مظلوم غریب و تنہا
ہے محمدؐ تو بڑی دیر سے حاضر بیٹھا
میں تری پیاس کے صدقے تری ہمت پہ فدا
تجھ سے بے جرم و خطا اہلِ ستم لڑتے ہیں
تیر سارے یہ کلیجے پہ مرے پڑتے ہیں

۲۳ تیری ماں خلد سے آئی یہاں کھولے ہوئے سر
بوسے لیتے ہیں ترے زخمِ بدن کے شبرؑ
کہتے ہیں شیرِ خدا ہائے پسر ہائے پسر
گرد پھر کر ترے روتے ہیں عقیلؑ و جعفرؑ
انبیا آئے ہیں پرسا تجھے دینے کے لیے
چلے آئے ہیں ملائک تجھے لینے کے لیے

۲۴ سنتے تھے شاہ یہ نانا کی فغان و زاری
پشت پر آکے کسی شامی نے برچھی ماری
کر لگا چھاتی پہ اک تیرِ سہ پہلو کاری
جھک گیا ہرنے پہ سر شہ کا ہوا غش طاری
شور تھا سبطِ شہِ عرش نشیں گرتا ہے
خاک پر دوشِ محمدؐ کا مکیں گرتا ہے

۲۵ دل میں اس وقت لگا سوچنے زخمی رہوار
خاک پر گر جو پڑے گا یہ شہِ عرش وقار
راکبِ دوشِ نبیؐ پشت پہ میری تھے سوار
رو کے فرمائیں گے محشر میں رسولِ مختار
بیٹھنے کا نہ ذرا رنج اٹھایا تو نے
خاک پر میرے نواسے کو گرایا تو نے

۲۶ خاک پر بیٹھ گیا وہ فرسِ تیز قدم
گرد آکر لگے تلواریں لگانے اظلم
تڑپے گھوڑے سے جدا ہو کے شہنشاہِ امم
ننگے سر پیٹتے خیمے سے نکل آئے حرم
رو کے چلاتی تھی زینبؑ کہ یہ کیا کرتے ہو
تن سے کیوں سر مرے بھائی کا جدا کرتے ہو

۲۷ ارے لوگو شہِ مظلوم کی کیا ہے تقصیر
ہائے یہ جسمِ حسینؑ اور یہ زخمِ شمشیر
نزع میں مارتے ہو فاطمہؑ کے لال کے تیر
اب کرو رحم کہ ہے بیکس و بے پر شبیر
نہ ستم سے جگرِ احمدؐ و حیدرؑ کاٹو
بدلے بھائی کے میں حاضر ہوں مرا سر کاٹو

۲۸
بھیڑ کو چھوڑ دو بھائی تلک آنے دو مجھے
آنکھیں قدموں سے برادر کے لگانے دو مجھے
خاک سے سبطِ پیمبرؐ کو اٹھانے دو مجھے
خیمے تلک بیکس و مظلوم کو لانے دو مجھے
پھر کہاں پائے گی سرور سے بہن مل لیوے
دمِ آخر تو برادر سے بہن مل لیوے

۲۹
فاطمہؑ کی ہوں میں بیٹی مرا کہنا مانو
کس کا پیارا یہ نواسا ہے اسے پہچانو
ظلم کے تیروں سے بھائی کی نہ چھاتی چھانو
زخمی ہوتے ہیں نبیؐ اس پہ نہ نیزے تانو
بال کھولے ہوئے یاں فاطمہؑ چلاتی ہے
لو سنو نالۂ حیدرؑ کی صدا آتی ہے

۳۰
ساتھ زینبؑ کے سکینہؑ کا عجب عالم تھا
نوحہ گر زلفوں کو کہتی تھی یہ چلّا چلّا
سر پہ ٹوپی بھی نہ تھی اور گریباں تھا پھٹا
گر پڑے گھوڑے سے ہے ہے مرے بیکس بابا
جیتے گھر میں جو نہ آئے تو مری جان گئی
بیٹی اس بیکس و مظلوم کے قرباں گئی

۳۱
کس حسرت سے بلکتے ہیں بابا ہے ہے
کوئی سنتا نہیں فریاد کروں کیا ہے ہے
برچھیاں کھاتے ہیں تن پر شہِ والا ہے ہے
یاں تلک آنے نہیں دیتے انہیں اعدا ہے ہے
اب کہاں زور عبث اہلِ ستم لڑتے ہیں
ضعف ایسا ہے کہ اٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں

۳۲
غش میں حضرت نے سنی جب یہ صدائے جاں کاہ
پیٹتی سر چلی آتی ہے سکینہؑ ناگاہ
دھیان آیا کہ نکل آئی بہن خیمے سے آہ
کھول کر آنکھیں پکارے یہ امامِ ذی جاہ
گھر سے کیوں نکلی ہو بس دھیان مرا بٹتا ہے
جاؤ خیمے میں کہ بھائی کا گلا کٹتا ہے

۳۳
سر پہ قاتل لیے شمشیر کھڑا ہے زینبؑ
دم نہ مارو دمِ تسلیم و رضا ہے زینبؑ
سب کو بھولا ہوں میں اب یادِ خدا ہے زینبؑ
یہ دعا مانگو کہ ہنگامِ دعا ہے زینبؑ
میرا ماں جایا تری راہ میں قرباں ہووے
مشکل ذبح بھی شبیرؑ پہ آساں ہووے

۳۴
میری جانب سے مری پیاری سکینہؑ سے کہو
راحتیں ہو چکیں اب تھوڑے دنوں رنج سہو
باپ قرباں ہوا اے لاڈلی بیتاب نہ ہو
باپ دنیا سے سفر کرتا ہے ماں پاس رہو
یاد کر کے مجھے راتوں کو نہ رونا بیٹی
سو چکیں چھاتی پہ اب خاک پہ سونا بیٹی

۳۵
رو بقبلہ ہوئے یہ کہہ کے شہِ جن و بشر
دیکھ کر سجدے میں حضرت کو پکارا یہ عمر
ٹیک کر گھٹنوں کو بس خاک پہ منہ موڑا دیا سر
جلد اے شمر پھرا شہ کے گلے پر خنجر
نک زینبؑ جو اٹھائے تو اڑانے دینا
سرِ شبیرؑ کو سجدے سے اٹھانے دینا

۳۶
اس محمدؐ کی نشانی کو مٹا دے جلدی
تن سے سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھا دے جلدی
شمعِ ایوانِ امامت کو بجھا دے جلدی
خاک میں فاطمہؑ کے گھر کو ملا دے جلدی
ذبح ہوگا جو پسر فاطمہؑ چلاوے گی
ڈر نہ جانا جو محمدؐ کی صدا آوے گی

۳۷
سن کے یہ متصل شاہ گیا وہ بے دین
آئی آواز یہ کیا کرتا ہے او شمرِ لعیں
چاہا چھاتی پہ چڑھے کھینچے ہوئے خنجرِ کیں
پسرِ مصحفِ ناطق کا تجھے پاس نہیں!
علمِ حق جس میں ہے وہ سینۂ انوار ہے یہ
پاؤں تو رکھو نہ قرآں کے برابر ہے یہ

۳۸
کیا قساوت تھی کہ مطلق نہ کیا خوفِ الٰہ
ذبح کس بیکسی سے ہوتے تھے شاہِ ذی جاہ
رکھ دیا خنجرِ کیں حلق پہ مظلوم کے آہ
حلق پر تیغ تھی اور خیمہ کی جانب تھی نگاہ
عمر جو یادِ الٰہی میں کٹی جاتی تھی
صاف تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی

۳۹
تیغ چلتی رہی جب تک یہ رہی لب پہ دعا
جب جدا ہو گیا تن سے سرِ شاہِ شہدا
بخش دے امتِ عاصی کو تو اے بارِ خدا
خون برسنے لگا تھرانے لگے ارض و سما
شور تھا عالمِ امکاں میں کہ آفت آئی
لعل بے جاں ہوا زہرا کا قیامت آئی

۴۰
خیمۂ سبطِ پیمبر میں بپا تھا کہرام
بس انیس آگے زباں کو نہیں یارائے کلام
بیبیاں پیٹتی تھیں لے کے شبیر کا نام
عرض کر سبطِ پیمبر سے کہ اے عرش مقام
رنج و غم آپ کے مداح پہ اب طاری ہے
اے مددگارِ جہاں! وقتِ مددگاری ہے

سلام

غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا ۱ ان آنکھوں نے دریا رواں کر دیا
گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی ۲ ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر ۳ مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن ۴ تجھے بات میں آسماں کر دیا
نہ کی آہ کچھ عمرِ رفتہ کی قدر ۵ عجب جنس کو رائگاں کر دیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش ۶ زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح ۷ قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل ۸ مگر ہاں جنازہ رواں کر دیا

قطعہ

زہے شفقتِ سبطِ خیر الوریٰ عجب رتبۂ میہماں کر دیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حر کا حال اُسے دم میں جانِ جہاں کر دیا

کہاں ایک ذرہ کہاں آفتاب
خدا نے کسے مہرباں کر دیا
گھٹا فکر میں جسم مثل قلم
سراپا کو صرفِ زباں کر دیا
پھڑکتا ہے کیوں اتنا اے مرغِ روح
مقدر نے ویراں مکاں کر دیا
نشیمن بھی دے گا وہ فردوس میں
ترا جس نے ویراں مکاں کر دیا

قطعہ

ہوئے دفن اکبرؑ تو چلائی ماں
اجل نے زمیں میں نہاں کر دیا
چھپانے لگے ہم سے منہ قبر میں
انھیں جب خدا نے جواں کر دیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر
ترائی میں شہ نے نشاں کر دیا
نوا سنجیوں نے تری اے انیسؔ
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

رباعی

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سرانجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیسؔ
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

رباعی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

رباعی

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا
گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

رباعی

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیسؔ
کیا گذرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

رباعی

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
اِک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

مرثیہ

جب رو چکے حضرت علیؑ اکبر سے پسر کو
صدمہ تھا عجب بادشہ جن و بشر کو
تھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسر شیر خدا ہے
بیٹا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے

۲
کھویا اسے اٹھارہ برس تک جسے پالا
دنیا سے گیا ہائے مرا گیسوؤں والا
رشکِ قمر آنکھوں کی ضیا گھر کا اُجالا
مارا اُسے اعدا نے مجھے مار نہ ڈالا
مرنے کے نہ تھے دن کہ سفر کر گئے اکبرؑ
میں پیر تو جیتا ہوں جواں مر گئے اکبرؑ

۳
افسوس برابر کا پسر باپ سے چھوٹا
باقی نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
پردیس میں بیکس پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
فریاد کہ امت نے مرے باغ کو لوٹا
زخم اُن کو ملے داغ جگر ہم کو ملے ہیں
وہ پھول انھیں اور یہ ثمر ہم کو ملے ہیں

۴
جو غنچہ دہن تھے چمن دہر میں نایاب
بستانِ رسولِ عربی کے گل شاداب
مہتاب کی جن کے تن نازک کو نہ تھی تاب
دو دن نہ انھیں فصل بہاری میں ملا آب
سب گل ستم تیغ خزاں سہ گئے افسوس
شبنم کی طرح رونے کو ہم رہ گئے افسوس

۵
طاقت تو گئی قلب سے آنکھوں سے گیا نور
اک دل کئی داغ ایک جگر اور کئی ناسور
تھے صاحب مقدور پر اب ہو گئے مجبور
حال اپنا دکھائیں کسے اکبرؑ ہیں بہت دور
بے حلق کٹائے ہوئے ہم جا نہیں سکتے
اور واں وہ سدھارے ہیں کہ یاں آ نہیں سکتے

۶
مشکل ہے عجب خیمے میں جائیں کہ نہ جائیں
فرزند کہاں ہے کہ اسے ڈھونڈھ کے لائیں
ڈر ہے کہ نہ سیدانیاں باہر نکل آئیں
ممکن نہیں اب کھوئے ہوئے لال کو پائیں
اکبرؑ کی ملاقات سے ہے یاس پدر کو
جیتا تھا تو یعقوبؑ نے پایا تھا پسر کو

۷
جو کر گیا دنیا سے سفر پھر نہیں آتا
جنّت میں جو پہونچا وہ ادھر پھر نہیں آتا
آنکھوں سے چھپا جو وہ نظر پھر نہیں آتا
تڑپا کریں ماں باپ پسر پھر نہیں آتا
مُردے کے گلے سے علیؑ اکبرؑ کے ملیں گے
اس آس پہ جیتے ہیں کہ اب مر کے ملیں گے

۸
بیٹا جو سفر میں ہو تو رہتا ہے یہی دھیان
اور وصل کی امید نہ ہو جب کسی عنواں
ہوتا ہے کوئی دن میں ملاقات کا ساماں
پھر مرگ ہی ماں باپ کے ہے درد کا درماں
گھر ہو گیا برباد حسینؑ ابن علیؑ کا
فرزند جواں ہو کے نہ مر جائے کسی کا

۹
یہ کہتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے سرورؑ
غش خاک پہ ہے ایک طرف زینبؑ مضطر
دیکھا کہ حرم پیٹتے ہیں کھولے ہوئے سر
چلاتی ہے بانوؑ علیؑ اکبرؑ علیؑ اکبر
ماتم ہے بپا چاک گریباں کئے ہیں
شہزادیوں کو لونڈیاں حلقے میں لیے ہیں

۱۰
رو کر کوئی زینبؑ کو اٹھاتی ہے زمیں سے
سمجھاتی ہے پٹی کوئی بانوئے حزیں سے
چلا کے سکینہؑ نے کہا یہ شہ دیں سے
بابا مرے بھیا نہ پھرے لشکر کیں سے
دونوں غم اکبرؑ میں نہ اک آن جئیں گی
اماں ہی جئیں گی نہ پھوپھی جان جئیں گی

۱۱
حضرت نے کہا کون پھرے وہ تو سدھارے
بی بی تمھیں نیزے ستم ایجادوں نے مارے
عباسؑ علی سوتے ہیں دریا کے کنارے
اب غیر اجل کوئی نہیں پاس ہمارے
دنیا سے سوئے خلد سفر ہے کوئی دم کو
اکبرؑ کو تو سب رو چکے اب روئیں گے ہم کو

۱۲
سب بیبیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر
تھراتی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
ایک ایک کا منھ تکنے لگی بانوئے دل گیر
سب سے کہا کیوں ہا جو دیکھو مری تقدیر
میں سمجھی تھی پرسا مجھے دیویں گے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہ جن و بشر کا

۱۳
اجڑی تھی مری کوکھ موا تھا مرا جایا
اس آنچ نے تھا دل بھی کلیجہ بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا
پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
دردر ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

۱۴
پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبر
باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوئے مضطر
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر
کیوں روتی ہو اللہ کا سایا تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

۱۵
جس خالق اکبر پہ کیا بیٹے کو قرباں
مشکل بھی تمھاری وہی کر دیوے گا آساں
پردے میں رہو یا کہ پھرو با سر عریاں
حافظ وہی عزت کا وہی گھر کا نگہباں
جو چپ ہو اثر کرتی ہے فریاد اسی کی
ایذائے اسیری میں رہے یاد اسی کی

۱۶
لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا
منصف ہو تمھیں زیور و زر کس نے دیا تھا
یہ نخل تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا
ہم شکل محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی کسی کی
بخشش تھی اسی کی یہ عنایت تھی اسی کی

۱۷
گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار
بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ بھی مجھے بخشا تھا مگر عاقبت کار
بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اس کی امانت ہے وہ سب دے کے چلے ہیں
کچھ لے کے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

۱۸
ہاں ایک امانت ابھی باقی ہے مقرر
اس سے بھی ادا مجھ کو کرے خالق اکبر
ہے قول کا صادق پسر فاتح خیبر
وہ دیں ہی ہے کیا دیں کہ تن پر سے کٹے سر
منزل پہ پہونچ جاؤں جو طے راہ رضا ہو
رستہ دم شمشیر یہ ہے دیکھیے کیا ہو

۱۹ بانو سے یہ فرما چکے جب حضرتِ شبیرؑ
حسرت سے نظر کی طرفِ زینبؑ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر
منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۲۰ تم فاطمہؑ زہراؑ کے طریقے سے ہو آگاہ
ہر شخص کو درپیش ہے اک روز یہی راہ
زینبؑ نے کہا صدقے بہن اے شہِ ذیجاہ
بے آپ کے مر جاوے گی بنتِ اسد اللہ
جو حکم ہو کچھ منھ سے نہ ہمشیر کہے گی
یہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

۲۱ مظلومیِ زینبؑ پہ دلِ شاہ بھر آیا
اشکوں کے عوض خونِ دل آنکھوں سے بہایا
چھاتی سے کئی بار سکینہؑ کو لگایا
خیمے سے چلا احمدِ مختار کا جایا
روتے ہوئے شبیرؑ جو باہر نکل آئے
پیچھے حرمِ پاک کھلے سر نکل آئے

۲۲ تنہائیِ شبیرؑ کا کیا حال کہوں آہ
بھیا نہ بھتیجا نہ کوئی دوست ہے واللہ
یا اسپِ وفادار تھا یا سیدؑ ذیجاہ
زینبؑ نے رکاب آ کے جو تھامی تو چڑھے شاہ
کبریٰ قدمِ سیدِ ابرار سے لپٹی
بانوؑ کے حزیں گردنِ رہوار سے لپٹی

۲۳ مرکب کو بھی راکب کو بھی دے دے کے دعائیں
لیں چھوٹے سے ہاتھوں سے سکینہؑ نے بلائیں
شہ کہتے تھے اعدا نہ کہیں تیر لگائیں
تم خیمے میں اب جاؤ تو ہم مرنے کو جائیں
وہ کہتی تھی بابا مجھے تم پیار تو کر لو
میداں سے کب آؤ گے اقرار تو کر لو

۲۴ جاتے ہو تو صدقے گئی جلدی سے پھر آنا
عمو کی طرح سے کہیں کوثر پہ نہ جانا
ہو جائے گا تیرہ مری آنکھوں میں زمانا
اچھے مرے بابا مجھے چھاتی پہ سلانا
جلد آؤ گے میداں سے تو رونیکی نہیں میں
دیکھو جو ہوئی دیر تو سونیکی نہیں میں

۲۵ بیٹی سے کہا شہ نے بصد گریہ و زاری
صدقے میں ترے اے مری عاشق مری پیاری
چھاتی پہ سلا دیں گی پھوپھی جان تمھاری
کڑھیو نہ بہت گر نہ پھرے جلد سواری
تم کو بھی بلا لیں گے جہاں ہوئینگے بیٹی
کچھ کام ہے ہم آج وہیں سوئیں گے بیٹی

۲۶ وہ بولی نہ مانی ہے نہ مانوں گی میں یہ بات
اب آپ کے دامن سے نہ اٹھے گا مرا ہات
رو رو کے یہ فرمانے لگے شاہِ خوش اوقات
تنہائی کی پہلی علی اصغرؑ کی ہے یہ رات
منھ لاشۂ معصوم سے موڑا نہیں جاتا
دے ساتھ جو اپنا اسے چھوڑا نہیں جاتا

۲۷ مادر سے جدا ہو کے دیا ساتھ پدر کا
تنہائی پھر اس کی بھی کیونکر ہو گوارا
کچھ اس میں نہ ہو جائے گا کم پیار تمھارا
پیاری ہو اگر تم تو ہے وہ بھی مجھے پیارا
یاں فرش ہے سونیکو وہاں گرم زمیں ہے
تم پاس تو سب ہیں کوئی اس پاس نہیں ہے

۲۸ اس ذکر پہ سر پیٹ کے بانوؑ یہ پکاری
آغوش میں دے کس کو یہ ماں درد کی ماری
ہے ہے مرے اصغرؑ ترے تنہائی کے واری
تم مر گئے ویران ہوئی گود ہماری
دل میں مرے ارمان بھرے رہ گئے بیٹا
کُرتے جو سیئے تھے وہ دھرے رہ گئے بیٹا

۲۹ روتے ہوئے شبیرؑ چلے جانبِ میداں
تھی تابشِ خورشید ہوا تھی شرر افشاں
چلّائے یہ ناموس کہ اللہ نگہباں
اُڑتے تھے رخِ پاک پہ گیسوئے پریشاں
قطروں کی پسینے کے یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

۳۰ مولا کی زہے شان زہے قدرتِ اللہ
پیدل تھے ملک اسپ فلک سیر کے ہمراہ
تنہا تھے گو ساتھ تھی فوجِ حشمِ شاہ
باندھے تھا صفیں لشکرِ جن تا صفِ جنگ گاہ
دونوں پہ چپ و راس شہِ دیں کی نظر تھی
مر جائیں گے تنہا یہ کسی کو نہ خبر تھی

۳۱ نصرت کا تھا یہ قول کہ خاکِ کفِ پا ہوں
تیغ دو زباں کہتی تھی میں قہرِ خدا ہوں
اقبال یہ کہتا کہ میں بالِ ہما ہوں
فرماتے تھے شبیرؑ کہ راضی بہ رضا ہوں
گو سب ہیں پہ میں ہاتھ نہ قبضہ پہ دھروں گا
پیاسا ہوں کئی روز کا پیاسا ہی مروں گا

۳۲ شبیرؑ کے ہمراہ رسولانِ سلف تھے
شاہِ شہدا بیچ میں شمشیر بہ کف تھے
جنات و ملائک کے پرے دونوں طرف تھے
دل تھامے ہوئے ساتھ شہنشاہِ نجف تھے
ہے ہے مرے شبیرؑ یہ چلّاتی تھی زہراؑ
سر پیٹتی ہاتھوں سے چلی جاتی تھی زہراؑ

۳۳ بکھرے ہوئے تھے بال کلیجہ تھا دوپارہ
حورانِ بہشتی کو نہ تھا صبر کا یارا
تھامے ہوئے تھیں آسیہؑ و مریمؑ و سارا
چلّاتی تھیں ہے ہے اسد اللہ کا پیارا
نے تاب فلک کو نہ تحمل تھا زمیں کو
فریاد سے مُردوں کی تزلزل تھا زمیں کو

۳۴ کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
اس طرح گہر بار ہوئے لعلِ گہر بار
ہم بھی ہیں تری راہ میں سر دینے کو تیار
بندہ ہوں میں جس کا وہی میرا ہے مددگار
کیا ابنِ علیؑ صاحبِ مقدور نہیں ہے
اُمّت کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

۳۵ پیارے ہیں مجھے گو کہ انھیں میں نہیں پیارا
عباسؑ سے بھائی کا کیا داغ گوارا
بولا نہ جب اکبرؑ سا جواں بیٹے کو مارا
شش ماہہ پسر تیرِ ستم کھا کے سدھارا
مارا انھیں جس جس نے وہ ہر چند یہی ہیں
بھائی ہیں مرے اور مرے فرزند یہی ہیں

۳۶ باقی ہے اب اک جانِ ستم دیدۂ شبیرؑ
یہ سینۂ بے کینہ ہے وقفِ تبر و تیر
اور حلق ہے مشتاقِ دمِ خنجر و شمشیر
جس طرح سے چاہیں مجھے بسمل کریں بے پیر
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم مروں گا
کاٹیں گے گلا بھی تو گلا میں نہ کروں گا

۳۷ کی سارے رسولوں کی مرے باپ نے امداد
راضی ہوں میں گردن پہ چلے خنجر فولاد
فریاد رس خلق کو کیا چاہیے فریاد
گھر ہو مرا برباد پہ امت نہ ہو برباد
لازم ہے کرے صبر علیؑ کا پسر ایسا
تم بھی کہو اب تک نہیں دیکھا بشر ایسا

۳۸ جنات نے پھر عرض یہ کی قدموں پہ گر کر
فرما گئے تھے ہم سے یہی حیدر صفدر
ہم خادم دیرینہ ہیں یا سبط پیمبر
کچھ ہو مدد آفت میں پھنسے جب مرا دلبر
سر دے کے شریک شہدا ہوئینگے مولا
ہم آپ کے قدموں پہ فدا ہوئیں گے مولا

۳۹ فرمایا کہ تھا فوج ملک کو بھی یہی دھیان
پر میں نے گوارا نہ کیا اُن کا بھی احسان
ہم ہوں پسر صاحب لولاک پہ قربان
بے جان مجھے ہونے دو اے قوم بنی جان
ہرگز تمھیں لڑنے کا اشارہ نہ کروں گا
مرجاؤں گا امداد گوارا نہ کروں گا

۴۰ فرما کے یہ جنات سے گھوڑے کو بڑھایا
خورشید کا جلوہ رخ روشن نے دکھایا
چالاکیِ توسن کو ہوا نے بھی نہ پایا
غل پڑ گیا آیا پسر فاطمہ آیا
ہشیار کہ اب تیغ شرربار کھنچے گی
جو عرش سے اتری ہے وہ تلوار کھنچے گی

۴۱ نورِ رُخِ روشن میں عجب جلوہ گری ہے
خورشید یہ ہے اور وہ چراغِ سحری ہے
یاں مہرِ جہاں تاب کا چہرہ نظری ہے
راکب جو فرشتہ ہے تو مرکب بھی پری ہے
بجلی ہے جو اسوار اسے چمکا کے پھر آئے
یہ تاف سے تاقاف ابھی جا کے پھر آئے

۴۲ ہے عام کو مرغوب بہت وصفِ سراپا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا
حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
جو شے ہے سراپائے شہِ دیں میں سو یکتا
خورشید خجل رُخ سے قمر اُس کفِ پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نورِ خدا سے

۴۳ سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سرِ مو
اُس زلف کے ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو
سو پیچ ہیں کیا ہو صفتِ کاکل و گیسو
نے مشک میں نے عنبر سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دمِ تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

۴۴ ہر مو ہے رگِ ابر کرم یا رگِ جاں ہے
یا سنبل پیچیدۂ گلزار جناں ہے
یا ہے یہ شبِ قدر کہ قدر اُس کی عیاں ہے
یا آہِ دلِ حضرتِ زہراؑ کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہِ شہدا کی
دو راتوں میں ایک صبح یہ قدرت ہو خدا کی

۴۵ پیشانیٔ نورانیِ فرزندِ پیمبر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر
ہے مطلع نور آیتِ نور اقدس داور
دوں ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے مقابل نہیں ہوتا

۴۶
ان ابروؤں کو کہیے جو شمشیرِ ہلالی
تشبیہ یہ نو کی جو کاہش سے نکالی
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو فلکِ حسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رہتے ہیں دو بالا نظر آئے

۴۷
نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور
مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عائد یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

۴۸
کس منھ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیرؑ
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لعل کی توقیر
جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر اُن کی جو شیریں سخنی کا
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

۴۹
دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے
الماس و گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
افلاک تو اس طرح سے اختر نہیں دکھلائے
ہے فوق انھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

۵۰
جو دانت کہ تھے عرشِ معلیٰ کے ستارے
افسوس یزید اُن پہ چھڑی بید کی مارے
زہراؑ نے صدا درِ یتیم جن پہ اتارے
دشمن کو نہ پیارے ہوں نبیؐ کو تو ہیں پیارے
سمجھا نہ کہ دانت ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں
سب مار کے ڈاڑھیں انھیں روتے ہیں جہاں میں

۵۱
تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
اعجاز سے خالی نہیں حسنِ شہِ ابرار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
دیکھو تو اِدھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو نے اُجالے میں لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

۵۲
ہے گردنِ شہ مملکتِ حسن میں سردار
اس گردنِ نازک پہ چلا خنجرِ خوں خوار
منھ جس پہ سدا ملتے رہے احمدِ مختار
مقطع اسے سمجھے وہ جو تھے مطلعِ انوار
کیا اس کے مقابل ہو بھلا طور کا شعلہ
وہ آگ کا شعلہ تھا یہ ہے نور کا شعلہ

۵۳
آئینۂ مہتاب سے روشن ہے وہ سینہ
حق کے گہرِ راز کا معدن ہے وہ سینہ
پُر داغوں سے اولاد کے گلشن ہے وہ سینہ
قرآں کی طرح علم کا مخزن ہے وہ سینہ
رکھ لیتے ہیں سب سر پہ یہ مصحف کا ادب ہے
واں پاؤں رکھے شمر قیامت ہے غضب ہے

۵۴
آئینے سے بھی صاف تنِ شاہِ زمن ہے
خوشبو میں ہم رازِ نافۂ آہوئے ختن ہے
ما بینِ شکم ناف نہیں عکسِ ذقن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
سر دینے کو میدانِ شہادت میں چلے ہیں
منھ فوجِ ملک نے انھیں قدموں پہ ملے ہیں

۵۵
ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
گرجا جو دہل گونج گیا گنبد دوار
دس سو جو علمہائے سیہ کھل گئے اک بار
دن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کی شب تار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی تھی
اڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی تھی

۵۶
حضرت نے نظر کی جو سوئے قوم ستمگر
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہ صفدر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
دنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

۵۷
جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلوں میں کماندار
اک سینے کی خاطر یہ گرد د تو ہے بیکار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجر خونخوار
پامال تو ایک جسم کی اور اس قدر اسوار
دست ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائینگے کہاں تک

۵۸
دم کرکے دعا سینے پہ اور طیش میں آکر
نعرہ کیا حضرتؑ نے یہ گھوڑے کو بڑھا کر
سب لڑنے جو آئے ہیں اکیلا مجھے پا کر
دیکھوں تو بچا کون مری ضرب اٹھا کر
تنہا ہوں مگر فوج کی کثرت پہ نہ پھولو
مجھسے نہ بر آؤ گے شجاعت پہ نہ پھولو

۵۹
مجبور نہ سمجھو مجھے اے فرقۂ ناری
ہر چیز پہ عالم میں مرا حکم ہے جاری
ہو جائے اشارے میں فنا فوج یہ ساری
چل جائے تمھیں پر ابھی تلوار تمھاری
کوسوں تلک اس بن میں کٹے سر نظر آئیں
خنجر جو کمر میں ہیں گلوں پر نظر آئیں

۶۰
کہدوں کہ سرک یاں سے تو دریا ابھی ہٹ جائے
دوں حکم ہوا کو تو ابھی آکے پلٹ جائے
یوں رعد ابھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے
یوں زلزلہ آئے کہ زمین رن کی الٹ جائے
برباد یہ سب خرمنِ ہستی نظر آئے
باراں کی طرح آگ برستی نظر آئے

۶۱
اف کردوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جل جائیں
پھل برچھیوں کے شمع کے مانند پگھل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں
پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے
پھنس جاؤ کمانوں میں کمندوں کی طرح سے

۶۲
گھوڑا مرا ان گھوڑوں سے کردے جو اشارے
زینوں سے گرا دیں ابھی رہوار تمھارے
نازاں ہو کہ راحت سے ہیں دریا کے کنارے
میں چاہوں تو مرجاؤ یہیں پیاس کے مارے
جلنے سے کلیجوں کو نہ راحت کوئی دم ہو
دریا کو بھی پی لو تو کبھی پیاس نہ کم ہو

۶۳
سینہ مرا اسرار امامت سے بھرا ہے
دل خالقِ اکبر کی محبت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے
ہر عضو بدن زور شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسولِ عربی کی
ہاتھ اس لیے روکا ہے کہ امت ہو نبی کی

۶۴
بابا ہے مرا شیر خدا سا شہ عادل
دو ہو گئے تلوار سے جس کی حق و باطل
ہوتا نہ اگر صبر تو تھی دشمنی مشکل
تم ظلم میں یکتا ہو تو ہیں صبر میں کامل
ہوتا نہ اگر صبر تو کچھ کام نہ ہوتا
مظلوم زمانے میں مرا نام نہ ہوتا

۶۵
آئے تھے ابھی میری مدد کو ملک و جن
یاں عرض نہ مقبول ہوئی ایک کی لیکن
لے کس کا وہ احسان جو ہو خلق کا محسن
دنیا میں بہت جی چکے مرنا بھی ہے اک دن
سمجھا کہ یہ سامان نہ مرے حق میں زبوں ہو
اک جان بچے اور کئی لاکھ کا خوں ہو

۶۶
آئی یہ ندا چرخ سے اے شیر ہمارے!
بگڑے ہوئے جو کام تھے سب تم نے سنوارے
معشوق کے عاشق ہی سمجھتے ہیں اشارے
پیارا جو ہمیں تو ہے تو ہم ہیں تجھے پیارے
ہمت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی
بندہ ہو تو ایسا ہو جو طاعت ہو تو ایسی

۶۷
ہم حکم تجھے دیتے ہیں ہاں تیغ علم کر
اور آیۂ نصرت کو دم تیغ پہ دم کر
لاکھوں سے لڑائی ہے ذرا رحم کو کم کر
یزیدوں کو قلم کر سر اعدا کو قلم کر
جب تک کہ جہاں خلق سے آباد رہے گا
یہ معرکہ بھی حشر تلک یاد رہے گا

۶۸
یہ سنتے ہی شہ نے سر تسلیم جھکایا
کی عرض کہ جو حکم ترا بار خدایا
تلوار جو کھینچی تو ہلا عرش کا پایا
قدسی یہ پکارے غضب آیا غضب آیا
کانپا ہے اسی نے پر جبریل امیں کو
اللہ بچاوے کرۂ گاؤ زمیں کو

۶۹
چمکی جو علم ہو کے وہ شمشیر شرر بار
اک برق سی آئینۂ گردوں کے ہوئی پار
دریا متلاطم ہوئے لرزاں ہوئے کہسار
مچھلی گئی پانی میں تو دریا میں گرے مار
دہشت سے ہرن شیر کے مسکن میں چھپا تھا
شہباز کبوتر کے نشیمن میں چھپا تھا

۷۰
شیروں کو نیستاں سے نکلتے ہی بن آئی
روباہوں نے چھپنے کو جگہ شیر کے پائی
جاں اپنی درندوں نے فقط تھی نہ بچائی
دیتے تھے پرندے بھی سلیماں کی دوہائی
پرواز کے مشتاق تھے پر بھول گئے تھے
ہوش اڑ گئے تھے خوف سے گھر بھول گئے تھے

۷۱
تھی فوج مخالف میں عجب طرح کی ہل چل
ایک ایک سے کہتا تھا کہ لشکر سے نکل چل
آفت ہے یہ پیاری ہے اگر جان تو ٹل چل
ناداں ٹھہرنے کا نہیں ہے یہ محل چل
بجلی ہے یہ بجلی میں جلا دینے کی خو ہے
ایک ضربت شمشیر سے پھر میں ہوں نہ تو ہے

۷۲
حملہ جو کیا شاہ نے لشکر ہوا ابتر
رخ پھر گئے جب تاب ٹھہرنے کی کہاں پھر
بالائے زمیں تیغ سے کٹ کٹ کے گرے سر
اک حشر زدوں میں صف اول ہوئی آخر
یوں چل گئی اجسام مخالف کے وسط پر
پھر جاتا ہے جس طرح قلم حرف غلط پر

۷۳
اس صف سے جو نکلے نظر آئی صفِ ثانی
آب و دمِ شمشیر کی دیکھی جو روانی
اس میں بھی در آیا اسد اللہ کا جانی
دہشت سے لعینوں کے جگر ہو گئے پانی
کٹ کٹ کے ابھی سر نہ گرے تھے بدنوں سے
روحوں نے کنارہ کیا پہلے ہی تنوں سے

۷۴
اِفراط سے کشتوں کی لگا موت کا دربار
بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیر شرر بار
غل تھا کہ عبث چھوڑ کے ہم آئے تھے گھر بار
افلاک سے اک بار وہ گرتی ہے یہ سو بار
قبضے میں اسی کے ہے جو کچھ کارِ اجل ہے
دستِ ملک الموت ہے یا تیغ کا پھل ہے

۷۵
وہ تیغ تھی کس گھاٹ کے پانی سے بجھائی
دیکھے نہ یہ جوہر نہ یہ تیزی نہ صفائی
اک موج تھی دریائے فنا کی جدھر آئی
کٹ جائے اگر منھ پہ چڑھے ساری خدائی
پہونچے نہ کبھی سیلِ فنا گھاٹ کو اس کے
جبریلؑ کے پر جانتے ہیں کاٹ کو اس کے

۷۶
باہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوے ظالم
بُرش تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم
اس تیغ نے واں بھی انھیں لینے نہ دیا دم
ہر شخص پہ بجلی کی طرح گرتی تھی پیہم
کیا جانے وہ پھل کون سے لوہے سے بنا تھا
جلنے میں ہوا آگ گئی جس کو وہ فنا تھا

۷۷
بے جاں تھا جو بڑھتے تھے قدم رن سے کسی کے
دو کر کے نکل جاتی تھی توسن سے کسی کے
لگتے ہی اڑا دیتی تھی سر تن سے کسی کے
رکتی تھی نہ بکتر سے نہ جوشن سے کسی کے
چار آئینہ والے بھی تہِ تیغ دو دم تھے
ہر ہاتھ میں دستانے بھی یک دستِ قلم تھے

۷۸
خوں میں صفِ دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح سب کو جلاتی ہوئی آئی
اعدا کو جھپک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
ہستی کے چراغوں کو بجھاتی ہوئی آئی
ہر سو دمِ اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی
مقراضِ اجل تھی کہ وہ تیغِ دو زباں تھی

۷۹
اک دم میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا
مانندِ قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
تلواریں بھی آری ہوئیں ڈھالوں کو بھی کاٹا
یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں میں رہا تھا

۸۰
رہوار تھا تلوار سے بھی چلنے میں کچھ تیز
تھی حور کے گیسو کی طرح یال دل آویز
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز
عالم پرِ پرواز کا تھا دامنِ زیں پر
دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر

۸۱
صرصر تھا کبھی گاہ نسیمِ سحری تھا
بن بن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا
طاؤسِ فلک سیر دمِ جلوہ گری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

۸۲ تھا کاوہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
آہو سے بڑی آنکھ گر شیر سی چتون
سم بدر سے اور نعلِ مہِ نو سے بھی روشن
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا اجل کا پئے دشمن
مستی سے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

۸۳ جب بیس ہزار اہلِ شقاوت ہوئے بیدم
حضرت کا غضب بھی غضبِ حق سے نہیں کم
غل پڑ گیا فریاد ہے یا سیدِ عالم!
احمدؐ کی قسم تو جو کبھی تم سے لڑیں ہم
اب رحم کرو تیغ شرر بار کو روکو
پامال ہوئے جاتے ہیں رہوار کو روکو

۸۴ برہم شہِ والا کی جو تھی خاطرِ اقدس
نزدیک تھا ہل کے گرے چرخِ مقرنس
شعلہ تھی وہ تیغِ دو زباں اہلِ ستم خس
آئی یہ صدا عالمِ بالا سے کہ بس بس
ہے وقتِ شہادت کا، شجاعت کا نہیں ہے
اب ہم بھی سمجھ لیں گے قیامت بھی قریں ہے

۸۵ ہاں دی تھی ہمیں نے تمھیں لڑنے کی اجازت
سب ہے ترے قبضے میں مرے ہاتھ کی طاقت
اب صبر دکھا اے پسرِ شاہِ ولایت
منظور نبی کو ہے کہ امت نہ ہو غارت
غم میں ترے رو رو کے جو فریاد کریں گے
ہم بھی ترے شیعوں کو بہت شاد کریں گے

۸۶ اللہ ری تسلیم و رضائے شہِ ابرار
گھوڑے سے اتر کر یہ پکارے بدلِ زار
آئی ادھر آواز ادھر رک گئی تلوار
خولی ہے کہاں اور کہاں شمرِ ستمگار
اس حلق پہ منہ احمدؐ مرسل نے ملا ہے
عجلت نہ کریں ذبح میں حاضر یہ گلا ہے

۸۷ ہے شوق کہ جاں اب رہِ معبود میں واریں
تو تیغ نہیں ہاتھ میں نیزہ سبھی ماریں
رگ رگ پہ مری پھیر دیں تلوار کی دھاریں
چھاتی پہ چڑھیں سر کو بدن پر سے اتاریں
میرا بھی اور امت کا بھی مطلب نکل آئے
جلدی کریں ایسا نہ ہو زینبؑ نکل آئے

۸۸ یہ سنتے ہی بھاگے ہوئے پھر آئے جفا جو
تیغوں سے کٹے ابن ید اللہ کے بازو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیرِ سہ پہلو
سب خوں سے محمدؐ کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

۸۹ جب ایک ہزار اور کئی سو زخم اٹھائے
چلائی یہ زینبؑ جو ہمیں لڑنے کو آئے
غش میں کئی ساعت رہے گردن کو جھکائے
ہے ہے مرے بھائی کو اب کون بچائے
روتی تھی سکینہؑ پہ نہ جا سکتے تھے حضرت
ہر زخم میں خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت

۹۰ تیروں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ
فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہؑ
صغراؑ سے بھی ملنے کا نہیں کوئی قرینہ
واں تو وہ مسافر ہے یہاں اپنا سفر ہے
شبیرؑ کے احوال کی کیا اس کو خبر ہے

۹۱
تھے غش میں شہ دیں کہ لگی فرق پہ تلوار
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر کو ستمگار
تیورا کے سوئے قبلہ جھکے خاک پہ اک بار
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکارے شہ ابرار
حل کر اسے یارب کہ یہ مشکل کی گھڑی ہے
فریاد کو مادر مری سر ننگے کھڑی ہے

۹۲
یا حیدر کرار مدد کا ہے یہ ہنگام
قاتل جو گلا کاٹے تو تھرائے نہ اندام
آپ آتے ہیں مشکل میں غریبوں کی بہت کام
سر صبر سے کٹوا کے کرو خاک پہ آرام
خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا
کیجیے یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

۹۳
قاتل جو مرے حلق پہ خنجر کو پھرائے
یہ جان حزیں رنج اٹھائے تو اٹھائے
جز شکر خدا لب پہ کوئی حرف نہ آئے
دولت نہ شہادت کی مگر ہاتھ سے جائے
اس رنج اٹھانے کا صلہ پا کے مروں میں
خالق سے گنہگاروں کو بخشائے مروں میں

۹۴
مقبول ہوئی شہ کی دعا چل گیا خنجر
کونین میں اس دن سے بپا ہو گیا محشر
اک پھول کے مانند بدن پر سے کٹا سر
تازہ ہے انیس آج تلک ماتم سرور
روتی کسے یوں خلق بتائے کوئی ہم کو
ہر سال اگر ہے تو ترقی اسی غم کو

سلام

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو
لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا یہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو
یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
یہ غل تھا مہر نبوت پہ جب چڑھے حسنینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو
بجا ہے اس لیے اکبرؑ سے تھا حسینؑ کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو
حسینؑ جاتے ہیں بہر نبرد میداں میں
چڑھائے مثلِ ید اللہ آستینوں کو
بھلا تردد بے جا سے اُن میں کیا حاصل؟
اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو
علم لیے ہوئے عباسؑ نکلے خیمے سے
چڑھا لیا علیؑ اکبر نے آستینوں کو

مزا یہ طرفہ ہے مضمون دستیاب نہیں
مقابلہ پہ چڑھائے ہیں آستینوں کو
غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مضموں سست
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو
فلک پہ جب ہوئی آواز الکبو دم صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پہ زینوں کو
لگا وغا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہِ والا نے آستینوں کو
دہانِ کیسۂ زر بند کر پرائے منعم
خدا کے واسطے بند کر جبیں کے چینوں کو
خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

رباعی

عریاں سر خاتونِ زمن ہے اب تک
ناموس پہ ایذائے دشمن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اڑاؤ یارو
شبیرؑ کی لاش بے کفن ہے اب تک

رباعی

عابدؑ کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاشِ غریب الوطن آوارہ ہے
گر جمع کریں انہیں تو قرآن ہو جائے
ہر عضوِ تنِ حسینؑ سی پارہ ہے

اعی

چلاتے تھے مسلمؑ کے پسر قتل نہ کر
مظلوم ہیںؑ اور سب بے پدرؑ قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث
للہ ہمیں بیچ لے پر قتل نہ کر

رباعی

خیمہ لبِ نہر شہ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اترنے نہ دیا

رباعی

کہتی تھی بتولؑ اے مرے پیارے شبیرؑ
کس بیکسی سے جاتے ہو مارے شبیرؑ
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمہارے شبیرؑ

رباعی

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ تو سوچ کے پاؤں انیسؔ
اک روز صراط سے گذرنا ہے تجھے

مرثیہ

جب خیمے میں رخصت کو شہ بحر و بر آئے
حضرت کو جو ناموس پیمبر نظر آئے
چلائی سکینہ مرے بیکس پدر آئے
رو کر کہا ہم قبر میں اصغر کو دھر آئے
لو بیبیو شبیر جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہ کا لال چراغِ سحری ہے

۲
تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں
جاتے ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنا کٹائیں
قاسم ہیں کہ عمو کے عوض خوں میں نہائیں
اکبر ہیں جو بابا کی عوض برچھیاں کھائیں
یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے
اصغر بھی ہوئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

۳
تقدیر میں جو داغ اٹھانے تھے اٹھائے
اکبر سا پسر مر گیا ہم مرنے نہ پائے
ان آنکھوں سے فرزندوں کے لاشے نظر آئے
خالق مجھے اس قافلے سے جلد ملائے
کس سے کہوں جو ہجر عزیزاں کا قلق ہے
دل ٹکڑے ہے سینے میں کلیجہ مرا شق ہے

۴
تم سب کو کیا خالق اکبر کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابد مضطر کے حوالے
زہرا کے حوالے کیا حیدر کے حوالے
ہے میری سکینہ مری خواہر کے حوالے
ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

۵
اصغر کو لیے گود میں پھرتی تھی وہ دن بھر
اب اور یتیمی کی بلا آئی ہے سر پر
بہلائے گی دل کس سے کہ مارے گئے اصغر
غم ہے کہ یہ کس طرح جیے گی مری دختر
کون اس کے بھلا ناز اٹھائے گا مرے بعد
چھاتی پہ اسے کون سلائے گا مرے بعد

۶
افسوس مری پیاری پہ اب ہوئیں گی بیداد
چلائے گی لے لے کے مرا نام وہ ناشاد
دُرّے کے لیے ماریں گے طمانچے ستم ایجاد
مر کر بھی غم و رنج سے ہم ہوں گے نہ آزاد
ہیہات گلا باندھے گا جب شمر رسن میں
لاشہ مرا صدمے سے تڑپ جائے گا رن میں

۷
کہہ کر یہ سخن رونے لگے سید اکرم
سر پیٹ کے زینب نے کہا اے شہ عالم
ناموس محمد میں بپا ہوئے گا ماتم
کس سے یہ سخن یاس یہ فرماتے ہو اس دم
کچھ میری بھی ہے فکر جو سر دیتے ہو بھائی
بے بے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو بھائی

۸
جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو لیے جاؤ
جب غش میں سر پاک کو ہرنے پہ جھکاؤ
میں تیر ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
میں تھام لوں تا خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ
تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دوں گی
مر جاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دوں گی

۹
بابا نہیں اماں نہیں بیٹے بھی نہیں پاس
اس خواہر غمگیں کو فقط آپ کی ہے آس
پردیس میں ہے کون بجز بیکسی و یاس
بعد آپ کے کہنے کو نہیں کوئی مرا پاس
ہر شہر میں سر ننگے میں دل خستہ پھروں گی
صدقے گئی در در میں رسن بستہ پھروں گی

۱۰ رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر شہِ ابرار
فرمایا کہ دے صبر تجھے ایزدِ غفار
چھاتی سے لگایا اسے با دیدۂ خونبار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار
کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کرے زینبؑ
ہے مرضیِ خالق تو یہی کیا کرے زینبؑ

۱۱ جانے دو بہن خالقِ اکبر کی قسم ہے
زہراؑ کی تمھیں روحِ مطہر کی قسم ہے
روکو نہ ہمیں تم کو پیمبرؐ کی قسم ہے
بس صبر کرو تم کو مرے سر کی قسم ہے
تنہائی سے دم سینے میں گھبراتا ہے بہنا
اب ٹھہروں تو وعدے میں خلل آتا ہے بہنا

۱۲ یہ سن کے گری زینبِؑ دلگیر زمیں پر
پھر شہ نے کہا دیکھ کے بانوؑ کو کھلے سر
چلائی کہ دنیا سے چلے ہائے برادر
صاحب کہو کیا حال ہے کیوں پھینک دی چادر
لب پر کبھی نالہ ہے کبھی سینہ زنی ہے
ہم تو ابھی جیتے ہیں یہ کیا شکل بنی ہے

۱۳ رو کر کہا بانوؑ نے کہ یا سبطِ پیمبرؐ
کس طرح میں چھاتی کو نہ پیٹوں مرے سرور
کچھ ہوش نہیں جب سے موئے ہیں علی اکبرؑ
اکبرؑ ہی کو روتی تھی کہ مارے گئے اصغرؑ
جینے کی نہیں دل پہ بڑا رنج و تعب ہے
آقا نے بھی لونڈی کو جو چھوڑا تو غضب ہے

۱۴ شہ نے کہا بانوؑ یہی قسمت میں لکھا ہے
آیا ہے جو دنیا میں وہ اک روز فنا ہے
تقدیر سے کچھ زور نہیں صبر کی جا ہے
گھبراؤ نہ ہر دکھ میں مددگار خدا ہے
دو بیٹے فدا کر چکی ہو راہِ خدا میں
شوہر کو بھی قربان کرو راہِ خدا میں

۱۵ پیغام رنڈاپے کا سنا شاہ سے جس دم
عابدؑ کے سرہانے گئے روتے شہِ عالم
یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوئے پرغم
بازو کو ہلا کر کہا با دیدۂ پرنم
کیا غش میں ہو رخصت کو پدر آیا ہے بیٹا
اٹھو کہ وصیت کو پدر آیا ہے بیٹا

۱۶ بابا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
شہ بیٹھ گئے اور اسے آہستہ اٹھایا
اُٹھا نہ گیا" سر قدمِ شہ پہ جھکایا
منہ دیکھ کے عابدؑ نے یہ حضرت کو سنایا
روشن ہوئیں آنکھیں شہِ والا نظر آئے
بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے

۱۷ شہ نے کہا دے تجھ کو شفا ایزدِ غفار
خیمے کے جلانے کو اب آئیں گے جفاکار
جاتا ہے پدر مرنیکو اے عابدؑ بیمار
رہنا حرمِ پاک سے بلوے میں خبردار
اس گھر کے بس اب مالک و مختار تمھیں ہو
بے وارثی رانڈوں کے مددگار تمھیں ہو

۱۸ سمجھاتا ہوں جو کچھ وہی کرنا مرے دلدار
نہوڑائیو سر دیکھتے ہی طوقِ گراں بار
رسی بندھے گردن میں تو مت کیجیو تکرار
رکھ دیجو قدم بیڑیاں لائیں جو ستمگار
فرزند ہو تم ابنِ شہِ عقدہ کشا کے
پابند رہو سلسلۂ صبر و رضا کے

۱۹ اور اک یہ وصیت رہے یاد اسے مرے جانی!
ہوجو نہ فراموش مری تشنہ دہانی
چوبیس پہر گذرے ہیں پایا نہیں پانی
دیں پانی اگر بعد مرے ظلم کے بانی
تم فاتحہ بابا کا دلا دیجیو بیٹا!
اور پیاسی سکینہؑ کو پلا دیجیو بیٹا

۲۰ اور سونے وطن جائیو جب قید سے چھٹ کر
صغراؑ سے یہ کہیو مری جانب سے مکرر
بی بی تجھے بھولا نہیں بے بیکس و مضطر
تھی یاد تری دل میں گلا کٹتا تھا تہ خنجر
تقدیر نے زندہ ہمیں پھیرا نہ سفر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

۲۱ سجادؑ نے حضرت سے کہا تھام کے رقت
کیا بندے کو مرنے کی نہ دیجیے گا اجازت
اس قید مصیبت سے تو بہتر ہے شہادت
بن آپ کے ہے زیست مرے حق میں قیامت
یہ شدت تپ اور یہ تنہائی ہماری
گر آپ نے چھوڑا تو اجل آئی ہماری

۲۲ شہ نے کہا صدقے ترے مظلومی کے شبیرؑ
اے عابد بیکس ہے یہی خواہش تقدیر
کس طرح سے تو حلق دھرے گا تہ شمشیر
پیارے ترے حصے میں تو ہے طوق گلوگیر
تا زیست تجھے باپ کے ماتم میں ہے رونا
چالیسؔ برس تجھ کو مرے غم میں ہے رونا

۲۳ ہر چند کہ ہے تم پہ فراق پدری جبر
جب تم نہ ہوئے کون بناوے گا مری قبر
آجائے گا غش روؤ نہ بیٹا صفت ابر
اب گھر میں نہ ہم آئیں گے بابا کو کرو صبر
ناموس رسولؐ دوسرا کو تمہیں سونپا
سونپا تمہیں گھر اور خدا کو تمہیں سونپا

۲۴ غش ہوگئے سجادِ حزیں سن کے یہ تقریر
روتے ہوئے میداں کو چلے حضرت شبیرؑ
صدمے سے ہوا زرد رخ زینبؑ دلگیر
چلا کے کہا بانوؑ نے ہے ہے مری تقدیر
اٹھتا ہے مرے شاہ کا سایا مرے سر سے
لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہراؑ کے پسر سے

۲۵ سمجھاتے تھے ایک ایک کو شہ بادل ناشاد
اے بیبیو بے فائدہ ہے نالہ و فریاد
بھولو ہمیں اب خالق اکبر کو کرو یاد
شاکر رہو ہر دکھ میں کہ حق کا ہے یہ ارشاد
یہ سن کے پھر اک تکتی تھی شبیرؑ کی صورت
شہ دیکھتے تھے رو رو کے ہمشیر کی صورت

۲۶ خیمے سے برآمد ہوئے آخر شہ صفدر
سب بیبیاں ڈیوڑھی پہ رہیں کھولے ہوئے سر
کیا کیجیے بیاں بیکسی سبط پیمبرؐ
بیٹا نہ بھتیجا نہ علمدار نہ لشکر
تھامے جو رکاب آپ کی اتنا نہ کوئی تھا
رہوار تھا یا راکب دوش نبوی تھا

۲۷ کس یاس سے ہر چار طرف تکتے تھے مضطر
دکھلائی نہ دیتا تھا کوئی مونس و یاور
رو کر کبھی چلاتے تھے آؤ علی اکبرؑ
دل تھام کے کہتے تھے کبھی ہائے برادر
لو جلد خبر بیکس و بے یار ہوں عباسؑ
تم تھامو رکاب آکے تو اسوار ہوں عباسؑ

۲۸ رو رو کے یہ کہتے تھے شہنشاہِ دو عالم
ہرگز دلِ زینبؑ کو قرار آیا نہ اُس دم
مظلومئ شبیرؑ پہ تھا خیمے میں ماتم
چلّاتی ہوئی ڈیوڑھی سے نکلی وہ بصد غم
اے بھائی دکھاؤں کسے تنہائی تمہاری
تھامے گی رکاب آج یہ ماں جائی تمہاری

۲۹ شہ نے کہا زینبؑ تری الفت کے میں قرباں
پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرورِ ذیشاں
بھائی کے لیے پردے کا تم کو نہ رہا دھیان
رو رو کے کہا لو بہن اللہ نگہباں
زینبؑ نے رکھا ہاتھ رکابِ شہِ دیں پر
شبیرؑ ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر

۳۰ میداں کو چلی سیّدِ بیکس کی سواری
جنگاہ میں پہونچا اسدِ ایزدِ باری
زینبؑ گئی خیمے میں بصد گریہ و زاری
اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
کیا رعب تھا کیا دبدبہ تھا ابنِ علیؑ کا
قبضے کی طرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا

۳۱ بچپن کا تھا مرکب تہِ ران برق کی تمثال
کہتے تھے ستمگار زہے حشمت و اجلال
ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہؑ کا لال
دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال
لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میدان میں کھڑے جھوم رہے ہیں

۳۲ دن ہو گیا جلوے سے رخِ تاب کے مہتاب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گلِ شاداب
ابرو ہیں حریمِ حرمِ پاک کے محراب
لب غیرتِ یاقوت ہیں دنداں دُرِ خوش آب
آئینہ ہے گردن تو صراحی سا گلا ہے
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے

۳۳ اتنے میں ہوئے بڑھ کے رجز خوان شہِ صفدر
نانا ہے پیمبرؐ مری ماں بنتِ پیمبرؐ
پہچانو مرے رتبے کو اے قومِ ستمگر
بھائی حسنؑ سبز قبا عاشقِ داور
میں سروِ روانِ چمنِ شیرِ خدا ہوں
واللہ ڈرو مجھ سے میں شمشیرِ خدا ہوں

۳۴ تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خطِ شوق بلایا
تم وہ ہو کہ بے جرم و خطا مجھ کو ستایا
میں ہوں کہ جو گھر چھوڑ کے اس گرمی میں آیا
میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ لایا
تم وہ ہو کہ تصویرِ پیمبرؐ کی مٹا دی
میں وہ ہوں کہ جس نے تمھیں بخشش کی دعا دی

۳۵ بے جاں کیے تم نے مرے یاور مرے پیارے
تم صبح و مسا رہتے ہو دریا کے کنارے
میں رہ گیا سب جانبِ فردوس سدھارے
بچے موئے جاتے ہیں مرے پیاس کے مارے
مہماں کو بھی ایذا کہیں دنیا میں ہوئی ہے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے

۳۶ کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سن کے ستمگار
کی سبطِ پیمبرؐ نے علم تیغِ شرربار
اک بار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
بجلی کی طرح جا ری پڑا فوج میں رہوار
دم بند ہوئے تیغ سے بیداد گروں کے
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے

۳۷ کس سے ہو بیاں تیزیٔ تیغ شہ عالم
کہیئے اسے برق غضب خالق اکرم
ہنگام رقم حرف کٹے جاتے ہیں باہم
خونریز جفاکار و سر انداز شرر دم
جس غول پہ بجلی سی وہ جا پڑتی تھی تھم کے
سر گرتے تھے مانند ثمرگٹ اہل ستم کے

۳۸ میداں میں زبس خوں کے دریا کا ہوا جوش
نامی جو بہادر تھے نہ تھا اُن میں ذرا ہوش
مچھلی کی طرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
تھا شور کہ بس شمع حیات اب ہوئی خاموش
کیا جاتے بھلا سبط پیمبر کے برابر
اک برق نکل جاتی ہے دو کر کے برابر

۳۹ کیا تیغ تھی کیا ضرب تھی الحفیظ اللہ
دم لینے نہ دیتے تھے کسی کو شہ ذیجاہ
یاں کوہ جو ہوتے تو کٹے مثل پر کاہ
دوزخ کی طرف رن سے چلے جاتے تھے گمراہ
سو جاں سے فدا ضرب دست شہ دیں پر
کتنے ہی تڑپتے نظر آتے تھے زمیں پر

۴۰ کرتا ہے علم سیف زباں راویٔ پُر غم
تھے گھاٹ جو روکے ہوئے واں سیکڑوں اظلم
لڑتے ہوئے دریا پہ جو پہونچے شہ عالم
اک حملے میں ان سب کو کیا درہم و برہم
آئی جو ہوا اسپ شہ تشنہ دہاں کو
لٹکا دیا پانی پہ نظر کر کے زباں کو

۴۱ حضرت نے جو دیکھا کہ بہت تشنہ ہے رہوار
فرمایا کہ سیراب ہو اے اسپ وفادار
ٹھکرا کے اسے ڈال دیا نہر میں اک بار
اچھا ہے ابھی گھیر نہیں پھر کہیں کفار
اور میں تو کبھی پانی سے لب تر نہ کروں گا
پیاسے ہوئے عباسؑ میں پیاسا ہی مروں گا

۴۲ بے جاں ہوئے بن پانی تڑپ کر علی اکبرؑ
دم توڑتی ہے خیمے میں پیاسی مری دختر
ہاتھوں پہ مرے تشنہ دہن مر گئے اصغرؑ
اے گھوڑے تو منصف ہو میں پانی پیوں کیونکر
اب دل کو مرے ساغر کوثر کی ہوس ہے
اور حلق کو آب دم خنجر کی ہوس ہے

۴۳ راکب کی جو تقریر یہ سنی گھوڑے نے ساری
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے عاشق باری
اک ندی ہوئی آنسوؤں کی چشموں سے جاری
سیراب ہوں میں اور نہ بجھے پیاس تمھاری
حضرت کی طرح پانی سے بیزار ہوں آقا
میں بھی نہ پیوں گا کہ وفادار ہوں آقا

۴۴ رونے لگے یہ سن کے شہ بیکس و بے پر
چاہا جو ہیں شہ نے کہ لب خشک کریں تر
پھر سوچ کے کچھ پانی بھرا چلو کے اندر
چلا کے یہ تب کہنے لگا ایک ستمگر
پانی ہے ابھی حلق نہ تر کیجئے حضرت
گھر لٹتا ہے ہاں جلد خبر لیجئے حضرت

۴۵ تاراج ہوا اہل حرم کا زر و زیور
یہ سنتے ہی شاہ دو جہاں ہو گئے مضطر
سیدانیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
اس پانی کو بس پھینک دیا نہر کے اندر
لے تیغ دو دم ہاتھ میں گھوڑے پہ سنبھل کر
خیمے کو گئے دیکھنے دریا سے نکل کر

۴۶
گھر سیّد مظلوم کو سالم نظر آیا
عباسؑ کے لاشے کو جو دیکھا تو سنایا
مطلق اثر اس شامی کی باتوں کا نہ پایا
اے بھائی خبر لو! ہمیں اعدا نے ستایا
گھر ہو گیا ویراں علی اکبرؑ گئے مارے
اٹھ کر ہمیں پرسا دو کہ اصغرؑ گئے مارے

۴۷
رو رو کے ابھی کہتے تھے یہ سبطِ پیمبرؐ
تیر ایسے پڑے چھن گیا سارا تنِ انور
جو گھیر لیا فوجِ ستمگار نے آ کر
سینے پہ پڑیں برچھیاں اور پہلو پہ خنجر
ٹکڑے ہوا تیغوں سے عمامہ شہِ دیں کا
آلودۂ خوں ہو گیا جامہ شہِ دیں کا

۴۸
زخمی جو بہ شدّت ہوا زہراؑ کا وہ جانی
تلواریں لگاتے تھے کھڑے ظلم کے بانی
طاقت تو گھٹی اور بڑھی تشنہ دہانی
ہونٹوں پہ زباں پھیر کے شہ کہتے تھے پانی
کرتا تھا کوئی رحم نہ اس تشنہ دہن پر
پانی کے عوض تیر برستے تھے بدن پر

۴۹
فرماتے تھے افسوس نہ رتبہ مرا جانا
سمجھے ہو گنہ پیاسے کو پانی کا پلانا
اے ظالمو! اچھا نہیں زہراؑ کا ستانا
ملبوس نبیؐ کرتے ہو تیروں کا نشانا
تلواریں یہ سب چلتی ہیں حیدرؑ کے جگر پر
پڑتے ہیں یہ سب تیر پیمبرؐ کے جگر پر

۵۰
سنتے تھے نہ مظلوم کی فریاد ستمگر
بہ بہ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر
اک پیاسے پہ ٹوٹا ہوا تھا شام کا لشکر
رہوار بھی مجروح تھا تیغوں سے برابر
لگتے تھے جو پیکانِ ستم چہرے پہ آ کر
ہر مرتبہ خوں جھاڑتا تھا سر کو پھرا کر

۵۱
اتنے میں چھدا تیر سے حلقِ شہِ ابرار
حلقوم سے کھینچا جو ہیں وہ ناوکِ خونخوار
پیکانِ ستم گردنِ انور سے ہوا پار
فوارے کے مانند چھٹی خون کی اک دھار
صدمہ تھا عجب دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
گرتا تھا گریباں سے لہو دامنِ زیں پر

۵۲
پیشانی پہ اک تیر لگا اور بھی کاری
مل مل کے لہو چہرے پہ وہ عاشقِ باری
آلودۂ خوں ریشِ مبارک ہوئی ساری
کہتا تھا کچھ امت نے نہ کی قدر ہماری
فردوس میں جا کر یونہیں بابا سے ملونگا
جنت میں اسی طرح میں نانا سے ملونگا

۵۳
ناگاہ بن وہب نے اک برچھی لگائی
وہ دلبرِ زہراؑ کے کلیجے میں در آئی
تھی زہر میں ظالم نے سناں اس کی بجھائی
گردن شہِ مظلوم نے بھرنے پہ جھکائی
سنبھلا نہ گیا دوشِ محمدؐ کے مکیں سے
یا شیرِ خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے

۵۴
سب زخم بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر
بسمل کی طرح خوں میں تڑپنے لگے سرور
تلواریں لگانے لگے گرد آ کے ستمگر
تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت
مظلومی سے اک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت

۵۵ چلاتی تھی ڈیوڑھی پہ کھڑی خواہر شبیرؑ
اس بیکسی و مظلومی کے صدقے ہو یہ ہمشیر
دم توڑتے ہو پانی پلاتے نہیں بے پیر
اب در سے میں نکل آتی ہوں میں بیکس و دلگیر
تلواریں پڑیں گی تو نہ گھبراؤں گی بھائی
میں آپ کو خیمے میں اٹھا لاؤں گی بھائی

۵۶ ریتی پہ تڑپتے ہو تمہیں کون اٹھائے
ہے ہے کسے بھیجوں جو لعینوں سے بچائے
ہے ہے کہوں کس سے کہ تمہیں پانی پلائے
ہے ہے کسے ماں جائی ترا حال دکھائے
یا حیدرِ صفدر تمہیں امداد کو پہونچو
بھائی کا گلا کٹتا ہے فریاد کو پہونچو

۵۷ فریاد سنی زینبِ ناشاد کی جس دم
خیمے کی طرف تکنے لگے سیّد اکرم
دیکھا کہ یہ ہے خواہر غمدیدہ کا عالم
سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم
تھامے ہیں کئی بیبیاں اس خستہ جگر کو
اس صدمے سے غش آگیا زہرا کے پسر کو

۵۸ لشکر سے بڑھا شمر لعین کھینچ کے خنجر
فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کی ستمگر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر
اس وقت لہو منہ سے اگلنے لگے سرورؑ
خنجر کو رکھا شہ کے گلے پر جو لعیں نے
تکبیر کہی کھول کے آنکھیں شہ دیں نے

۵۹ ظالم کو زباں سوکھی دکھائی کئی باری
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
جب تک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری
تکبیر رہی شہ کے لب خشک پہ جاری
جس وقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم الٹ کر

۶۰ غل پڑ گیا بے سر ہوا سردارِ دو عالم
خنجر سے دل و جان بھی ہو گیا بے دم
خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں ماتم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
غیر از غمِ شبیرؑ کوئی غم نہ ڈراوے
یارب مجھے تو قیدِ تفکر سے چھڑاوے

سلام

۱ گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

۲ مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

۳ خیال آگیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہاں سے جو اصغرؑ تو مسکرا کے چلے

۴ طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

۵ کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

۶ خرامِ اسپِ شہِ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ
کہاں ہے کبکِ دری چال تو بنا کے چلے

ملا جنھیں ! انھیں افتادگی سے اوج ملا	۷	انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے
حسینؑ کہتے تھے واحسرتا علیؑ اکبر	۸	بہارِ باغِ جوانی ہمیں دکھا کے چلے
ملک پکارے کہ الٹا زمین کا طبقہ	۹	حسینؑ فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے
ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہلبیتِ امام	۱۰	مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے
چلے وطن کو جو عابدؑ تو کہتے تھے رو کر	۱۱	علیؑ کے چاند کو ہم خاک میں ملا کے چلے
رہی غرور سے نفرت سیہ کاروں کو	۱۲	قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے	۱۳	کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منھ چھپا کے چلے
انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ	۱۴	چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے
	رباعی	
راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی اِس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے		لذت" دنیا کی زہر قاتل ہوتی دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی
	رباعی	
کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے اس دم جو شریکِ درد ہووے میرا		پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے
	رباعی	
دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں لبریز ہیں یہ دولت استغنا سے		یہ نشہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں
	رباعی	
مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے		دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے گویاکہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے
	رباعی	
کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیسؔ		کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

مرثیہ ۱

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مارو پیاسے کو یہ شور ہے ستمگاروں میں

۲
زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب
ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُرآب
تیغ سے دیتے ہیں سردار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف میں جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیرِ ستم تن سے گذر جاتے ہیں

۳
گیسو آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوست ہے خوں بہتا ہے سوفاروں سے
لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

۴
خوں سے تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پُرنور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیرِ بیداد سے دل زخمی، جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

۵
برچھی اگر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دوجہاں گرتے ہیں

۶
گرتے ہیں قطرۂ خوں زخمِ جبیں سے پیہم
دست مجروح سے کھینچ سکتے نہیں تیرِ ستم
فکر ہے بخششِ امت کی کچھ اپنا نہیں غم
کرتے ہیں شکرِ خدا خشک زباں سے ہر دم
بے عبا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے
ہونٹھ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پرخوں ہے

۷
زین سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمدؐ کا مکیں
چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں سرورِ دیں
ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکلجاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

۸
لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجرِ فولاد ہیں اور اک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

۹
کوئی سید کا نہیں آہ بچانے والا
حربے لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا
سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

۱۰
کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت سے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
شکلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
نیّرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

۱۱
کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر
بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہلِ کیں کہتے ہیں یہ تیغِ ستم چمکا کر
آبِ شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
یہ سخن سن کے بھی غصہ نہیں فرماتے ہیں
یاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

۱۲
عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِّ غفور
تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چور
ہاتھ امت پہ اٹھانا نہیں مجھ کو منظور
جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

۱۳
تو نے بچپن سے مرے ناز اٹھائے یارب
وہ عنایت کیا جو تجھ سے کیا میں نے طلب
تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب
روزہ رکھا تو چھپا مہ نمایاں ہوئی شب
بھوک میں خلد کا کھانا مجھے امداد کیا
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد کیا

۱۴
اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے ربِ قدیر
ہو رواں حلق پہ اس پیاسے کے آبِ شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیرؑ
حکم حاکم میں یہ طاقت ہے کروں میں تاخیر
جلد گردن پہ رواں خنجرِ براں ہووے
اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہووے

۱۵
غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و بے یار ہوں میں
زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
تو مددگار ہے مختار ہے لاچار ہوں میں
وقتِ مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جاوے
عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہو جاوے

۱۶
سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں
لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دل میں ہو یاد تری بند ہو جس وقت زباں
دم بھروں تیرا ہی تن سے جو نکلنے لگے جاں
بعد چہلم جو مجھے قبر میسر ہووے
زخمی تن پردہ فشار اے مرے داور ہووے

۱۷
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا
بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا
ہو گی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

۱۸
تقویت دل کو کرم سے ہے ترے یا رحمان
نہیں مایوس کہ رحمت ہے تری بے پایان
مشکلیں بندوں کی کر دیتا ہے دم میں آسان
شکر الطاف و عنایات میں قاصر ہے زبان
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے

۱۹ میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا
تو ہے آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
چاہتا ہوں میں یہی اپنی شہادت کا صلا
مغفرت امت عاصی کی ہووے بارخدا
ہے گوارا اب مجھے جو کچھ کہ اذیت ہووے
ان کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہووے

۲۰ عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہ بندہ نواز
یک بیک عالم بالا سے یہ آئی آواز
اے مرے شیر کے فرزند نبیؑ کے دمساز
تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز
مرد ہے عاشق کامل ہے وفادار ہے تو
جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہے تو

۲۱ تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول
یہ اطاعت بھی ہے مقبول" یہ طاعت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول' شہادت بھی قبول
تیری خاطر سے ہمیں بخشش امت بھی قبول
ہم نے خیل شہدا کا تجھے سردار کیا
امت احمد مختار کا مختار کیا

۲۲ دوست داروں کا ترے گلشن جنت ہے مقام
تا ابد سایۂ طوبیٰ میں کریں گے آرام
ہوں گے محشور ترے ساتھ عزادار تمام
تجھکو جو روئیں گے آگ ان پہ ہے دوزخ کی حرام
غم نہ کھائے اہل جہاں تیرے محب سارے ہیں
تو ہے پیارا ترے پیارے بھی ہمیں پیارے ہیں

۲۳ ہوں گے ہر رنج سے محفوظ ترے تعزیہ دار
سختی مرگ نہ ان کو ہے نہ ایذائے فشار
دم مردن نظر آوے گا علیؑ کا دیدار
قبر ہے گلشن فردوس کی دیکھیں گے بہار
دار دنیا ہی میں ہیں جو سو انھیں ایذا ہے
آنکھیں جب بند ہوئیں پھر در جنت وا ہے

۲۴ تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا
تیر کھا کر کسی نے بھی ہے یوں شکر کیا
طاعت خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا
عرش اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر میری محبت میں فنا تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

۲۵ حشر تک روئے گا مظلومی پہ تیری عالم
تیرا ماتم نہیں ہووے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم
آئیں گے جس کی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہووے گی
خاک تربت کی تری خاک شفا ہووے گی

۲۶ یہ صدا سن کے ہوئے شاد شہ ہر دو سرا
آگئی از سر نو جسم میں طاقت گویا
جھک کے سجدے کی طرف عجز سے رو کر یہ کہا
میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کف خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

۲۷ ابھی مولا نے سر عجز اٹھایا نہ تھا آہ
نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امام ذی جاہ
آئی خاتون قیامت کی صدا "بسم اللہ
تھامنے آئے علیؑ خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوب خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

۲۸
اک جفاکیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا
پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا
چھد گیا توڑ کے چھاتی کو کلیجہ سارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلود قبائے شہ پر نور ہوئی
ریت زخموں کے لیے مرہم کافور ہوئی

۲۹
خاک و خوں میں جو تڑپتے تھے شہنشاہِ زمن
طلب آب میں کھوسے ہوئے تھے خشک دہن
گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخم بدن
گرد کھینچے ہوئے تلواریں کھڑے تھے دشمن
غم ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدّت تھی
پھر سکینہؑ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

۳۰
کان میں آتی تھی زینبؑ کی صدائے جاں کاہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ
دل تڑپ جاتا تھا کرتے تھے عجب دل سے آہ
نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تنِ زخمی پہ جو پیکانِ ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

۳۱
کہتا تھا فوج میں سب سے عمر بد اختر
ریگِ تفتیدہ پہ ہے غش میں علیؑ کا دلبر
کھینچے کیوں تیغوں کو ہاتھوں میں کھڑے ہو ششدر
جاؤ کیا ڈر رہے کاٹو شہِ مظلوم کا سر
تیغ سے فاطمہؑ زہراؑ کا جگر چاک کرو
جلد ہاں خاتمۂ پنجتنِ پاک کرو

۳۲
ایسے مظلوم کا سر کاٹنا کیا ہے دشوار
عورتیں ہیں کئی خیمے میں غریب و ناچار
جس کا کوئی بھی مددگار نہ ہمدرد نہ یار
مرچکے پہلے ہی جو خون کے تھے دعوہ دار
خوں بہا بھی نہ کوئی مانگنے کو آوے گا
اک پسر ہے سو وہ بیمار ہے مرجاوے گا

۳۳
کانپ کر کہتے تھے سب ہم سے نہ ہوگا یہ ستم
ایسے مظلوم کی چھاتی پہ جو رکھے گا قدم
ذبح فرزندِ محمدؐ کو نہیں کرنے کے ہم
پاؤں جل جائے گا تھرائے گا عرشِ اعظم
پیٹتے قبر سے محبوبِ خدا آویں گے
بخدا فاطمہؑ کی آہ سے مرجاویں گے

۳۴
کون بیکس کو بھلا ذبح کرے بے تقصیر
گو کہ بیکس ہے پہ آساں نہیں قتلِ شبیرؑ
پھیرتا ہے کوئی پیاسے کے گلے پر شمشیر!
حشر میں ہوئیں گے محبوب خدا دامن گیر
تو سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی خونخواہ نہیں
بنتِ احمدؐ نہیں حیدرؑ نہیں اللہ نہیں

۳۵
تھا جو دمساز عمر ابنِ نمیر اظلم
تا جبیں ہو گیا مجروح سرِ شاہِ امم
بڑھ کے تیغ اس نے سرِ شاہ پہ ماری اس دم
تھام کر سر کو پکارے یہ امامِ عالم
نہ میسر تجھے اس ہاتھ سے کھانا ہووے
تو تہی دست جہنم کو روانہ ہووے

۳۶
چاہا ظالم نے کہ پھر شہ پہ کرے تیغ کا وار
خشک اس وقت ہوئے دستِ ستمگر اک بار
دیکھا انگشت بدنداں ہیں رسولؐ مختار
ہاتھ سے تیغ گری خوف سے بھاگا خوں خوار
یاں سرِ پاک سے حضرت کے لہو جاری تھا
خم کیے قبلہ تھے بند آنکھیں تھیں غش طاری تھا

۳۷
جب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی صفدرؑ کو
فوج سے شمر بڑھا کھینچے ہوئے خنجر کو
غل ہوا یہ کہ غش آیا خلف حیدرؑ کو
سب سے کہتا تھا کہ کاٹوں گا سر سرور کو
خلف احمدؐ مختار کا قاتل ہوں میں
کام میرا ہے اسی کام کے قابل ہوں میں

۳۸
مجھ کو حیدر سے غرض ہے نہ محمدؐ سے ہے کام
دولت فاطمہؑ لے جاؤں میں پاؤں انعام
رو دیں محبوبؐ خدا ہووے خوشی حاکم شام
روح حیدر کی ہو بے چین مجھے ہو آرام
منھ نہ میں دولت دنیا سے کبھی پھیروں گا
آج زہراؑ کے کلیجے پہ چھری پھیروں گا

۳۹
تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریں
رو رو چلّانے لگی زینبؑ ناشاد و حزیں
آسماں ہل گیا تھرا گئی مقتل کی زمیں
غش میں بھی گھیرے ہیں ہے ہے مرے بھائی کو لعیں
رحم زہراؑ کے پسر پر نہیں کھاتا کوئی
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی

۴۰
کس سے فریاد کروں جا کے میں دکھیا ہے ہے
لاکھ دشمن ہیں مرا بھائی ہے تنہا ہے ہے
نہ محمدؐ ہیں نہ حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ ہے ہے
تیغوں سے کٹتا ہے زہراؑ کا کلیجا ہے ہے
سرو گلزار رسالت کو قلم کرتے ہیں
ہائے سیّد پہ مسافر پہ ستم کرتے ہیں

۴۱
گرد زینبؑ کے تھا ناموس پیمبرؐ کا ہجوم
کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکینہؑ معصوم
بانو روتی تھی کھڑی پیٹتی تھی سر کلثومؑ
اے پھوپھی! نرغۂ اعدا میں ہیں شاہ مظلوم
جاؤں گی اب میں ٹھہرنے کی نہیں آپ کے پاس
شمر خنجر لیے جاتا ہے مرے باپ کے پاس

۴۲
باپ کے پاس سے جا کر اسے سرکاؤں گی
اپنے بابا کی میں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی
جوڑ کر ہاتھوں کو منت سے میں سمجھاؤں گی
خیمے تک ان کو سنبھالے ہوئے لے آؤں گی
بھوکے پیاسے مرے بابا کو نہ مارے کوئی
ان کے بدلے مرا سر تن سے اتارے کوئی

۴۳
کتنا روکا اسے بانوؑ نے پہ ہرگز نہ رکی
پیچھے سر کھولے ہوئے خیمے سے زینبؑ نکلی
چھوٹ کے ہاتھوں سے سر پیٹتی میداں کو چلی
پہونچی رن میں تو سکینہؑ یہ عمر سے بولی
او لعین حیدر کرار کی پوتی ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کی ہوتی ہوں میں

۴۴
دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر
سر پہ آوے گی یتیمی تو میں جاؤں گی کدھر
باپ مارا گیا میرا تو جیوں گی کیونکر!
میں تو ہوں باپ کی شیدا مرا عاشق ہے پدر
باپ بن ایک دم آرام نہ آوے گا مجھے
کون پھر رات کو چھاتی پہ سلاوے گا مجھے

۴۵
ہنسلیاں اپنی گلے سے ابھی دیتی ہوں اتار
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں ترے آگے ناچار
لے مرے کان کا دُر پر مرے بابا کو نہ مار
منع کر دے کوئی بیکس کو نہ مارے تلوار
گھر میں جو کچھ زر و زیور ہے وہ لا دوں گی میں
جان بابا کی بچے گی تو دعا دوں گی میں

۴۶ بھیڑ میں، مجھ کو نظر آتے نہیں بابا جاں
گرد پھر پھر کے میں ہوں اپنے پدر کے قرباں
اتنا کہدے کہ سرک جائیں یہ سب بے ایماں
جاکے دیکھوں گی بدن پہ ہیں لگے زخم کہاں
دم آخر تو بھلا کام میں آؤں ان کے
اپنے کرتے سے لہو منھ کا چھڑاؤں ان کے

۴۷ کتنا کہتی رہی وہ بنتِ شہِ عرش جناب
پیٹ کر سر کہا زینبؑ نے کہ او خانہ خراب
اس ستمگر نے دیا کچھ نہ سکینہؑ کو جواب
مجھ کو آتا نہیں کچھ روحِ پیمبرؐ سے حجاب
ظلم مت کر اسد اللہ کی جائی ہوں میں
ننگے سر پردے سے باہر نکل آئی ہوں میں

۴۸ میری اماں کا ہے مشہور جہاں میں پردا
اس کی بیٹی ہوں ترے ظلم سے یہ وقت پڑا
بعدِ رحلت بھی جنازا نہ کسی نے دیکھا
سر برہنہ ہوں گریباں بھی ہے کرتے کا پھٹا
منھ کو اللہ و پیمبرؐ سے چھپاتا ہے تو
میں تو فریادی ہوں اور آنکھ چراتا ہے تو

۴۹ مارا جاتا ہے ترے سامنے زہراؑ کا پسر
تیر کس کو لگے غربال ہوا کس کا جگر
دیکھتا ہے تو یہ تلواریں ہیں پڑتی کس پر
ذبح کرنے کو کسے کھینچے ہے ظالم خنجر
دلِ زہراؑ جگرِ شیرِ خدا کٹتا ہے
ظلم ہے تیرے محمدؐ کا گلا کٹتا ہے

۵۰ قتل مظلوم کو کیوں کرتا ہے بے جرم و گناہ
دل جلی ہوں میں ابھی سینے سے کھینچوں گر آہ
اب تلک میں نے بہت صبر کیا ہے واللہ
تو بھی جل جائے تری فوج بھی ہو خاک سیاہ
بد دعا دوں میں تو نازل ابھی آفت ہووے
سر کے بالوں کو جو کھولوں تو قیامت ہووے

۵۱ غش میں حضرت نے سنے جب کہ یہ زینبؑ کے سخن
دیکھا سر ننگے کھڑی روتی ہیں مقتل میں بہن
کھول کر دیدۂ پُرخوں کو اٹھائی گردن
بنتِ زہراؑ کو پکارے یہ شہنشاہِ زمن
کیا کیا تم نے کہ پردے سے کھلے سر نکلیں
جیتے جی میرے سراپردے سے باہر نکلیں

۵۲ کس کو سمجھاتی ہو کوئی نہ سنے گا فریاد
جتنا تم پیٹتی ہو اور لعیں ہوتے ہیں شاد
باز آئے گا نہیں قتل سے میرے جلاد
حشر کے روز خدا دیوے گا اس خون کی داد
شوق مرنے کا ہے سر تن سے جدا ہونے دو
جاؤ گھر میں مجھے امت پہ فدا ہونے دو

۵۳ گود میں میری سکینہؑ کو اٹھا دو ہمشیر
پھر یہ بیٹی کو پکارے ترے صدقے شبیرؑ
کوئی اصغرؑ کی طرح مار نہ دے اسکو تیر
تو بھی اب ساتھ پھوپھی جان کے جا اے دلگیر
وقتِ طاعت ہے ذرا یادِ خدا کر لیویں
ہم بھی اب آتے ہیں سجدے کو ادا کر لیویں

۵۴ کہہ کے یہ غش ہوئے پھر رن میں شہنشاہِ امم
جگرِ فاطمۂ زہراؑ پہ چلی تیغِ دو دم
شمرِ اظلم نے رکھا سینۂ اقدس پہ قدم
آگے زینبؑ کے ہوئے ذبح حسینؑ آہ ستم
پیٹ کر بنتِ شہنشاہِ زمن رونے لگی
باپ کو بیٹی برادر کو بہن رونے لگی

۵۵
فتح کا فوج مخالف میں بجا نقارا
غل ہوا قتل ہوا شیر خدا کا پیارا
بس انیسؔ اب نہیں گویائی کا مجھ کو یارا
غم سے خوں ہو گیا سینہ میں کلیجا سارا
کس سے اس درد و مصیبت کا بیاں ہوتا ہے
آنکھیں روتی ہیں قلم روتا ہے دل روتا ہے

سلام

۱ اے سلامی یوں ارم ہے کربلا کے سامنے
ہو چمن جس طرح قصرِ بادشا کے سامنے
۲ وائے حسرت کچھ نہ دنیا میں کیے اعمال نیک
ہاتھ خالی ہم چلے اپنے خدا کے سامنے
۳ قلب میں داغوں کے گل دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیہ لے کے جائیں گے خدا کے سامنے
۴ حرؑ کو آتی ہے ندا کیوں کانپتا ہے مثلِ بید
نار کا ڈر ہے تو چل نورِ خدا کے سامنے

قطعہ

معجزے سے آپ نے عفریت کے باندھے جو ہاتھ
مدتوں روتا پھرا وہ انبیاؑ کے سامنے
پر کسی سے اس کی بندش کا نہ عقدہ حل ہوا
وہ گرہ آخر کھلی مشکل کشا کے سامنے
واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کر دیا
آگ پانی ہو گئی خاکِ شفا کے سامنے
دے گا شہ کی بے گناہی پر شہادت روزِ حشر
خنجرِ قاتل زباں بن کر خدا کے سامنے

قطعہ

کہتے تھے عباسؑ بہکاتا ہے کیا اے مردِ شوم
دم بھی نکلے گا تو شاہِ کربلا کے سامنے
مجھ سے کہتا ہے کہ آقا کی رفاقت چھوڑ دو
یہ دغا بازی کی باتیں باوفا کے سامنے

مطلع ثانی

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے
ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے
کیوں نہ دب جائیں تونگر بادشا کے سامنے
آسمان کو فوق کیا؟ عرشِ عبا کے سامنے
اِس سے زر بنتا ہے اور اُس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاکِ شفا کے سامنے
تن میں رعشہ پڑ گیا پیری سے گردن خم ہوئی
اب تو جھک سجدے میں او سرکش خدا کے سامنے
عرش پر دستِ علیؑ نکلا حجابِ نور سے
شیر کا کاسہ جب آیا مصطفیٰؐ کے سامنے
کور باطن تھا عمرِ غازی مگر اللہ رے فیض
قلب روشن ہو گیا نورِ خدا کے سامنے
تیرے بندے اور امامِ بت شکن کے ہیں غلام
حشر کے دن ہم یہ کہہ دیں گے خدا کے سامنے

	روضۂ شہ میں صدا آتی ہے یہ زوار کی عمرؓ نے بیٹے سے کہا ہاتھوں کو اپنے باندھ کر کیا سخاوت تھی کہ چھپ چھپ کر علیؑ ہنگام شب حشر میں اک اور ہوگا حشر جس دم فاطمہؑ عاصیوں نے جب رسن باندھی گلے میں بے گناہ روضۂ سرور پہ پہونچا دے ہماری روح کو دوڑتی دے گی وہ مقتل میں کہ ہے عاشق مری کہتی تھی زینبؑ تمھیں بھی کچھ خبر ہے یاحسینؑ تربتِ سرور پہ جا کر خاک ہو جاؤں انیسؔ		دیکھیاں باب اجابت ہے دعا کے سامنے یون چلو بختِ دلِ مشکل کشا کے سامنے آپ لے جاتے تھے کھانا ہر گدا کے سامنے لائیں گی شہ کا سرِ پُر خوں خدا کے سامنے سب کے عقدے کھل گئے مشکل کشا کے سامنے ملتجی رہتا ہوں میں باد صبا کے سامنے ذبح کیجیو نہ بنتِ مرتضےٰؑ کے سامنے ننگے سر نکلی ہوں میں اہلِ جفا کے سامنے ہے زباں پر یہ دعا ہر دم خدا کے سامنے	
	دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا راحت کا سکاں اس کا گھر خانۂ عیش	رباعی	برسوں نہ کبھی روز فراغت دیکھا دیکھا تو جہان میں کنجِ عزلت دیکھا	
	جب دور سے ایوانِ علا کو دیکھا سو بار کیا طوافِ کعبہ اے دل	رباعی	لاریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا اک بار جو روضۂ رضاؑ کو دیکھا	
	یا زیست میں یا بعدِ فنا پہونچیں گے کیا دن ہوگا نثار اس دن کے انیسؔ	رباعی	یا ور ہے اگر بخت تو جا پہونچیں گے جس روز قریب کربلا پہونچیں گے	
		تمام شد		
		مرثیہ		
	روئے سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے خورشید نقش پائے حسینؑ شہید ہے	۱	آرام جان و لائے حسینؑ شہید ہے بالائے عرش جائے حسینؑ شہید ہے	
	حقا کہ شش جہت میں اجالا ہے آپ کا		پایا مسیحؑ نے بھی دو بالا ہے آپ کا	
	قاصر تری ثنا میں ہے شاہا زباں مری کچھ مدح کر سکوں یہ حقیقت کہاں مری	۲	قطرہ ہے گو یہ بحر ہے طبع رواں مری عاجز رہوں جو عمر ہو صرفِ بیاں مری	
	امداد یا امامِ حجازی ضرور ہے		اے آفتاب ذرہ نوازی ضرور ہے	

۳
شبیرؑ تاجِ تارکِ عرشِ عظیم ہے
سائل بہ کف ہے بحر وہ ایسا کریم ہے
دریائے علم و حلم کا دُرِّ یتیم ہے
اس کی ولا چراغ رہِ مستقیم ہے
سب خلق فیض پاتی ہے نزدیک و دور سے
عالم میں روشنی ہے اُسی ایک نور سے

۴
خلدِ بریں ہے گلشنِ کاشانۂ حسینؑ
مصباحِ بزمِ خلق ہے افسانۂ حسینؑ
عرشِ خدا ہے فرشِ جلوخانۂ حسینؑ
میکال و جبرئیل ہیں پروانۂ حسینؑ
شمس و قمر نثارِ شہِ ارجمند ہیں
مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

۵
کونین میں محیط ہے اس مہ جبیں کا نور
کرسی کی زیب مسندِ عرشِ بریں کا نور
ایماں کا حسن چہرہ دینِ مبیں کا نور
وہ نور ہے خدائے جہاں آفریں کا نور
کس چشم کو فروغِ تجلی کی تاب ہے
بس اے زباں خموش! اب آگے حجاب ہے

۶
رضواں ہے باغبانِ گلستانِ شاہِ دیں
حوریں ہیں سو زباں سے ثناخوانِ شاہِ دیں
روح القدس ہے تابعِ فرمانِ شاہِ دیں
سارے ملک ہیں بندۂ احسانِ شاہِ دیں
دم بھر کسی کا کام معطل کیا نہیں
عقدہ وہ کون سا ہے جسے حل کیا نہیں

۷
مشکل میں درد و غم میں یہ کس کے نہ کام آئے
خلقت میں مرتضیٰؑ کی طرح معجزے دکھائے
فطرس نے پر انھیں کے سبب بے پری میں پائے
مقبولِ حق ہوئی وہ دعا جو زباں پہ لائے
جب ہاتھ اٹھائے گردِ قمر ہالہ ہو گیا
اک دم میں زندہ مردۂ صد سالہ ہو گیا

۸
تھا گوہرِ محیطِ کرم فاطمہؑ کا لال
مولا کو سب کی عقدہ کشائی کا تھا خیال
بے چین ہو گیا جو کسی نے کیا سوال
کی مسکرا کے جس پہ نظر ہو گیا نہال
کچھ بات کی تو غنچۂ امید کھل گیا
بخشے گناہ جس کے بہشت اُس کو مل گیا

۹
قفلِ درِ نجات کلیدِ درِ نجات
عمّانِ فیض آبِ رخِ گوہرِ نجات
ہے سرفراز جس کے قدم سے سرِ نجات
طغرا کشِ مقدّمۂ دفترِ نجات
عالم ہیں تا ابد عملِ نیک و زشت کے
مالک ازل سے ہیں یہی آٹھوں بہشت کے

۱۰
جس پر کرم ہو اُن کا اُسے بخش دے کریم
یہ باغِ خلد ہے وہ درِ جنت النعیم
رضواں کہے کہ اب نہیں کچھ تجھ کو خوف و بیم
ٹھنڈی ہوا ہے سایۂ طوبیٰ میں ہو مقیم
قربِ حسینؑ ہے تو خدا سے قریب ہو
آؤ تمھیں شرابِ طہورا نصیب ہو

۱۱
حوریں کہیں کہ دور نہ جاؤ حسینیو!
یہ میوۂ بہشت ہے کھاؤ حسینیو
کوثر قریب ہے ادھر آؤ حسینیو
نہرِ لبن سے پیاس بجھاؤ حسینیو
حاضر ہیں قصر عنبر گلشن سرشت کے
پہنو کفن اُتار کے حُلّے بہشت کے

۱۲
سب جانتے ہیں اِن پہ جو تھا مصطفیٰؐ کا پیار
مستغنی البیان ہے خیر النسا کا پیار
طفلی کسی بشر پہ نہیں مرتضیٰؑ کا پیار
ان سب کے چاہنے سے سوا تھا خدا کا پیار
بچپن سے بے نیاز کو ناز اُن کے بھاتے ہیں
جس چیز پہ ہے جی وہی جبرئیل لاتے ہیں

۱۳
حاضر ہوئی وہ شے انھیں جس کی طلب ہوئی
اُن کے ہر ایک کھیل میں تائیدِ رب ہوئی
ہرنی کو دیر بچے کے لانے میں کب ہوئی
شب کا کبھی جو دن ہوا تو دن کی شب ہوئی
آنکھوں میں اشک بھر کے جو سر کو فرد کیا
روح الامیں نے آن کے موتی کو ڈو کیا

۱۴
یوسفؑ پہ ایک حضرت یعقوبؑ تھے نثار
آتے تھے اہلِ شہر زیارت کو بار بار
پروانۂ جمالِ نبوّت تھے سب بے شمار
صدقے تھے سب مقرّبِ درگاہِ کردگار
نورِ خدا کے چاہنے والے ہزار تھے
زہراؑ کا ایک چاند تھا ہالے ہزار تھے

۱۵
آتے تھے یہ رسولِؐ خدا کو پیامِ رب
رمان و سیب تازہ و زرد آلو و رطب
ہم بھیجدیں حسینؑ کو جس شے کی ہو طلب
جبرئیل لائے بس وہیں مانگا زباں سے جب
ہر وقت شاخِ نخلِ تمنّا ہری رہی
میووں سے ان کی گود ہمیشہ بھری رہی

۱۶
عُریان تھا روزِ عید جو وہ چودھویں کا ماہ
رومال و زیر جامہ و پیراہن و کلاہ
بھیجے خدا نے حلۂ جنت بہ عز و جاہ
ہنستے ہوئے پہن کے گئے سوئے عیدگاہ
رستے سے پھر کے آئے محمدؐ کے سامنے
گردن جھکا کے بیٹھ گئے جد کے سامنے

۱۷
بولے یہ مسکرا کے رسولِؐ فلک اساس
شبّیر واہ واہ تمھیں زیبا ہے یہ لباس
کیوں آج دور بیٹھے ہو آؤ ہمارے پاس
جی چاہتا ہے ہم بھی پھریں آج آس پاس
ہے روزِ عید چھاتی سے لگ جاؤ آن کے
اے میرے جامہ زیب فدا تیری شان کے

۱۸
کیا لائے عیدگاہ سے اے میرے گلبدن
پھولا ہوا ہے پیشِ نظر خلد کا چمن
شرماتے ہوں گے دیکھ کے لڑکے یہ پیرہن
اس رنگ کا نہ ہوگا کبھی جامۂ حسنؑ
موضوع ہے یہ رنگِ شہادت کے واسطے
جامہ یہ قطع ہے اسی قامت کے واسطے

۱۹
چھوٹے سے اس عمامۂ و شملے کے میں نثار
قربان اس قباؤ عبا پر یہ جانِ زار
صدقے ان آستینوں کے اے میرے گلعذار
یوسفؑ کے پیرہن کی ہے بو جس سے آشکار
کپڑے یہ دیکھ کر شہِ مرداں نے کیا کہا
پیارے گلے لگا کے تمھیں ماں نے کیا کہا

۲۰
سب سے تو مل چکے مری جاں لو ادھر تو آؤ
صدقے ہوں اس دہن کے ذرا منھ تو آگے لاؤ
ننھے سے ہاتھ اٹھا کے ہمیں تو گلے لگاؤ
دے لو جو بوسۂ لب دنداں تو گھر میں جاؤ
کس غم سے بند لب ہے کہ اب کھولتے نہیں
کیا ہم سے تم خفا ہو کہ کچھ بولتے نہیں

۲۱
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے دستِ خدا کا لال
پوشاک یہ پہن کے تو ہم خوش ہوئے کمال
حضرت کو برقرار رکھے ربِّ ذوالجلال
ناقہ نہیں کہ جس پہ چڑھیں اب یہ ہے ملال
عزت میں ہیں بزرگ شرف میں زیادہ ہیں
لڑکے تو سب سوار ہیں اور ہم پیادہ ہیں

۲۲
پیدل تو عید گاہ میں جانا ہے ننگ و عار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار
ہم کو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
معلوم اب ہوا ابھی غصہ تھا میں نثار
ہاں آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہو جیئے ہم اُونٹ بنتے ہیں

۲۳
فرما کے یہ کمر میں رکھا دامنِ قبا
جیبِ قبا میں رکھ کے قدم کو وہ مہ لقا
رکھ کر زمیں پہ ہاتھ بنے اونٹ مصطفیٰؐ
پشتِ جنابِ سیّدِ لولاک پر چڑھا
پائے حسینؑ عرش کا سرتاج ہو گیا
وہ روز عید کا شبِ معراج ہو گیا

۲۴
کرسی و عرش دونوں بلندی سے اُن کی پست
پڑھ کر درود کہتے تھے مردانِ حق پرست
تھا ایک اُن کے زیرِ قدم ایک زیرِ دست
پائی ہے شہسواروں نے کیا خوش نما نشست
دونوں ہیں عرش و فرش کی زینت کے واسطے
ایسا نگیں ہو پھر نبوت کے واسطے

۲۵
مرکب ہے مہر اور مہِ کامل ہے یہ سوار
وہ جان ہے جہاں کی اور دل ہے یہ سوار
ایسے ہی راہوار کے قابل ہے یہ سوار
قرآں رسولؐ ہیں تو حمائل ہے یہ سوار
رحمت میں مرتبت میں ہدایت میں ایک ہیں
چھوٹے بڑے تو ہیں پہ حقیقت میں ایک ہیں

۲۶
بولے ہلا کے پاؤں حسینؑ فلک مقام
گردن پھرا کے کہنے لگے سیّد الانام
ہے کس طرح کا اونٹ کہ جس کے نہیں لگام
ہاتھوں میں تھام لو مرے گیسوئے مشک فام
تم سا سوار کاہے کو دنیا میں پائیں گے
باگیں جدھر پھراؤ اُدھر دوڑے جائیں گے

۲۷
گیسو نبیؐ کے ننھے سے ہاتھوں میں تھام کر
لڑکوں کے اونٹ بولتے ہیں سب اٹھا کے سر
کہنے لگے حسینؑ کہ یا سیّد البشر
منہ سے ہمارا اونٹ نہیں بولتا مگر
اس کا نہ بولنا تو بہت دل کو شاق ہے
اب اونٹ کی صدا کا ہمیں اشتیاق ہے

۲۸
الفت رسولِ حق کو نواسے سے تھی کمال
آخر بہ پاسِ خاطرِ فرزندِ خوش خصال
غم تھا کہیں نہ رونے لگے فاطمہ کا لال
غف غف کہا تو ہلنے لگا عرشِ ذوالجلال
جنباں جو یک بیک طبقاتِ زمیں ہوئے
نازل خدا کے حکم سے روح الامیں ہوئے

۲۹
کی عرض مصطفیٰؐ سے کہ اے کل کے عیب پوش
اس دم ہے بحرِ رحمتِ ربّ العلا کو جوش
اب کی صدا سے پھر نہ رہیں گے کسی میں ہوش
ساتوں جہنم آج ہوئے جاتے ہیں خموش
جس دم رہے نہ آتشِ دوزخ جہان میں
دشمن علیؑ کے جائیں گے پھر کس مکان میں

۳۰
آخرت کا آپ کی کوئی اچھا نہیں عمل
کیا کیا د شیرِ حق نے کیا مشکلوں کو حل
آئے گا انتظام عدالت میں کچھ خلل
باز آئے پر نہ مکر و دغا سے یہ پُر دغل
جاتے ہیں اس طرف جو ضلالت کی راہ ہے
فسق و فجور پر فقط اُن کی نگاہ ہے

۳۱
کیوں مومنو حسینؑ کا رتبہ ہے کیا جلیل
آسائشیں کثیر تھیں جب عمر تھی قلیل
بس اک حسنؑ سوا نہیں ان کا کوئی عدیل
مرکب جو تھے رسولؐ تو خادم تھے جبرئیل
اک روز یہ عروج تھا اور یہ وقار تھا
اک دن انھیں کے سینے پہ قاتل سوار تھا

۳۲
چلتے تھے جب نہ پاؤں سے اپنے تو تھا یہ چین
گودوں سے آنکھیں ملتے تھے سلطانِ مشرقین
پھیلائے پاؤں گودیوں میں سوتے تھے حسینؑ
تھا سارے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ نورِ عین
نوبت جو ایک گام بھی چلنے کی آئی تھی
زہراؑ زمیں کو جھاڑ کے آنکھیں بچھاتی تھی

۳۳
روتی تھی ٹوٹتا تھا جو گیسو کا ایک تار
باراں میں بوندیوں سے بچاتی تھی بار بار
لگتی ہوائے گرم تو ہوتی تھی بے قرار
سائے سے اس کا دھوپ میں جانا تھا ناگوار
یوسفؑ کی طرح اس لئے رکھا نقاب میں
سنولا نہ جائے چاند مرا آفتاب میں

۳۴
تکیہ تھا سر کا بازوئے سلطانِ بحر و بر
زہراؑ کی گود حضرتِ روح الامیں کے پر
راتوں کو فرشِ خواب رہا سینۂ پدر
جا سوئے واں توجہِ خاطر ہوئی جدھر
برجِ شرف تھے سب مہِ کامل کے واسطے
رحلیں کئی تھیں ایک حمائل کے واسطے

۳۵
سی کر سدا اُٹھاتی تھیں ماں نرم پیراہن
اللہ ری احتیاطِ تنِ سرورِ زمن
تا سرخ ہو نہ جائے مرے لال کا بدن
بدلا دیا لباس اگر پڑ گئی شکن
واحسرتا کہ واقفِ حالِ پسر نہ تھی
تیغوں سے چور ہوں گے یہ ماں کو خبر نہ تھی

۳۶
قرباں تھے جبرئیل تو خیر البشر نثار
بہنیں فدا برادرِ عالی گہر نثار
اور ہزار جان سے صدقے پدر نثار
طفلی سے تھا حسینؑ پہ سب گھر کا گھر نثار
بو غیر میں بھی اس گلِ تازہ کی چھا گئی
گودی میں جس کی اِنس کے گئے جان آ گئی

۳۷
وہ احمدؐ و بتولؑ و علیؑ کی محبتیں
وہ پرورش وہ چین وہ بچپن کی راحتیں
وہ حلۂ بہشت وہ جنت کی نعمتیں
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں کی لذتیں
موسم تھا کچھ دنوں تو بزرگوں کے پیار کا
اک دن مزہ تھا خنجرِ قاتل کی دھار کا

۳۸
پہلو میں شب کو سوتا تھا جب وہ فلک جناب
چونک اٹھتے جب تو پوچھتی زہراؑ بہ اضطراب
نزدیک بھر کے رکھتی تھی ماں کوزۂ آب
پیاسے ہو اے حسینؑ تو پانی پیو شتاب
کہتے تھے رو کے دن یہ بہت یاد آئیں گے
جب تین روز پیاس میں پانی نہ پائیں گے

۳۹ اب تک تو ہم پہ ایسی مصیبت نہیں پڑی
میداں بھی گرم ہوئے گا اور دھوپ بھی کڑی
اُس دن کی پیاس کی ہیں تشویش ہے بڑی
اماں نہ دیکھئے ہمیں پانی گھڑی گھڑی
ہر چند ابھی وہ روز وہ ہنگام دور ہے
پر ہم کو پیاسے رہنے کی عادت ضرور ہے

۴۰ اماں تمہارے دم سے فقط ہے ہمارا چین
بولی تڑپ کے دخترِ سلطانِ مشرقین
بعد آپ کے تو دکھ میں پھنسے گا یہ نورِ عین
پانی کسے نہ دیں گے یہ کیا کہتے ہو حسینؑ
تھامو مجھے کہ دل پہ قیامت گذر گئی
اماں تو صدقے جائے کہ سنتے ہی مر گئی

۴۱ قربان جاؤں مالکِ کوثر ہے جس کا جد
پیاسا رہے وہ اور نہ کوئی کرے مدد
بابا امیرِ کون و مکاں ضیغمِ صمد
منہ سے نکالتا ہے کوئی ایسی فالِ بد
میں سچ کہوں یہ بات تو مجھ کو بری لگی
کیا جانو تم کلیجے پہ کس کے چھری لگی

۴۲ کہنے لگے لپٹ کے حسینؑ فلک وقار
بولیں بھلا حسینؑ بھلا تجھ پہ میں نثار
اماں نہ روؤ دیکھتے تھے ہم تمہارا پیار
باتیں بنا کے مجھ کو رلاتے ہو بار بار
برچھی سی اگ لگی ہے دلِ بے قرار میں
مرجاتی میں تو کون سلاتا کنار میں

۴۳ لپٹی یہ کہہ کے دخترِ سلطانِ بحر و بر
آئی جو نیند کروٹیں لے کر ادھر ادھر
شبیرؑ کو تھپکنے لگی پھر بچشمِ تر
سوئے حسینؑ بازوئے زہراؑ پہ رکھ کے سر
آنکھیں کبھی کھلیں تو کبھی بند ہو گئیں
منہ تکتے تکتے حضرت زہراؑ بھی سو گئیں

۴۴ رو کر اسی خیال میں سوئی جو وہ جناب
زنغے میں ظالموں کے ہے فرزند بوترابؑ
بس آنکھ لگتے ہی نظر آیا اسے یہ خواب
لب برگِ گل سے سوکھ گئے ہیں بغیر آب
ملتی نہیں پناہ کہیں نورِ عین کو
خنجر سے ذبح کرتا ہے کوئی حسینؑ کو

۴۵ سیدؑ پکارتا ہے کہ کوئی ہمیں بچائے
سب ہیں پہ بس نہیں یہ کسی کا کہ پاس آئے
دم لیں ذرا گلے سے جو قاتل چھری ہٹائے
ہے شورِ آسمان و زمیں پر کہ ہائے ہائے
سر پر علیؑ کے دشتِ مصیبت کی خاک ہے
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک ہے

۴۶ خاتونِ حشر چونک پڑیں دیکھ کر یہ خواب
شبیرؑ سے لپٹ گئیں با دیدۂ پُر آب
تھا یا علیؑ زبان پہ اور دل پہ اضطراب
جلدی گلے پہ ہاتھ پھرایا رہی نہ تاب
گھبرا کے سر سے تا بقدم دیکھنے لگیں
منہ رکھ کے ننھی چھاتی پہ دم دیکھنے لگیں

۴۷ چونکے نہ جب تو ننھا سا بازو ہلا ہلا
وسواس مجھکو آتا ہے اے میرے مہ لقا
آواز دی پسر کو کہ واری اٹھو ذرا
کیا وجہ دیر سونے کی ماں ہو گئی فدا
قربان جاؤں زیست کا کیا اعتبار ہے
لپٹو ذرا گلے سے کہ ماں بے قرار ہے

۴۸
انگڑائی لے کے خواب سے اٹھا وہ دلربا
مل کے پشت دست سے آنکھوں کو یہ کہا
کیوں اماں جان خیر تو ہے تم پہ میں فدا
یہ کیا سبب کہ روتی ہو آنسو بہا بہا
کیوں آج بے حواس ہو کیوں رنگ زرد ہے
اماں خدانخواستہ کیا دل میں درد ہے

۴۹
اس خواب کے خیال سے تھا دل جو بے قرار
شبیر کو بٹھا کے پھری گرد سات بار
اس دن کہاں تھی دختر محبوب کردگار
جس دن گلا وہ چاند سا تھا اور چھری کی دھار
رو رو کے وقت ذبح جو فریاد کرتے تھے
ماں کو حسینؑ روتے تھے اور یاد کرتے تھے

۵۰
کیا راحتیں اٹھا کے پلا ابن بوتراب
وہ سینۂ بتولؑ وہ آرام اور وہ خواب
بس دفعتاً کیا یہ زمانے نے انقلاب
راہی ہوئے جہاں سے رسول فلک جناب
ننھے سے دل پہ کوہ الم ناگہاں گرا
گویا زمیں الٹ گئی اور آسماں گرا

۵۱
سر پر سے اٹھ گیا جو محمد سا سرپرست
جاتا رہا تمام بھرے گھر کا بند و بست
زور اپنا وہ دکھانے لگے تھے جو زیر دست
کچھ دن کے بعد اور زمانے نے دی شکست
تھی حمل سے کہ پہلوئے زہرا پہ در گرا
زندہ تڑپ تڑپ کے شکم سے پسر گرا

۵۲
مادر نے جب کیا اسی صدمے سے انتقال
بے کس ہوا بس اور بھی وہ فاطمہؑ کا لال
آیا اجل کا خواب اسے رکھتی تھی جو خیال
پھر کون دھوئے گرد بھرے گیسوؤں کے بال
شبیر خدا لٹا کے جو پہلو میں سوتے تھے
راتوں کو ماں کے حجرے میں جا جا کے روتے تھے

۵۳
چندے تو حق نے سر پہ رکھا سایۂ پدر
آخر کیا وصی پیمبر نے بھی سفر
باپ اٹھ گیا جو سر سے تو خم ہو گئی کمر
اس گوہر یتیم کی بھائی نے لی خبر
آفت کا سامنا تھا جدا جب حسنؑ ہوئے
گھر بھی چھٹا حسینؑ غریب الوطن ہوئے

۵۴
کلک قضا جو محو کرے مصرعۂ نخست
بے سر ہے بیت مصرعۂ ثانی نہ گر ہو چست
پنجہ ہے تب تلک کہ رہیں انگلیاں درست
مصرعے نہ چار ہوں تو رباعی ہے سخت سست
باقی رہیں نہ چار تو حدین جب تو کیا رہا
اک مصرعۂ محنت آل عبا رہا

۵۵
یثرب سے سوئے کعبہ گیا فاطمہؑ کا ماہ
تا خانۂ خدا میں ملے گوشۂ پناہ
حج بھی نہ کرنے پائے کہ آپہونچے روسیاہ
مولا نے اضطرار میں لی کربلا کی راہ
نے رخ کیا وطن کا نہ سوئے نجف گئے
یہ تنگ تھے کہ آپ اجل کی طرف گئے

۵۶
تھا ماہ جیٹھ تھی یہ حرارت کہ الاماں
واں کی زمیں پہ تھا کرۂ نار کا گماں
واں دھوپ سے غزال بچاتے تھے اپنی جاں
اور ہانپتے تھے شیر نکالے ہوئے زباں
دریا بھی گرم عکس سے تھا آفتاب کے
برپا کیے تھے آب نے خیمے حباب کے

۵۷ سامنے سے اشتروں کے قدم بڑھ نہ سکتے تھے
جھونکے ہوا کے تھے کہ وہ شعلے لپکتے تھے
چنگاریوں سے ریت میں ذرّے چمکتے تھے
لب خشک تھے جوانوں کے بچے بلکتے تھے
بستی نظر نہ آتی تھی رستے اجاڑ تھے
باریک گوم راہ میں تھی یا پہاڑ تھے

۵۸ بچوں کا ساتھ کوس کڑے خوف کا سفر
ہر دم سکینہ کہتی تھی محمل سے جھانک کر
منہ اشتروں کے خشک تو گھوڑے عرق میں تر
پیاسی ہوں دو پہر سے چچا جان ہیں کدھر
بے چین ہے حسینؑ کی پیاری خبر نہیں
ہے ہے انھیں ابھی سے ہماری خبر نہیں

۵۹ لوگو مسافروں کو ہے درپیش کیسی راہ؟
وہ کون سی گھڑی تھی جو نکلے تھے گھر سے شاہ؟!
ڈر ہے مجھے کہ ہو نہ کہیں قافلہ تباہ
دریا کہیں ملا ہے نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
بچی پدر سے رنج و مصیبت میں چھٹ نہ جائے
بستی بتول کی کسی جنگل میں لٹ نہ جائے

۶۰ یہ سن کے روتے جاتے تھے گردن جھکائے شاہ
ہر دم یہی زباں پہ دعا تھی کہ یا الٰہ
دل تھا خدا کی سمت تو رخ سوئے قتل گاہ
دوری ہے ناگوار بس اب قطع ہو یہ راہ
مطلب یہ ہے کہ تیغ ستم سے گلا ملے
مشتاق ہوں کہ جلد کہیں کربلا ملے

۶۱ اس دشت میں اترنے کا ارمان ہے مجھے
دامن میں خون بھرنے کا ارمان ہے مجھے
ریتی میں خیمہ کرنے کا ارمان ہے مجھے
اس سرزمیں پہ مرنے کا ارمان ہے مجھے
قربان تجھ پہ سبطِ رسالت پناہ ہو
پہونچا دے ایک دن میں جو دو دن کی راہ ہو

۶۲ شاہد ہے تو کہ صادق الاقرار ہے حسینؑ
دنیا میں اپنی زیست سے بیزار ہے حسینؑ
یا رب گلا کٹانے کو تیار ہے حسینؑ
عقبےٰ کی راحتوں کا طلبگار ہے حسینؑ
خواہش ہے یہ جہاں میں نہیں ایک دم رہوں
نانا کے اور باپ کے زیرِ قدم رہوں

۶۳ جس سرزمیں کے شوق میں اکثر تھے یہ کلام
آگے فرس نے واں سے اٹھایا نہ ایک گام
جا پہونچے دوسری کو محرّم کی لا کلام
آئی ندائے غیب کہ منزل ہوئی تمام
اترو کہ تن سے سر کے اترنے کی جا ہے یہ
اے سالکانِ راہِ خدا کربلا ہے یہ

۶۴ فورًا یہ سن کے چہرے پہ سرخی سی چھا گئی
زلفوں پہ آکے بادِ صبا خاک اڑا گئی
گویا کہ اپنا رنگ شہادت دکھا گئی
اٹھا غبارِ زرد زمیں تھرتھرا گئی
صورت بھری جو خاک میں زہرا کے جائے کی
جنگل سے آئی صاف صدا ہائے ہائے کی

۶۵ تھا شور بادِ تند سے دریا کو اضطراب
اس غم سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے حباب
چکر جو تھا بھنور میں تو موجوں کو پیچ و تاب
یعنی رہے گا مالکِ کوثر بغیر آب
کیوں تلخ ہو نہ چشمۂ شیریں حیات کا
طوفاں میں آگیا ہے سفینہ نجات کا

ناقے کھڑے ہوئے تھے حرم کے جو آس پاس	۶۶	آوازِ گریہ سن کے حرم کو ہوا ہراس
بانو کو تھا نہ ہوش نہ زینبؑ کو تھے حواس		سنسان دشت دیکھ کے دل ہو گئے اداس
کچھ خود بخود سکینہؑ کے آنسو نکل پڑے		اصغر بھی ماں کی گود میں ڈر کر اچھل پڑے
محمل سے شہ کو زینبؑ بیکس نے دی صدا	۶۷	بھائی ادہر ہو گے تم اسی جنگل میں آج کیا
کیسی ہے گرد آپ کی زلفوں پہ میں فدا		غم دل پہ چھا گیا ہے یہ ہے کس طرح کی جا!
ڈر کر سکینہؑ جان مری سہمی جاتی ہے		ہے ہے یہ کس کے رونے کی آواز آتی ہے
پاس آ کے بولے شاہ بہن خوف کچھ نہیں	۶۸	واقف ہوں میں بہت متبرک ہے یہ زمیں
صحرا بھی ہے ہوا بھی ہے دریا بھی ہے قریں		اب اس جگہ سے آگے نجائیں گے ہم کہیں
ناناؐ سے سن چکے ہیں زمیں یاں کی پاک ہے		شیشے میں سر بھر اسی بن کی خاک ہے
کہنے لگی یہ شاہ سے بانوئے خوش خصال	۶۹	صاحب یہاں ہمارے دلوں کو ہے کیوں ملال!
تب سر جھکا کے کہنے لگا فاطمہؑ کا لال		دشمن کو اس مہینہ کی کھل جائے گا یہ حال!
جبرئیلؑ نے سخن جو کہے تھے وہ یاد ہیں		خوش اور کوئی ہو کہ نہ ہو ہم تو شاد ہیں
یہ کہہ کے اترے گھوڑے سے شاہِ فلک مقام	۷۰	فرمایا دیکھ کر سوئے عباسؑ نیک نام
ناموس محملوں میں گھٹے جاتے ہیں تمام		ہاں بھائی جان اب کہیں برپا کرو خیام
رحم آتا ہے ہمیں کہ نبیؐ کے نواسے ہیں		لشکر کے لوگ صبح سے سب بھوکے پیاسے ہیں
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ مہ جبیں	۷۱	دریا کا قرب خوب ہے یا بادشاہِ دیں
آقا کی مصلحت ہو تو خیمہ کریں وہیں		کچھ سوچ کر امامِ امم نے کہا نہیں
اس بن میں ایک قبر کی جا چاہیے ہمیں		دریا پہ کیا ہے قربِ خدا چاہیے ہمیں
اتریں گے واں وہ آن کے مہماں ہیں جن کے ہم	۷۲	جا گر جو ہو فساد کی واں رکھیے کیوں قدم؟
تکرار گر ہوئی تو کسے ہو گا رنج و غم		بندوں پہ اپنے یاں بھی کرے گا خدا اکرم
پانی کی جستجو میں کوئی تا بہ جو نہ جائے		پیاسے اگر رہیں تو رہیں آبرو نہ جائے
غازی نے کی یہ عرض کہ جو مرضیٔ جناب	۷۳	استادہ کر دیے وہیں خیمے بصد شتاب
شمسے کا نور دیکھ کے ششدر تھا آفتاب		چمکی بسانِ خطِ شعاعی ہر اک طناب
تھا شور تا بہ عالمِ بالا زمین سے		دیکھو سر آسماں نے نکالا زمین سے
ڈیوڑھی پہ آئے جبکہ شہِ عرش بارگاہ	۷۴	فیضِ قدم سے کاہکشاں بن گئی وہ راہ
گردش تمام ہو چکی منزل پہ آیا ماہ		ناقے قریبِ خیمہ جو بیٹھے ہٹی سپاہ
گھوڑوں سے سب رسولؐ کے پیارے اتر پڑے		گویا قمر کے ساتھ ستارے اتر پڑے

۷۵
خیمے کا اوج گنبدِ خضرا سے کم نہ تھا
صحن کشادہ نور کے دریا سے کم نہ تھا
جلوہ کلس کا برقِ تجلّی سے کم نہ تھا
نقشِ قدم ہر اک یدِ بیضا سے کم نہ تھا
چہروں کی ضو سے چار طرف نور چھا گیا
آئے جو شہ تو چاند ستاروں میں آ گیا

۷۶
گذری جو شب تو آمدِ فوجِ عدو ہوئی
بیعت کی چار روز تلک گفتگو ہوئی
اور کثرتِ سپاہِ ستم چار سو ہوئی
ہفتم سے فکرِ قتلِ شہِ نیک خو ہوئی
ہشتم سے بابِ امن و اماں بند ہو گیا
پردیسیوں پہ آبِ رواں بند ہو گیا

۷۷
پیاسوں کو تین روز تڑپ کر بسر ہوئے
بچوں کے خشک ہونٹ نہ پانی سے تر ہوئے
دریا سے آشنا نہ شہِ بحر و بر ہوئے
اصغرؑ کو بھوک پیاس میں سولہ پہر ہوئے
کیا کیا صدائے العطش و العطش ہوئی
تڑپی سکینہؑ پیاس سے یاں تک کہ غش ہوئی

۷۸
وہ شب کہ جس کی صبح کو مولا ہوئے ہلاک
سیدانیاں اڑاتی تھیں ہر دم سروں پہ خاک
کچھ روزِ حشر سے بھی زیادہ تھی خوفناک
دامن تلک سبھوں کے گریباں تھے چاک چاک
دنیا سے تھا سفر جو شہِ مشرقین کا
خیمے کے پیچھے شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

۷۹
ہونا وہ صبح قتل کا اور بیبیوں کے بین
زینبؑ کا اضطراب کہ ہے ہے چلے حسینؑ
سوتے سے چونک کر وہ یتیموں کے شور و شین
وہ آخری نمازِ شہنشاہِ مشرقین
در پر کھڑی ہوئی وہ سواری امام کی
سجدے میں وہ تضرّع و زاری امام کی

۸۰
وہ دل رُندھے ہوئے وہ اداسی وہ صبحِ غم
فریاد وہ کنیزوں کی وہ زاریٔ حرم
نوحہ وہ طائروں کا درختوں پہ دم بدم
ڈیوڑھی سے وہ علم کا نکلنا بہ صد حشم
آگے تو ہیتم سے تھے ملک آسمان کے
سر ننگے اہلبیت تھے پیچھے نشان کے

۸۱
پنجے نے جلوۂ کفِ موسیٰ دکھا دیا
دامن نے لطفِ سایۂ طوبیٰ دکھا دیا
پرچم نے حسنِ زلفِ چلیپا دکھا دیا
رفعت نے اوج تا بہ ثریا دکھا دیا
عباسؑ رکھ کے دوش پہ جس دم چلا پھرا
غل تھا علیؑ کے لال کے سر پر ہما پھرا

۸۲
نکلا علم کے بعد نشانِ ابو ترابؑ
چڑھنے لگا فرس پہ جو زہرا کا آفتاب
خورشیدِ مشرقین خدیوِ فلک جناب
تھامی علم کو گاڑ کے عباسؑ نے رکاب
زیں روشنی سے خانۂ پُرنور ہو گیا
چمکی جو برقِ حسن فلک طور ہو گیا

۸۳
غازی چلے کہ گلشنِ باغِ ارم چلا
شیروں کے ساتھ لشکرِ جاہ و حشم چلا
غنچہ حسینیوں کا جہاں سے بہم چلا
غل پڑ گیا حسینؑ سدھارے علم چلا
گل کر گئے سفر دلِ پُر داغ رہ گیا
وا حسرتا بہار گئی باغ رہ گیا

۸۴ جب وادیِ نبرد میں پہونچے وہ گلعذار
میدانِ کیں میں تھے جو صف آرا ستم کے خار
تھی گلشنِ رسولِ خدا پر عجب بہار
اک بار اُن گلوں پہ پڑے تیر دس ہزار
سینوں سے ان کے تیروں کی سریاں گذر گئیں
اجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں

۸۵ کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
دریا کی سمت رخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دو دن کی بھوک پیاس تھی لیکن غضب لڑے
بے دست بھی ہوئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیر درندہ چبا گئے

۸۶ جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی زد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علیؑ مدد
دو کرتے تھے وہ تیغ تو ہم جھول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

۸۷ وہ ناصرانِ دیں جو سدھارے سوئے جناں
جعفرؑ کے باغِ تازہ پہ جب آ گئی .... خزاں
رن میں لڑے عقیل کے فرزند نوجوان
سرو روان علیؑ کے ہوئے جنگ کو رواں
سینوں پہ زخمِ تیغ و سناں کھا کے مر گئے
نقشہ علیؑ کی جنگ کا دکھلا کے مر گئے

۸۸ نکلے حسینی و حسنی پھر پئے جدال
ہنگامِ ظہر آ گیا جب فوج پر زوال
ایسے لڑے کہ ہو گیا میدان لہو سے لال
لاشے تھے گرد بیچ میں تنہا علیؑ کا لال
آئی صدا یہ دل سے کہ صدمے بڑھا گئے
ہیں خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

۸۹ اب حال غیر ہے مجھے حضرت سنبھالیئے
اس فوج کی بلا کہیں آگے سے ٹالیئے
کب تک یہ صبر ہاتھ کو قبضے پہ ڈالیئے
للہ ذوالفقارِ علیؑ کو نکالیئے
فرمایا وہ لڑے جسے جینے کی چاہ ہو
اے دل دعا یہ کر کہ نہ اُمت تباہ ہو

۹۰ ہم ان سے خوش ہیں گو ہمیں اُن سے ولا نہیں
ہر چند تین روز سے پانی ملا نہیں
مارے گئے پسر تو کچھ اس کا گلا نہیں ؛
شبیرؑ بردبار ہے کم حوصلا نہیں ؛
چاہوں تو موج زن ابھی طوفاں ہو نوحؑ کا
پر کیا کروں کہ پاس ہے نانا کی روح کا

۹۱ ایذا میں صبر اپنے گھرانے کا ہے چلن
بے دست ہوتے نہر پہ عباسِ صف شکن ؟
قاسمؑ کو ورنہ خوں میں ڈبو سکتے تیغ زن
مرتا رگڑ کے ایڑیاں اکبرؑ سا گل بدن
مارا نہ دم انھیں کی شفاعت کے واسطے
یہ سب ستم سہے فقط اُمت کے واسطے

۹۲ یہ کہتے تھے کہ چلنے لگے تیر یک بیک
آئی ندائے غیب کہ مشتاق ہیں ملک
شیرِ خدا کے شیر نے دیکھا سوئے فلک
دکھلا دے ذوالفقارِ یداللہ کی چمک
سبقت ادھر سے ہو چکی اب کیا درنگ ہے
ہاں اے علیؑ کے لال یہ ہنگامِ جنگ ہے

۹۳ سنتے ہی یہ امام نے کھینچی کمر سے تیغ
رکتی کبھی نہ تھی جو فرشتوں کے پر سے تیغ
کانپا فلک بلند ہوئی جب کہ سر سے تیغ
برسے اُدھر سے تیر تو چمکی ادھر سے تیغ
غل پڑ گیا شرر جو اٹھے ذوالفقار سے
بھاگو منہ اژدہے نے نکالا ہے غار سے

۹۴ بڑھ کر ابھی کیا نہ تھا حملہ امام نے
ناگاہ دو جوان حسین آئے سامنے
دونوں لگے رکاب جو گھوڑوں کی تھامنے
دیکھا انھیں حسینؑ علیہ السلام نے
جلدی وہ سرو قد پئے تسلیم جھک گئے
گھوڑے کی باگ تھام کے حضرت بھی رک گئے

۹۵ دونوں کی چال ایک سی اور ایک سا جمال
چہروں پہ رعب و دبدبۂ و شوکت و جلال
آنکھیں تھیں ان کی اور قدم شاہ خوش خصال
پروانے جیسے شمع کے ہوں گرد تھا یہ حال
رو کر کبھی نظر سوئے جنگاہ کرتے تھے
حضرت کی بیکسی پہ کبھی آہ کرتے تھے

۹۶ کہنے لگے یہ اُن سے بہ شفقت شہِ انام
لپٹے ہو کیوں قدم سے تمھیں اُن سے کیا ہے کام
بیکس ہوں میں غریب کہاں اور کہاں سلام
ہونا ہی قتل اب مری دشمن ہے فوج شام
مشکل جو تم پہ ہو تو اسے پہلے حل کروں
پھر اس ستم کی فوج سے جنگ و جدل کروں

۹۷ ہو کون اپنا نام بتاؤ مجھے شتاب
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ دیا جواب
ہم نصرت اور فتح ہیں یا ابن بو تراب
حاضر رہیں جلو میں جو ہو مرضی جناب
اس شکل سے زمیں پہ بہت کم ہم آئے ہیں
حکمِ خدا سے ہو کے مجسم ہم آئے ہیں

۹۸ کھینچی کمر سے آپ نے جس وقت ذوالفقار
بس دفعتاً ہوا یہ ہمیں حکمِ کردگار
در پیش ہے حسینؑ کو لاکھوں سے کارزار
جا کر کہو کہ ہم نے دیا تم کو اختیار
منظورِ زیست گر تجھے اے حق پرست ہو
تیری ظفر ہو فوجِ عدو کو شکست ہو

۹۹ یہ سُن کے آبدیدہ ہوئے سرورِ اُمم
بولے زہے غلام نوازی زہے کرم
مشتاقِ قربِ حق ہوں اسی کی مجھے قسم
طفلی سے اشتیاقِ شہادت ہے دمبدم
ہاں وقتِ ذبح فضل کا امیدوار ہوں
میری یہی ہے فتح کہ اس پر نثار ہوں

۱۰۰ اکبر نہ ہو تو جی کے بھلا کیا کرے حسینؑ
کیا زیست کا مزا ہے کہ تڑپا کرے حسینؑ
کب تک جوان بھتیجے کو رویا کرے حسینؑ
کھو کر کہاں سے بھائی کو پیدا کرے حسینؑ
گھر خالی اس خدائی سے دیکھا نہ جائے گا
رونا بہن کا بھائی سے دیکھا نہ جائے گا

۱۰۱ دونوں نے حکمِ شاہ سے لی آسماں کی راہ
تنہا ادھر بڑھا پسرِ ضیغمِ الٰہ
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعدِ روسیاہ
لے حکم دے کہ مجھ سے لڑے تیری سب سپاہ
ہمت کو دیکھ اور مری بیکسی کو دیکھ
مدت کے بعد جوہرِ تیغِ علیؑ کو دیکھ

۱۰۲
وہ حملۂ حسینؑ کہ اللہ کی پناہ
تلوار تھی ہلالِ رخِ شاہ رشکِ ماہ
ابرو پہ بل وہ غیظ سے وہ قہر کی نگاہ
خوں کی شفق میں ڈوب گئی شام کی سیاہ
غل تھا جلال سے پسرِ بوتراب کو
ذرّے اڑا نہ دے سپرِ آفتاب کو

۱۰۳
ہر ضرب میں تنوں سے مینوں کے سر اڑے
ترکش ہر اک قلم ہوئے نیزوں کے پر اڑے
چمکی ادھر کے پھول سپر کے ادھر پڑے
لشکر پہ گر کے آگ لگادی شرر اڑے
زخموں سے خونِ گرم کے شعلے نکل گئے
تن ناریوں کے تیغ کے پانی سے جل گئے

۱۰۴
تقطیع مصرعِ قدِ اعدا میں تھی وہ فرد
ناقص کیا انھیں جنھیں مولا کا تھا نہ درد
اور نظم چار پارہ میں کامل سپہ نبرد
تھے ضربِ ثقیل سے اس کی خفیف مرد
بحرِ فنا زمیں پہ تو برق آسمان پر
سیفی کا سب عروض تھا اس کی زبان پر

۱۰۵
وہ تیغ آبِ بحرِ فنا میں بجھائی تھی
جس کے گلے لگی سر و تن میں جدائی تھی
تخمِ قہر تھا غضب کی برش اس نے پائی تھی
جس صف پہ گر کے برق سی چمکی صفائی تھی
ہر معرکے میں دین کے آگے بڑھی رہی
مرکز کی طرح کفر کے سر پر چڑھی رہی

۱۰۶
لوہے کا اس کی کچھ نہ کھلا کون سی تھی قسم
کیا جانے اس پہ شاہ نے کیا دم کیا تھا اسم
جوہر سے شکلِ آئینہ شفاف صاف جسم
اک دم میں کھول دیتی تھی ہر جسم کا طلسم
مانندِ دیو گر قدِ دشمن بلند تھا
بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا

۱۰۷
ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب سے کل گئی
آئی ادھر سے سن سے ادھر سے نکل گئی
کشتِ امان و امن شقیوں کی جل گئی
کس کس مزے سے خونِ عدو چاٹتی تھی وہ
ہر عضو مثلِ حرفِ غلط کاٹتی تھی وہ

۱۰۸
غازی نے سرکشوں کو تہِ تیغ دھر لیا
لاشوں سے دشتِ ظلم نے دامن کو بھر لیا
قبضہ اجل کی طرح ہر اک تن پہ کر لیا
لیتی ہوئی سپر کو جو اتری تو سر لیا
ٹھہری نہ خود پر نہ زرہ پر نہ زین پر
سر سے کمر پہ تھی تو کمر سے تھی زمین پر

۱۰۹
مثلِ خیار کٹ گئے رد میں تنوں کے سر
تودے بنے تھے خاک پہ تیر افگنوں کے سر
شہ کے قدم پہ لوٹتے تھے دشمنوں کے سر
تکیے کی جا پڑے تھے تلے گردنوں کے سر
کشتے پڑے تھے خاک پہ یوں ذوالفقار کے
سوتے ہیں جیسے بوجھ مسافر اتار کے

۱۱۰
اللہ ری تیغِ دستِ خدا کی صفائیاں
پھرتی سے گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاں
ماری جو ہنکشی تو اڑا دیں کلائیاں
کٹ کٹ گئیں پھکیتوں کے ہاتھوں کی گھائیاں
مقدور کس کو جنگ میں ردّ و بدل کا تھا
ضربت تھی تیغ کی کہ طمانچہ اجل کا تھا

۱۱۱
جب مثلِ برق کوند کے بالائے سر گری
پنجوں سے ہاتھ کٹ کے سپر پر سپر گری
خود آیا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
تانسی اِدھر اُدھر سے چمک کر ادھر گری
ضربت کی دھوم قاف سے تا قاف ہو گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی صاف ہو گئی

۱۱۲
جب لڑتے لڑتے عصر کا ہنگام آ گیا
نرغے میں فاطمہؑ کا گل اندام آ گیا
خوں بہہ کے تا بہ قبضۂ صمصام آ گیا
تیروں کے ساتھ موت کا پیغام آ گیا
تھا شوقِ بندگی جو شہِ سرفراز کو
گردن جھکائے گھوڑے سے اترے نماز کو

۱۱۳
نیّت میں تھی عبادتِ خالق جو مرتے دم
گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے ہوئے سوئے قبلہ خم
سورے زبانِ خشک سے پڑھ کر بچشمِ نم
جھکنا تھا بس کہ سر پہ لگی تیغ بے ستم
اُٹھا گیا نہ پھر وہیں یتورا کے گر پڑے
سجدے کو ریگِ گرم پہ غش کھا کے گر پڑے

۱۱۴
شاہی کلاہ سر سے گری خوں بھری ہوئی
حضرت پہ ختم بے کسی و بے پری ہوئی
غل تھا خزاں بہارِ گلِ حیدریؑ ہوئی
سر چاک تھا زمیں پہ جبیں تھی دھری ہوئی
کیوں بحرِ اشکِ فاطمہؑ آئے نہ جوش پر
پہلو پہ ایک تیر لگا ایک دوش پر

۱۱۵
ریتی پہ جب تڑپنے لگا فاطمہؑ کا لال
ملتی تھی اس کی چال سے خیر النساؑ کی چال
اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
آلودہ تھے عذارِ مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہؑ نکل آئی مزار سے

۱۱۶
غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا
سر تن پہ ہے مرے ابھی کیوں پھینک دی ردا
گردن اٹھا کے بولے کہ بہنا یہ کیا کیا
آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں
ہٹ ہٹ یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

۱۱۷
چلاّتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اے ظالمو یہ حیدرِ صفدر کا ہے پسر
شبیرؑ ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

۱۱۸
مقتل میں ہے عمامہ میں محبوبِ کبریا
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اوصیا
آتے ہیں غش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیاء
اک شور ہے کہ ہائے یہ اُمّت نے کیا کیا
اُٹھ اُٹھ کے جب زمیں پہ شبیرؑ گرتے ہیں
پروانے کی طرح سے حسنؑ گرد پھرتے ہیں

۱۱۹
ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دل فگار
بھائی سے چھوٹتی ہوں میں کیوں کر پڑے قرار
امّاں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
اس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

۱۲۰ روکر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
چلاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر!
اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
تھیں چھوٹے لڑکوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منھ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

۱۲۱ تیغوں کے وار چلتے تھے بیکس پہ دم بدم
بارہ لعیں تھے کھینچے ہوئے خنجرِ ستم
کہتے تھے شکر شکر زباں سے شہِ امم
غل تھا کہ بوسہ گاہِ محمدؐ کرو قلم
کرتا تھا جب نگاہ تنِ چاک چاک پر
دُلدُل بھی سر پٹکتا تھا جھک جھک کے خاک پر

۱۲۲ یاں قتل گہ میں غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینے پر
آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بدگہر
حضرت نے شمر سے کہا پیاسا نہ ذبح کر!
پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو
جلاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

۱۲۳ قاتل نے یاں گلے پہ رکھا خنجرِ جفا
جنگل سے آئی فاطمہؑ کے رونے کی صدا
دوڑی ادھر سے دخترِ زہراؑ برہنہ پا
سر پیٹ کے فلک پہ فرشتوں نے یہ کہا
بند آنکھیں کر لو سب کہ زمیں تھرتھراتی ہے
بیٹی علیؑ کی بھائی کے لاشے پہ جاتی ہے

۱۲۴ زینبؑ نے دی صدا کہ حسینا! بن نثار
دل تھام کر تڑپ گئے محبوبِ کردگار
واحسرتا یہ خشک گلا اور چھری کی دھار
فرزند سے لپٹنے لگے شاہِ ذوالفقار
حیراں ہوں کیوں زمیں کا نہ طبقہ الٹ گیا
سب پیٹتے رہے سرِ شبیر کٹ گیا

۱۲۵ خوں ہو کے تیغِ کیں سے بہا فاطمہؑ کا شیر
نیزے پہ رکھ دیا سرِ شاہِ فلک سریر
سینے سے آن کر نہ نکالا کسی نے تیر
غل تھا کہ ذبح ہو گیا کونین کا امیر
خنجر چلا گلے پہ شہِ مشرقین کے
ہے ہے یتیم ہو گئے بچے حسینؑ کے

۱۲۶ اب اے انیسؔ گریہ و زاری کا ہے محل
حسرت کا ہے مقام جو فرصت نہ دے اجل
واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
اب تو وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل
پیری کا یاں مزا نہ جوانی کا لطف ہے
روضے پہ شہ کے مرثیہ خوانی کا لطف ہے

تمام شد

خاتمۃ الطبع از ابو ناظم مولینا محمد حامد علی خان صاحب حامد شاہ آبادی

سابق محافظ عملہ تصحیح مطبع

کل عین باکیۃ یوم القیمۃ الا عین بکت علی الحسین فانہا ضاحکۃ مستبشرۃ بنعیم الجنۃ

خوشا بحالِ گریہ کنندگانِ بر مصائب خامسِ آلِ عبا و حبذا آل ماتم دارانِ جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کہ جو ہر سال بلکہ ہر ماہ اپنے جان و مال کو صرف کر کے ماتم اہل بیت کو کامل کرتے ہیں اور باندک توجہ خاطر ثواب لاتعد ولاتحصیٰ حاصل کرتے ہیں۔ عجب طرح کا وسیلۂ بخشش غم حسینؑ ہے کہ مصداق لفظ تباکی پر بھی حصول جنت فرض عین ہے۔ مختوم المغفرت فقط عاشقانِ حسینؑ ہیں جن کے مداح خود رسول الثقلین ہیں فی الحقیقت ؎

حسینؑ جانِ گرامی فدائے اُمّت کرد
رواست اُمّت اگر جاں کند فدائے حسینؑ

چونکہ رونا رُلانا عمدہ اسبابِ مغفرت سے ہے اور بغیر ذکر اہلبیت علیہم السلام ممکن نہیں اسی واسطے اکابر دین نے صدہا کتابیں مصائب آلِ عبا میں تصنیف و تالیف فرمائیں اور منجملہ اُن کے اکثر کتب معرضِ طبع میں بھی آئیں لیکن فی زمانا طریقہ مرثیہ گوئی کا شاعرانِ ذی کمال نے نکالا ہے۔ اگر بہ نظر انصاف دیکھو تو یہ طرز سب سے نرالا ہے۔ اگرچہ وادیٔ ناپیدا کنار اور دشت پُرخار اس فن خاص میں ہر ایک نے قدم ہمت و جرأت کو آگے بڑھایا مگر مثلِ گردشِ پرکار جہاں سے چلے تھے وہیں پھر آپ کو پایا۔ الّا فارس مضمارِ فصاحت یکہ تاز جولانگاہِ بلاغت اکمل الکاملین زبدۃ الشاعرین سلطان الذاکرین افسر الناطقین دانائے رموزِ خفی و جلی جناب میر ببر علی صاحب مغفور المتخلص بہ انیس اسکنہ اللہ بحبوحۃ الفرادیس نے اس بادیۂ وحشت خیز اور بیدائے ہلاکت انگیز کو بہ کمال آسانی طے کیا اور بے سوارانِ تنگ و نام ہوس کے کمیتِ عزم کو پے کیا الحق کہ اس فردوسی ہند کا کلام بلاغت نظام عجب پُرتاثیر ہے کہ سامعین کے دلوں پر ایک کیفیت وجد پیدا کرتا ہے۔ اسی سبب سے ہر صغیر و کبیر اُن کے سخن کا دم بھرتا ہے از آنجا کہ ہر شخص اس امر کا متمنی تھا کہ کسی طرح سے اس ممدوح کا کلام یکجا فراہم ہو لیکن اس فراہمی کو زر کثیر اور جہد بلیغ درکار تھا پس بموجب اصرار و اشتیاق شائقان اہالی مطبع فیض مجمع بحرِ ہمت و عطا قلزم فتوت و اعتلا مقبول اہل شعور منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای آنجہانی نے اس امر اہم کا انصرام اپنی ذمت والا نہمت پر لیا اور بہ ہزاران ہزار کوشش اور صرف زر کثیر سے ایسے مرثیوں کا ذخیرہ جمع کیا کہ کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا اور فی الواقع اگر کلام بلاغت انضمام اس ممدوح کا زیر طبع نہ آتا تو باقیات الصالحات

ایسے باکمال کا نہ ہوتا اب شائقین کو بشارت ہو کہ جس کلام کا جمع ہونا شمار عدد رمال اور وزن جبال اور سیل بحار کے برابر تھا وہ دُرِ شہوار اب کوڑیوں کے مول ہو گیا اور اس افراط کے ساتھ کہ چار جلدیں اس کلام بلاغت انضمام کی معرض طبع میں آکر مطبوع خلائق ہوئیں اور واسطے صحت اِن مرثیوں کے جامع علوم عقلی و نقلی جناب مولوی سید تصدق حسین صاحب رضوی کو مالک موصوف نے مخصوص کیا اور انھوں نے بھی حتی الوسع اُن کی صحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اگرچہ سہو و خطا ہر شخص کے آب و گل میں سرشتہ ہے اور جس سے خطا نہ ہو وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ لیکن کیا عجب ہے کہ کوئی مصرع بے تکا بے معنی اور ناموزوں رہ گیا ہو۔ بایں ہمہ صاحبانِ فہم اور دانایانِ کرم سے خواستگاری ہے کہ اگر بسبب خلاف منقول کہیں سہو و خطا ہو گئی ہو تو دامنِ عفو و اصلاح سے مستتر فرما دیں۔ کلام الحق عمل کن امام الناس مقبولٌ و ما سوالٌ۔ چونکہ اس کلام کا ایک زمانہ مشتاق تھا بفور طبع تمام جلدیں دست بدست ہدیۂ شائقین ہو گئیں اور پھر اسی طرح اشتیاق خریداران باقی رہا چنانچہ یہ جلد ثالث مرثیہ میر انیس کی حسب خواہش شائقین باتمکین کے مطبع منشی تیج کمار پرائیویٹ لمیٹڈ واقع لکھنؤ میں حسب الحکم معلّے القاب

جناب منشی تیج کمار صاحب منیجنگ ڈائرکٹر

با اہتمام ایم ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ بماہ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء بار ہفتم طبع ہوئی۔

تاریخ مراثی میر انیس جلد سوم از خطِ آنجہانی منشی بالک رام صاحب گہر جانشین حضرت شگفتہ لکھنوی

منصرم صیغۂ مطبع ہذا

میر انیس شاعر یکتائے روزگار
ہمتائے او بہ مرثیہ گوئی دگر نخاست
از طرز خوش نمود ادائے حق رزم را
فردوسیٔ زماں چہ بگویم ورا سزاست
بر منبرے نشستہ چو خواند او رباعیے
فریاد و نالہ ز اہل عزا یک بیک بخاست
جلد سوم ز مرثیہ اش طبع شد کنوں
تاریخ سالِ طبع نویسم دلم بخواست
گلکم گہر ز سوز چنیں گشت نوحہ خواں
ایں صدق واقعاتِ شہیدانِ کربلا

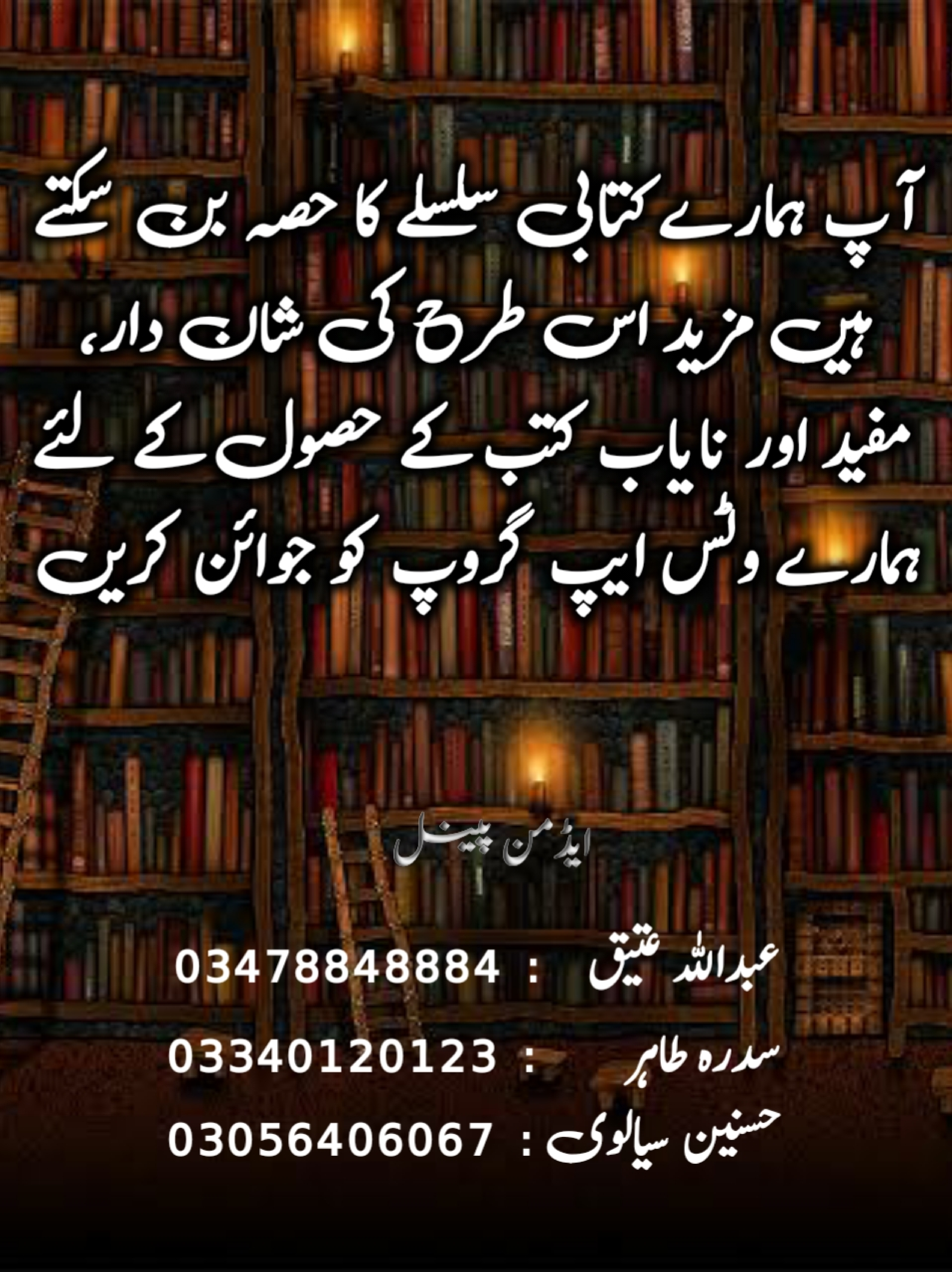

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

ضروری اعلان

خدا کے فضل سے ہمارے کتب خانہ تجارتی میں جملہ علوم و فنون کی کتابیں بزبان عربی، فارسی، اردو، ہندی و سنسکرت کافی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں جن کی مفصل فہرست صرف اطلاع پانے پر روانہ کی جاتی ہے کتابوں کی تصحیح کا اسقدر خیال کیا جاتا ہے کہ جو کتاب اسٹاک میں ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کتاب پہلے صحیح کرائی جاتی ہے اور اس کی اصل اگر کسی دوسرے کتب خانہ میں دستیاب ہو جاتی ہے تو اُس اصل سے مقابلہ کرایا جاتا ہے اور باعتبار کاغذ و چھپائی و سائز پہلی اصل سے بدرجہا اچھی حالت میں پیش کی جاتی ہے باوجود گرانی کاغذ و اسباب طباعت قیمت نہایت مناسب رکھی جاتی ہے اس لیے استدعا ہے کہ اگر آپ ہمارے قدیم خریدار ہیں تو آپ سے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کو اب تک ہمارے کتب خانہ سے کسی کتاب کے طلب کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تو براہ مہربانی کوئی فرمائش بھیج کر ہمارے کارخانہ کی صفائی معاملہ، کتب کی عمدگی اور قیمت کی مناسبت کا اندازہ ضرور فرمائیں۔

المشتـــــــــــــــــــہر

منیجر تیج کمار بکڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ پوسٹ بکس نمبر ۸۵
۱۔ ترلوک ناتھ روڈ، لکھنؤ۔ ۰۰۱ ۲۲۶
فون نمبر: (۰۵۲۲) ۲۶۲۳۳۱۵